

# بُرْدَج

PDFBOOKSFREE.PK

ڈاکٹر عبدالرب بھٹی

## پیش لفظ

انسان فطری طور پر مجس مخلوق ہے۔ ہر شے کے بارے میں تجسس کرنا اور اس کا کھو جگانا اس کی فطرت میں شامل ہے۔ اپنی اسی فطری صلاحیت کی وجہ سے انسان کائنات کو تحریر کرتا چلا آ رہا ہے۔ سائنسی ترقی دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے لیکن اس کے باوجود بعض ایسے معاملات سے اس کا واسطہ پڑتا ہے جو اس کے فہم و ادراک سے ماوراء ہوتے ہیں۔ عقل جب ان کی توجیہ پیش کرنے سے قاصر ہو جاتی ہے تو وہ ان پر ”پراسرار“ کاٹھپہ لگادیتا ہے۔

عجین، بھوت، چنیلیں، پچھل پیری، سایہ، آسیب اور ایسی جو بھی مخلوقات ہیں۔ لوگ ہمیشہ سے ان کے بارے میں جاننے کی ججو میں رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پوری دنیا میں ایسی کہانیاں اور قسمیں زبردست کامیابی حاصل کرتی ہیں۔

”بدروح“ بھی ایک ایسی ہی کہانی ہے۔ ڈاکٹر عبدالرب بھٹی ایک منجھے ہوئے قلمکار ہیں اور انہوں نے تقریباً ہر موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ ان کی یہ کہانی ایسی ہے جس میں ایک پراسرار اور نادیدہ مخلوق کو موضوع بنایا گیا ہے۔ انہوں نے کہانی کا تانا بانا بڑی مہارت سے بنا ہے۔ اس میں پراسراریت، خوف اور تجسس کے ساتھ ساتھ کہانی کی دلچسپی بھی آخر تک برقرار رکھی ہے۔

نیکی اور بدی، انسان اور شیطان کی جو جنگ روز ازل سے جاری ہے اور ابد تک جاری رہے گی، اس کو ڈاکٹر صاحب نے اس مہارت سے پیش کیا ہے کہ قاری کی دلچسپی آخر تک برقرار رہتی ہے۔

”بدروح“ کی کہانی کیسی ہے، اس کا فیصلہ قارئین ہی کریں گے امید ہے قارئین کے معیار پر یہ پوری اترے گی۔

تیمور کے پاس اللہ کا دیا سب کچھ تھا، اچھی نوکری، اچھا گھر اور نیک سیرت و  
وفاق شعار بیوی..... جس کی اچھی اور بہترین تربیت کا عکس ان کے تینوں بچوں میں صاف جھلکتا  
تھا۔ بڑی بیٹی فائزہ تھی جو بی اے کرچکی تھی اور آج کل اس کے رشتے کے سلسلے میں بات چیت  
چل رہی تھی، اس سے چھوٹا سا جد تھا جو انتہ کر رہا تھا اور ساجد سے ایک سال چھوٹی شگفتہ  
فرست ایئر میں پڑھتی تھی۔

شگفتہ سولہ سترہ سالہ ایک خوبصورت اور گڑیاں لڑکی تھی، چھوٹی ہونے کے باعث وہ ماں،  
باپ ہی کی نہیں اپنے بہن، بھائیوں کی بھی لاڈلی تھی مگر باوجود اس کے شگفتہ میں روایتی ضد اور  
بگاڑ پن نہیں آیا تھا، وہ سب کا احترام کرتی تھی، اپنی عمر کے برخلاف وہ سنجیدہ مزان اور کم گلوکاری تھی،  
شاید یہ اس کی نظرت کا حصہ تھا یا پھر ان عجیب و غریب اور پُر اسرار حالات کا شاخانہ تھا جس نے  
اسے مزید کم گو اور کم صم سا کر دیا تھا، گھر میں سب سے چھوٹی ہونے کے باعث اس میں جو تھوڑی  
بہت شوخی و شرارت تھی، وہ بھی اب ان پُر اسرار حالات کی وجہ سے منقوص ہو کر رہ گئی تھی۔

بچپن میں اسے ڈراؤ نے خواب آتے تھے مگر یہ کوئی اہم بات نہ تھی، اس عمر میں بچوں کو  
ایسے خواب عموماً آتے ہی ہیں۔ طبعی نظر نظر سے نمک کی زیادتی اور پیٹ کی خرابی اس کا سبب ہوتا  
ہے، پھر عمر کے ساتھ ساتھ خود بخود ایسے ڈراؤ نے خواب معدوم ہونے لگتے ہیں لیکن شگفتہ کے  
ساتھ ایسا نہ ہوا۔

پہلے تو اسے کبھی کبھار ہی یہ خواب آتے تھے مگر جیسے جیسے وہ بڑی ہونے لگی تو ان میں بجائے  
کم آنے کے اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اب جبکہ وہ ایک سولہ سترہ سالہ جوان لڑکی تھی، یہ خواب اب ایک  
تو اتر کے ساتھ آنے لگے تھے۔

اب تو کئی باروں راتوں میں اچاک کچن مار کر بیدار ہو جایا کرتی تھی۔ تیمور ایک پڑھے لکھے  
اور سمجھدار آدمی تھے، شگفتہ کی کم گوئی اور سنجیدہ روئی کو وہ اس کی غیر معمولی حساس طبیعت پر ہی محمول

شگفتہ کے حلق سے غیر ارادی طور پر دبی دبی چیخ نکل گئی، وہ ہیولا اس کے بالکل قریب سے گزرا تو اسے ایک سرد جھونکے کا احساس ہوا، گرمی کے باوجود شگفتہ کھڑگی، اس نے اپنی کیفت پر قابو پایا، وہ یک دم پلٹی تو ہیو لے کو دوبارہ ڈرائیک روم کی طرف جاتے دیکھا، شگفتہ نے ماں کی ہدایت کے مطابق دل ہی دل میں آیت الکری اور سورہ والنس کا ورد کیا اور اس پر اسرار سائے کا تعاقب کرنے کی بجائے اپنے کمرے میں داخل ہو گئی، وہ جلدی سے دروازہ بند کر کے اپنی پشت اس سے نکالے کھڑی بری طرح ہائپنے لگی، وہ پسینے میں شرابوں ہو گئی تھی۔

چند ثانیے بعد اس نے گھرے گھرے سانس لے کر اپنے حواس بحال کئے اور لرزتے قدموں کے ساتھ بید پر آ کر بیٹھ گئی اور اس پر اسرار ہیو لے کے بارے میں سوچنے لگی۔

ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ دروازے پر باہر سے کسی نے ہلکی دستک دی، پھر رات کے نائلے میں دروازے پر ہونے والی ہلکی شگفتہ کو دھماکے سے کم نہ لگی، وہ بری طرح چوک پڑی، اس کا دل بری طرح دھک کرنے لگا، پورا وجود خزان رسیدہ پتے کی طرح کا پنپنے لگا۔ اس کے دروازے پر دوبارہ دستک ہوئی، اس بار یہ سوچ کروہ ذرا ہمت کر کے بستر سے انھی کے ہوسکتا ہے دروازے پر آپی یا ماں ہوں، مگر پھر وہ دروازے کے قریب پہنچ کر ذرا تیز آواز میں بولی۔ ”کک... کون ہے؟“ اس کی آواز میں واضح طور پر لرزش تھی۔

” دروازہ کھولو شگفتہ....! میں ہوں تمہاری آپی۔“ دوسری طرف سے اپنی بڑی بہن فائزہ کی آواز پر اس نے بے اختیار ایک سکون کی سانس لی اور جلدی سے دروازہ کھول دیا۔ دوسرے ہی لمحے دھک سے رہ گئی، وہاں کوئی بھی موجود نہ تھا، وہ لرزی گئی پھر ہست کر کے آگے بڑھی اور دامیں باسیں ذرا جھاٹک کر دیکھا، راہداری دیری ان تھی، اس نے فوراً دروازہ بند کر لیا۔

اگلی صبح اس نے اپنے گھر والوں کو یہ بات بتائی تو کسی نے اس پر یقین نہ کیا۔ اسی دن شام کو چھبجے کے قریب وہ اپنے کمرے میں پہنچی پڑھ رہی تھی، تیمورا بھی تک دفتر سے نہیں لوٹے تھے، ماں اور فائزہ پڑوں میں گئی ہوئی تھیں، گھر میں صرف شگفتہ اور ساجد تھے جبکہ ساجد کا بھی ابھی ذرا دیر پہلے ایک دوست آیا تھا اور وہ ذرا دیر میں ہی لوٹنے کا کہہ کر اس کے ہمراہ چلا گیا تھا۔

اچانک باہر صحن میں کھکا ہوا، شگفتہ کتاب پڑھتے پڑھتے چونکی، پھر اچانک باہر صحن میں کسی کے پیڑ پر زور دنمیں کے چلنے کی آواز ابھری، پہلے تو کبھی شاید ساجد آگیا ہے مگر پھر دروازے سے نکلا۔

کرتے تھے اس لئے انہوں نے شگفتہ کے مسئلے پر زیادہ توجہ نہ دی اور صرف اتنا حل نکلا کہ اسے کمرے میں اکٹا نہیں سوئے، یا جاتا تھا، اب وہ اپنی ماں کے ساتھ سوتی تھی باپھر کبھی اس کی بڑی بہن فائزہ سو جاتی تھی۔

ایک سب سے اہم بات جو خود شگفتہ نے نوٹ کی تھی وہ یہ تھی کہ ڈراؤنے خوابوں کی نوعیت مختلف نہیں تھی، اسے صرف ایک انتہائی خوفناک اور بھیاںک اور بھیاںک جھرے نظر آتا تھا، کسی غیر انسانی مخلوق کا بھیاںک چہرہ، جو اس کے قریب آتے آتے مزید کریہ اور خوفناک ہو جاتا تھا، تب وہ خوف زدہ ہو کر چیخ پڑتی اور نیند سے بیدار ہو جاتی تھی۔ پھر ایک عجیب بات ہوئی، یہ ڈراؤنے خواب آنے خود ہی بند ہو گئے، کئی روز بیت گئے یہ خواب آنا اب بالکل ہی بند ہو گئے، شگفتہ نے ہی نہیں بلکہ دیگر گھر والوں نے بھی سکون کا سانس لیا۔

چند دن مزید اسی طرح خیریت سے گزر گئے۔

ایک روز شگفتہ کی نصف رات کو اچانک آنکھ کھلی تو اسے اپنے حلق میں پیاس کی شدت سے کائنے چھتے ہوئے محسوس ہوئے، رات اپنے نصف پھر میں تھی، ہر سو خاموشی اور سناٹا طاری تھا، شگفتہ پانی پینے کے لیے بیڈ سے اٹھی، اب وہ اکیلی ہی کمرے میں سوتی تھی۔

کمرے میں زیر و داث کا بلبل روشن تھا، وہ اپنے کمرے سے نکل کر ڈرائیک روم میں آئی، یہاں بھی مضموم رہنی تھی، وہ فرنگ کے پاس آئی اور ہٹنڈے پانی کی بوتل نکالنے لگی، ایک گلاس پانی پیا تو اسے حلق کی جھیمن میں کمی محسوس ہوئی پھر وہ جیسے ہی پہنچ اچانک اسے مضموم رہنی میں ایک ٹلکی سا ہیولا ڈرائیک روم کے درمیان سے ہوتا ہوا بہر کی طرف جاتا نظر آیا۔

شگفتہ بری طرح ٹھنکی، پہلے تو یہی شبہ ہوا کہ گھر کا کوئی فرد اس کی طرح پانی پینے اٹھا ہوا اور اب واپس اپنے کمرے کی طرف لوٹ رہا ہو لیکن اسے تسلی نہ ہوئی، وہ یک دم پلٹی، وہ بڑھی بہن ڈرائیک روم سے نکل کر غائب ہو گیا تھا۔

شگفتہ مختصری نام تاریک راہداری میں کھڑی تھی، واٹس جانب اس کی ای، ابوکی خواب گاہ تھی اور اس کے بعد ایک کمر اس ساجدہ کا تھا، دیوار کے باسیں جانب اس کا اور فائزہ کا کمر تھا۔

شگفتہ کو پھر وہ پر اسرار ہیولا دکھائی نہ دیا۔ وہ اسے اپنا وہ سہ سمجھ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھی اور پھر جیسے ہی دروازے کے قریب پہنچی، اچانک وہی ہیولا نہایت تیزی کے ساتھ کھلے دروازے سے نکلا۔

فائزہ نے عجیب سے لبھ میں جوابا کہا۔ ”وہ آرہی ہیں۔“ یہ کہہ کر وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

شگفتہ نے ابھی ہوئی نظروں سے اپنی بہن کو کمرے کی طرف جاتے ہوئے دیکھا اور پھر دروازہ بند کر کے جیسے ہی وہ پلٹنے لگی، دروازے پر اچانک دستک ہوئی۔

”شاید اماں آگئیں؟“ وہ ہولے سے بڑی رائی اور لپک کر دروازہ کھولا تو اسے شدید حرمت کا جھٹکا لگا، دروازے پر اس کی ماں کھڑی تھی مگر اس کے ہمراہ آپی فائزہ بھی کھڑی تھیں، شگفتہ کا دل دھک سے رہ گیا۔

”کیا ہوا شگوبیٹی...؟ تم ایسے ہمیں کیا دیکھ رہی ہو؟“ اس کی ماں نے قدرے چونک کراس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ شگفتہ حرمت و خوف کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ کبھی سامنے اماں کے ساتھ کھڑی اپنی آپی فائزہ کو دیکھتی تو کبھی مذکور عقب میں اس کے کمرے کی طرف جدھر تھوڑی دیر پہلے ہی فائزہ داخل ہوئی تھی، پھر جانے شگفتہ کو کیا ہوا کہ وہ فوراً کمرے کی طرف دوڑی اور اندر جھانا تو کر اخالی تھا۔

اس نے اماں اور فائزہ کو ساری بات بتائی تو اماں نے اپنا تھاپیٹ ڈالا۔

”پتنیں کیا ہو گیا ہے تھے....؟ عجیب و غریب باتیں کرتی تھی ہے، بھلا فائزہ کب آئی تھی؟ وہ تو ابھی میرے ساتھ ہی آئی ہے۔“

”میں تج کہہ رہی ہوں اماں....!“ شگفتہ نے ہر اس لبھ میں کہا۔ ”ابھی تھوڑی دیر پہلے تو آپی آئی تھیں اور مجھ سے کہہ رہی تھیں کہ....!“

”اے چھوڑو بیٹی....! عشاء کا وقت ہونے والا ہے، نماز پڑھی ہے، پتنیں تم کیا اول فول کھتی رہتی ہو؟“ اماں نے بھجنلا کر اس کی بات کا نتے ہوئے کہا اور ضوکرنے چل گئی۔

”آپی....! میں تج کہہ رہی ہوں۔“ اماں کے جاتے ہی شگفتہ نے اپنی بڑی بہن سے کہا۔ ”بلکہ میں نے تو ایک چھوٹا سا بچہ بھی دیکھا تھا، چھت پر ظمّنگنگا رہتا تھا پھر اچانک غائب ہو گیا۔“

اس کی بات سن کر فائزہ زور سے نہ دی اور بولی۔ ”لگتا ہے تم نے خوفاں کہا نیاں پڑھنی شروع کر دی ہیں یا کیبل پر کوئی ڈراؤنی فلم دیکھ لی ہوگی۔“

”پتنیں آپی....! میں تج کہہ رہی ہوں، کل رات بھی میں نے واقعی ایک ہیولا دیکھا تھا جو کبھی ایک کمرے کی طرف جاتا تھا، کبھی دوسرا سے میں داخل ہوتا تھا۔“

اسے خیال آیا کہ اس نے تو ساجد کے باہر جاتے ہی دروازے کو اندر سے کٹھی چڑھا دی تھی۔ ایک بار بھروس کے دل کو اونچا جانے خوف نے آیا تاہم وہ ہمت کر کے انھی اور صحن میں آئی۔

شام کے سارے گھرے ہونے لگے تھے، صحن میں کوئی نہ تھا، دفتار کہیں قریب ہی ”میاڑوں“ کی آواز ابھری، وہ بری طرح ٹھنک کر آواز کی سمت پلٹی تو ایک سیاہ رنگ کی بلی اگلے دو فوٹ پاؤں سکیرے اس کی طرف مقناطیسی نظروں سے گھور رہی تھی۔

خوف کے باعث شگفتہ پر بری طرح جھنجلا ہٹ طاری ہو گئی، اس نے دانت پیس کر اپنی چپل اتار کر بلی کو دے ماری، بلی میاڑوں کی آواز سے منڈیر پر چڑھ گئی اور باہر گلی میں چھلانگ لگا کر غائب ہو گئی۔

شگفتہ نے اپنی چپل پہنی اور جیسے ہی کمرے کی طرف جانے لگی، معا ایک آواز پر وہ ٹھنک کر رُز کی۔

یہ آواز کسی نو عمر بچے کی تھی، وہ اپنے کورس کی نظم گنگنا رہتا تھا، شگفتہ کو حیرت ہوئی، اس نے دیکھا بالکل نو سالہ پچھے جس کا مند و سری طرف تھا، بڑے مخصوصاً نہ انداز میں نظم گنگنا رہتا تھا، شگفتہ اپنے گھر کی چھت پر ایک معصوم بچے کو دیکھ کر حیران کی رہ گئی۔

”اے....! کون ہوتا ہے؟“ اس نے زور سے بچے کو پکارا۔ اس کی آواز پر بچے نے یک دم گنگنا بند کر دیا اور پھر دھیرے دھیرے وہ شگفتہ کی طرف پلتا، وہ ایک معصوم صورت اور بہت پیارا سا بچہ تھا لیکن شگفتہ نے دیکھا کہ اس کے چہرے پر ایسی تیز چک تھی جیسے قریب سے اس کے چہرے پر کوئی محمد وہاں لے والی روشنی پھینک رہا ہو۔

وہ بچہ شگفتہ کو دیکھ کر ہولے سے مسکرا یا اور چھت کی منڈیر کے عقب میں غائب ہو گیا۔ شگفتہ دوڑتی ہوئی سیر ہیاں چڑھتی چھت پر جا پہنچی مگر وہ اسرار پچھے غائب تھا، شگفتہ دوبارہ نیچے آگئی۔ ابھی وہ صحن میں ہی تھی کہ کال میل بھی، وہ یہی تھی کہ ساجد ہو گایا پھر اماں اور آپی....! اس نے دروازہ کھول دیا، سامنے فائزہ کھڑی تھی، اس نے سفید سوٹ پین کر کھاتھا، چہرے پر عجیب سی دیرانی اور ساپٹ پن تھا، وہ پھر ایک ہوئی نظروں سے شگفتہ کو دیکھتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔

”اے....! آپی....! آپ اکیلی آگئیں؟ اماں کہاں رہ گئیں؟“ شگفتہ نے حیرت سے پوچھا۔

ہونے لگا، اس نے فوراً اپنی بہن فائزہ کو سر زور سے بھنجوڑ کر جگانا چاہا مگر وہ تو جیسے گھوڑے بیچ کر سورہی تھی، ذرا بھی ثیر سے سکن نہ ہوئی۔

”آ..... آپی....! انھوں... انھوں اپی....! خدا کے لیے اٹھو۔“ وہ خوف کے مارے بے حال ہو کر اسے پکارنے لگی ساتھ ہی اس کی دہشت زدہ نظریں اپنے سائے پر بھی جی ہوئی تھیں جواب اس سے جدا ہو کر کمرے کی چار دیواری پر گردش کر رہا تھا۔

پھر فائزہ نے عجیب انداز میں کروٹ بدی، شگفتہ کی جان میں جان آئی مگر جیسے ہی اس نے فائزہ کے چہرے کی طرف دیکھا تو اس کی روح تک خوف سے مخدوہ ہو گئی۔

اُف.... اس کا چہرہ کس قدر بھیاں کہ ہورہا تھا، یہ وہی کریبہ صورت بھیاں کہ چہرہ تھا جو وہ بچپن سے خواب میں دیکھتی آئی تھی، بغیر پوٹوں کے بڑی بڑی جلتی ہوئی خوناک آنکھیں، ان گنت درازوں پر انتہائی سیاہ چہرہ، کچھڑی سے بال، ہونٹ غائب اور غارنمنڈاہانے سے جھاکتے دنوں کیلئے دانت.... اندر سے دوشاخہ سرخ رنگ کی لپکاتی ہوئی زبان....!

اس سے قبل یہ بھیاں کہ چہرہ وہ خوابوں میں دیکھتی آئی تھی جب اسے ڈراؤ نے خواب آتے تھے مگر آج وہ جاتی آنکھوں سے یہ خوناک اور بھیاں کہ چہرہ دیکھ رہی تھی۔

شگفتہ جی جان سے لرزائی، اپنی بڑی بہن فائزہ کے چہرے پر یہ بھیاں کہ چہرہ دیکھ کر بے اصیار اس نے مارے خوف دہشت کے چینخا چاہا مگر جیسے حلق سے چینخا تو درکنار ایک معنوی سی سکاری بھی برآمد نہ ہوا پر ہی تھی، پتنیں یہ جاتی آنکھوں سے حقیقت میں اس بھیاں کہ چہرے کو اتنا تقریب دیکھنے کی دہشت تھی یا پہنچ اسراریت کہ اس کی اب تو ٹھکنی بندھ گئی تھی۔

مگر دوسرے ہی لمحے اس نے ہمت کی اور خود کو یک دم بیڈ سے نیچے دھکیل دیا۔

فائزہ اپنے بھیاں کہ چہرے کے ساتھ بالکل میکائیں کی انداز میں بیڈ پر اپنچ کر بیٹھ گئی تھی، وہ بھیاں کہ چہرہ اپنی بغیر پوٹوں والی البتی ہوئی سرخ انگارہ آنکھوں سے اس کی طرف گھورنے لگا اور عجیب آواز میں غرانے لگا۔

خوف کے انہائی احساس تلے شگفتہ پر ہستیریائی دورہ پڑا اور اس نے آؤ دیکھانہ تاؤ بیڈ سائید میبل پر کھاپانی کا شکستہ والا جگ اٹھا کر اس بھیاں کہ چہرے پر دے مارا۔

کمرے کے سناٹے دار ماحول میں ایک تیز چیخ ابھری اور شگفتہ بھی چلانے لگی، آنا فانا گھر کے دیگر افراد ان چیزوں کی آواز سن کر اندر داخل ہو گئے۔

”اچھا میری بتو....! اب یہ ڈراؤ نی فلم کی کہانی مجھے سنا کر مت ڈراؤ، میرا دل پہلے، ہی کمزور ہے۔“ فائزہ یہ کہتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ شگفتہ بڑی طرح پریشان ہو گئی اور جھنگلا کر غصے سے بڑراہی۔ ”کوئی میری بات کا یقین نہیں کر رہا ہے۔“

رات ہوئی مگر شگفتہ کے اندر کا خوف کم نہ ہوا، اس نے بڑی منت سماجت کر کے فائزہ کو آج رات اپنے کمرے میں سونے پر راضی کر لیا۔

کمرے میں ڈبل بیڈ تھا، وال کلاک رات کا ایک بجارتہا تھا، دونوں بہنسیں ایک ہی بیڈ پر لیٹی ہوئی تھیں، فائزہ دوسری طرف کروٹ بد لے گھری نیند میں ڈوبی ہوئی تھی جبکہ شگفتہ کی آنکھوں سے نیندا بھی کوسوں دور تھی۔

وہ ابھی تک اندر کے نامعلوم خوف کے باعث سونہیں پار ہی تھی، اگرچہ اس کے دل کو ایک ڈھارس تھی کہ اس کی بہن ساتھ تھی، مگر پھر بھی جانے کیوں اسے اپنے اندر عجیب سی بے چینی ہو رہی تھی۔

کمرے کی لائٹ گل تھی۔ صرف زیر و پار کا بزر بلب روشن تھا۔

شگفتہ سونے کی کوشش کرنے لگی، اچانک زیر و پار کا بلب آف ہو گیا، چھٹ پر چلتا ہوا پانچھا بھی بند ہو گیا، کمرے میں یکا یک گھری تاریکی چھاگئی۔

”اس کم بخت لائٹ کو بھی آج ہی جانا تھا۔“ شگفتہ غصے سے بڑراہی۔

گریبوں میں خاص طور پر لائٹ کا یوں غیر اعلانیہ بریک ڈاؤن اب عامہ بات ہو گئی تھی اس لئے بیڈ سائید میبل کی دراز میں مومنتی اور ایک ماچس موجود تھی، شگفتہ نے تاریکی میں بیڈ سائید میبل کی دراز میں مٹول کر ماچس اور مومنتی تکالی پھر ایک تیلی جلا کر مومنتی روشن کر دی، کمرے میں مقدور بھرپٹنی پھیلی تو شگفتہ کے دل کی بے ترتیب دھڑکنیں قدرے معمول پر آئیں، اس نے جلتی ہوئی مومنتی وہیں بیڈ سائید میبل کی سطح پر تھوڑا اموم گرا کر چپکا دی اور بیڈ پر سکڑ سمت کر بیٹھ گئی، اس کی بہن فائزہ ہنوز دوسری طرف کروٹ لئے گھری نیند میں عرق تھی، دیوار پر شگفتہ کا سایہ بیڈ پر بیٹھنے کے انداز میں لرزتا نظر آ رہا تھا۔ معا شگفتہ کی غیر ارادی نگاہ دیوار پر لرزائی اپنے سائے پر پڑی تب اچانک وہ دہشت کے مارے لرزگنی، اس نے دیکھا اس کا سایہ بیڈ پر سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور لرزتا ہوا چھپت کی طرف حرکت کرنے لگا۔

شگفتہ خوف کے مارے پینے میں شرابور ہو گئی، اسے اپنادل رک رک کر دھڑکتا محسوس

بدروج ۱۳

ہاتھ پھیرتے ہوئے پیارے بولے۔ ”بیٹی....! تم رونا بند کرو، اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں، کیا پھر کوئی ڈراہنگا خواب دیکھ لیا تھا؟“

بپ کے پڑھفت روئے پر اسے ذرا حوصلہ ہوا اور وہ اپنے آنسوؤں پر قابو پاتے ہوئے بولی۔ ”ابو....! وہ ڈراہنے خواب آنا تو مجھے کافی عرصہ ہوئے بند ہو گئے ہیں لیکن....!“ وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

”ہاں.... ہاں بیٹی....! بولو آخر ہوا کیا تھا....؟ تم نے فائزہ کو کیوں زخمی کیا تھا؟“ تیمور نے پیار بھرے لجھ میں اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔

شگفتہ کو ذرا حوصلہ ہوا۔ ”ابو....! مم....! میں نے آپی کا چہرہ بدلتے دیکھا تھا، وہ بہت ڈراہنے چہرہ تھا، میں نے خوف کے مارے شیشے کا جگ اس پر دے ما را مگر مجھے کیا معلوم تھا کہ.... کہ.... آپی....!“ وہ بے چاری مارے ندامت اور دکھ کے اپنا جملہ پورا نہ کر سکی اور پھر روپڑی۔

تیمور کسی گھری سوچ میں مستفرق ہو گئے، وہ سمجھ گئے تھے کہ ان کی بیٹی ایک خطرناک نفیاتی مرض کا شکار ہو گئی ہے جو دوسروں کے لیے بھی جان لیوا ثابت ہو سکتا تھا، چنانچہ ایک روز وہ شگفتہ کو لے کر اپنے کسی دوست کے مشور سے بتائے ہوئے نام پتے پر ایک نفیاتی ڈاکٹر رحمت علی کے کلینک پہنچے۔

ڈاکٹر رحمت علی خان ایک معروف سایکیاٹرست تھے، ان کی عمر پچاس پچپن کے لگ بھگ تھی، انہوں نے شگفتہ کا بغور معاشرہ کیا پھر تیمور سے مفصل ہسٹری دریافت کرنے کے بعد وہ شگفتہ کی طرف متوجہ ہوئے اور مسکرا کر اس سے پوچھا۔ ”بیٹی....! کیا تم میٹھا بہت شوق سے کھاتی ہو؟“ شگفتہ نے نفی میں سرہلا دیا۔

”کیا نک اور کھٹائی....؟“

”اس کا بھی مجھے کبھی شوق نہیں رہا، بس سوسو۔“

”مم....!“ ڈاکٹر رحمت علی نے ایک پڑھنکاری لی پھر مزید اس سے تھوڑی سی تفصیل سے بات کرنے کے بعد تیمور صاحب کی طرف متوجہ ہوئے۔

”بہت سیدھا سادہ کسی ہے، پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، میں چند دوائیں تجویز کئے دے رہا ہوں لیکن نفیاتی علاج میں یہ دوائیاں خاصے طبیل عرصے تک کھانی پڑتی ہیں، کم از کم چھ ماہ اور زیادہ سے زیادہ ایک سال.... پھر دوائیں کویک دم بھی موقوف نہ کرنا ہو گا، دھیرے دھیرے

بدروج ۱۲

تیمور نے سوچ بورڈ ٹاؤن کرتی جلائی۔

کیا وہ کیجھ تھے میں شگفتہ کمرے کے وسط میں کھڑی بری طرح خرف سے کپکار ہی تھی جبکہ بند پر پیٹھی ان کی بڑی بیٹی فائزہ تکلیف کے مارے چلا رہی تھی، اس کا پورا چہرہ اہولہ بان ہو رہا تھا اور بے چاری چینیں مار مار کر رو رہی تھیں۔

شگفتہ بھی اپنی بہن کی بیت کذائی پر اپنا خوف بھلا کر پریشان ہو گئی، پورے گھر میں کہرام بھی گیا۔ شگفتہ نے انہیں ساری بات بتائی اور یہ بھی بتایا کہ شیشے کا جگ اس نے فائزہ کے چہرے پر دے مارا تھا۔

”ہاے شگوم بخت....! یہ کیا کر دیا تو نے، اپنی بہن کوہی مارے ڈال رہی ہے۔“ اماں اسے کوئے دے کر رونے لگیں۔ تیمور اور ساجد، فائزہ کی طرف سے پریشان اور گلرمند ہو گئے۔ رات کا وقت تھا اور اس وقت کسی ڈاکٹر کا ملنا محال تھا، اماں ابھی تک رورو کر شگفتہ کو کوئے دیئے جا رہی تھیں۔ ”اری کم بخت....! تو نے آدمی رات کو ہم پر یہ کیا وقت ڈال دیا، اب کیا ہو گا؟“

”بیگم....! تم رونا دھونا بند کرو، مجھے سوچنے دو کچھ۔“ تیمور نے جنم جلا کر اپنی بیوی کو سرزنش کی پھر ساجد سے بولے۔ ”بیٹا....! تم جلدی سے گاڑی نکالو، کسی پرائیویٹ میڈیکل سینزر لے چلتے ہیں فائزہ کو۔“

چنانچہ فائزہ کو اسی وقت کار میں ڈال کر ایک قریبی میڈیکل سینزر لے جایا گیا، وہاں ایک نائٹ شفت ڈیلوپ پر موجود جونیز ڈاکٹر نے فائزہ کو فرست ایمڈی اور اس کے چہرے کے زخم صاف کئے پھر ایک سینزر ڈاکٹر کو کال کی گئی یوں فائزہ کی جان تو نقی گئی مگر اس کا چہرہ بری طرح زخم ہو گیا تھا۔

”میں کہتی ہوں اس لڑکی پر جن کا سایہ ہے، یہ سب کو ایک دن اسی طرح زخمی کر کے مار ڈالے گی، اے کسی پیر فقیر کے پاس لے جائیں۔“ شگفتہ کی ماں اپنے شوہر سے پرتوشیں لجھ میں بولی۔

شگفتہ بے چاری ایک طرف کھڑی رو رہی تھی۔ تیمور نے بیوی سے کہا۔ ”بیگم....! کیسی جاہلوں والی باتیں کر رہی ہو تم، یہ جن کا سایہ کیا ہوتا ہے....؟ مجھے تو کوئی نفیاتی معاملہ لگتا ہے۔“ یہ کہہ کر وہ ایک طرف کھڑی سکتی ہوئی شگفتہ کی طرف بڑھے اور بہت شفقت سے اس کے سر پر

ہوئے پیر، فقیر کو دکھائیں، اللہ کے کلام میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔“

”اس میں واقعی شک نہیں، اس کا فضل ہو تو کیا نہیں ہو سکتا، میں سوچوں گا۔“ تیمور نے کہا۔ پھر بڑی بیٹی فائزہ کی خیریت کے بارے میں پوچھا۔ ”فائزہ بیٹی کسی ہے اب....؟ اس کے چہرے کاظم کچھ ٹھیک ہو رہا ہے؟“

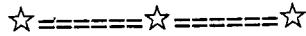
”یوں تو ٹھیک ہے وہ مگر ختم کے نشانات کی وجہ سے چہرہ بگرسا گیا ہے، بے چاری رو تی ہے، اس کے رشتے کی بات بھی چل رہی ہے، اسلام صاحب اور ان کی بیگم اپنے بیٹے کے ساتھ آنے والے تھے، میں خود پر یہاں ہوں آخ فائزہ شان زدہ چہرے کے ساتھ کس طرح ان کا سامنا کرے گی؟“

”یہ کوئی ایسی بڑی بات نہیں بیگم....! تم اس کی فکر نہ کرو اور فائزہ بیٹی کو بھی تسلی دو۔“  
وہ بولے۔

”یہ بھی خوب کہی آپ نے، بیٹیاں تو کافی کا برتن ہوتی ہیں، ادھر ذرا سی خراش پڑی ادھر مول کم ہوا۔“ ان کی بیگم نے روایتی مکالہ دہرا�ا۔

”ہماری بیٹی انسان ہے، کافی کا برتن نہیں، تم صرف اللہ پر بھروسہ کرو، وہی سب کا مشکل کشا ہے۔“

”ہاں....اب تو بُس اللہ تعالیٰ کا ہی آسرا ہے، وہ ہمارے حال پر حرم فرمائے۔“ بیگم تیمور نے دعا یہ لبھے میں ہاتھ اٹھا کر کہا۔



چند روز خیرت سے گزر گئے۔

شُفتہ، ڈاکٹر رحمت علی کی تجویز کردہ دو ایسیں باقاعدگی سے استعمال کر رہی تھی۔  
ان گولیوں میں ایک گولی نیند کی بھی تھی جو وہ بستر پر جانے سے آدھا گھنٹہ پہلے پانی کے ساتھ نگل لیتی تھی، اسے صرف ایک بہی گولی فائدے والی لگتی تھی جسے کھا کر وہ گھری نیند میں دو سب رات گئے تک ہوتی رہتی تھی اور یوں وہ ساری رات آنکھوں میں گزار دیتی تھی۔  
ادھر مقررہ دن لڑکے والے آئے، بے چاری فائزہ نے دل پر پھر رکھ کر کن مشکلوں سے نشان زدہ چہرے کے ساتھ ان کا سامنا کیا تھا، یہ اس کا دل ہی جانتا تھا۔

کم کرتے ہوئے آخر میں صرف ایک شبکت روزانہ....!“

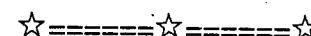
”بہہ۔ بہتر ڈاکٹر صاحب....؟ اسیں سمجھ گیا۔“ تیمور نے کہا پھر پہ چھا۔ ”ڈاکٹر صاحب....؟ آخری معاملہ کیا ہے....؟ اس کی وجہات، کوئی توجیہہ....؟“

”یہ عام کیس ہے، ہم روز مرہ ان کیسے کو ڈیل کرتے ہیں۔“ ڈاکٹر صاحب ہو لے کے ہنکھا رکر بولے۔ ”آپ تو پڑھے لکھے آدمی ہیں اس لئے آپ نے بہت اچھا کیا کہ اسے میرے پاس لے آئے، عموماً لوگ اس قسم کے نفیاتی مرضیوں کو کسی جن، بھوت اور آسیب کا چکر سمجھ کر تعلیم، گندوں میں پڑ جاتے ہیں پھر نام نہاد پیروں، فقیروں کے رحم و کرم پر مرضیں کو چھوڑ دیتے ہیں جو بہت نقصان دہ بھی ثابت ہو سکتا ہے، آپ کی بیٹی کے ساتھ معاملہ ”میڈیا“ (Mania) کا ہے۔“

”مگر ڈاکٹر صاحب....؟ اس کی کوئی سائبی توجیہہ تو ہونی چاہئے؟“ تیمور نے الجھ کر پوچھا۔

ڈاکٹر رحمت علی اپنے سر کو ہو لے سے ابتدی جنبش دیتے ہوئے ہوئے بولے۔ ”ہاں....!  
وہ حقیقت پنجی کے لاشور میں ایک نامعلوم ساخوف جاگریں ہے جو بعض مخصوص حالتوں میں لمحہ بھر کو حقیقی جھلک دکھا کر مجھوں جاتا ہے۔“

”بہت مہربانی ڈاکٹر صاحب....! میں تو پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ یہ نفیاتی معاملہ ہی ہو گا، بھلا آج کل کے دور میں جن، بھوتوں کو کون تسلیم کرتا ہے۔“ تیمور نے کہا اور پھر شکنندہ کو گھر لے آئے۔



”یہ آپ ڈاکٹروں کے چکروں میں کیوں پڑ گئے ہیں؟“ تیمور کی بیگم نے ان کے گمر لوٹتے ہی بر اسمانہ بنا کر کہا۔ ”ان کے بس کی بات نہیں ہے یہ.... بھجے پورا یقین ہے کہ ہماری شگو پر کسی آسیب ہی کا سایہ ہے، میں کہتی ہوں کسی اللہ والے بندے کو دکھا میں اپنی شگوکو....“  
بیوی کی بات سن کر تیمور سکرا کر بولے۔ ”بھجی اللہ کے توسیب ہی بندے ہیں۔“

”میں پر ہیزگار لوگوں کی بات کر رہی ہوں۔“  
”کون پارسائی کا دعویٰ کرتا ہے؟ اور اگر کوئی کرتا بھی ہے تو کیا ضروری ہے کہ وہ پارسا ہو؟“  
”آپ تو بحث ہی کے جائیں۔“ ان کی بیگم چڑکر بولیں۔ ”میرا مطلب تھا کسی پہنچے

کی دھڑکنیں اچاک ک اس قدر تیز ہو گئیں کہ اس کی دھمک اسے اپنی سائیں کرتی کنپیوں پر سنائی دیتے گی۔

محبوب ہو کروہ اپنی ماں کے کمرے میں گئی اور پاس سونے کو کہا تو ماں نے چڑک کہا۔ ”اب کیا مجھے بھی مارے گی....؟ اپنی بہن کا تو ستیناں کر دیا ٹو نے....؟“

شگفتہ بے چاری اپنا سامنہ لے کر واپس کمرے میں آگئی۔

اب وہ تھی اور اس کا خاموش اور دیران تاریکی میں ڈوبا ہوا کرہ..... وہ بے چاری ڈری سہی بیڈ پر سکھ سست کر بیٹھ گئی اور سراسیمہ نگاہوں سے درود یاروں کو متینگی، اس نے کمرے کی لائٹ روشن کر کھی تھی پھر بھی اسے انهنجانے سے خوف نے گھیر رکھا تھا، اس نے نیند کی ایک گولی کھانی تھی اور ننگ آ کر دوسرا بھی نکال کر منہ میں ڈالی تو اچاک اسے زبان پر یوں محسوس ہوا جیسے کوئی کیرا رینگ رہا ہو، اس نے فوراً اسے تھوک دیا، ایک سیاہ رنگ کا چیونٹانا نما کیڑا اس کے منہ سے نکل کر کمرے کے وسط میں بھی دری پر جا پڑا، شگفتہ کو بری طرح کراہیت محسوس ہونے لگی، وہ جرمان تھی کہ اس نے تو نیند کی گولی زبان پر کھی تھی، یہ کیڑا اس کے منہ میں کہاں سے آ گیا؟ پھر دفعتہ اسی اس نے دیکھا کہ دری پر پڑا ہوا کیڑا اداڑے کی صورت میں رینگنے لگا پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کا جنم بڑھنے لگا تھی کہ وہ اتنا بڑا اور قوی الجشت ہو گیا کہ اس کی بڑی بڑی اُبھری ہوئی تین آنکھیں واضح طور پر اسے گھوڑتی ہوئی محسوس ہونے لگیں، چیونٹے کی آٹھ بڑی بڑی ناٹگوں میں بالوں کی بلکی بلکی روئیدگی بھی نظر آ رہی تھی۔

اس کا سر بڑا ہو کر مٹکے کی طرح ہو گیا تھا ہے وہ دائیں باسیں حرکت دے رہا تھا، شگفتہ دہشت کے مارے بری طرح کا پنٹے گئی، اس کا سارا الہو جیسے مخدود ہو گیا تھا، حلق سے آواز تک برآمد نہیں ہو رہی تھی۔ اس کے ساتھ ایسا ہی ہوتا تھا جب بھی وہ ایسے خوفناک مناظر کا نظارہ کرتی تھی تو جیسے اس کی قوت گویائی سلب ہو کر رہ جاتی تھی۔

پھر اس نے ذرا ہمت کی اور بیٹھ سے انھ کر دروازے کی طرف دوڑی، توی الجشت چیونٹے نے اس کی طرف حرکت کی مگر شگفتہ کمرے کا دروازہ کھول کر باہر کی طرف بھاگی تو سامنے اس کا بھائی ساجد کھڑا تھا، بھائی کو دیکھ کر وہ اس سے لپٹ گئی۔

”کیا ہوا شگلو....؟ ٹو اتنی خوف زدہ کیوں ہو گئی ہے؟“ ساجد نے اس سے پوچھا۔

”س..... ساجد....! ا وہ اندر مم... میرے کمرے میں ....!“ شگفتہ کی زبان خوف سے

چلدی دواوں کی قیمتیں ویسے ہی آسمان کو چھوڑی ہوتی ہیں، فائزہ نے بھی اپنے چہرے کے نیشن میانے کے لیے ایک مینگی ثوب، لوشن اور دوائیں استعمال کیں تب کہیں، جا کر چہرے کے نشانات میں کچھ کی آئی تھی لیکن پھر بھی وہ پوری طرح غالب نہیں ہوئے تھے چنانچہ نتیجہ اس کا یہ نکلا کہ لڑکے والوں نے خوب ناک بھوں چڑھائی اور کچھ اچھاتا ترندیا۔

بیگ تیمور پہلے سے زیادہ متوجہ ہو گئیں، فائزہ کے دل کو بھی دھچکا پہنچا تھا، دکھ گلگتہ کو بھی تھا، وہ اس کا ذمہ دار خود کو بھی سمجھتی تھی، البتہ تیمور کی پیشانی پر ذرا بھی تفکر کی لکیرنہ ابھری تھی، ان کا خیال تھا کہ جوڑے آسمانوں میں بنتے ہیں، اچھا ہوا جو لڑکے والوں نے ابھی سے اپنی تک نظری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک عارضی عیب پر رشتے سے ہی انکار کرڈا۔

پھر اسی طرح دو تین رشتے اور ائے انہوں نے بھی فائزہ کا نشان زدہ چہرہ دیکھ کر صاف انکار کر دیا، چہرے کا نشان معمولی بات تو نہیں ہوتا اور وہ بھی ایک جوان اور کنواری لڑکی کا چہرہ....! پکھشان فائزہ کے چہرے کی جلد کا جیسے حصہ بن چکے تھے جن کے بارے میں تیمور کا خیال تھا کہ یہ عارضی ہیں اور وقت کے ساتھ ساتھ خود ہی بھر جائیں گے لیکن ایسا نہ ہوا تو تیمور کو بھی پریشانی نے آلیا، انہوں نے شہر کے ایک سے ایک اچھے اسکن اپیشنلست کو دکھایا تھی کہ یہ پیشان ایک پرست کے پاس بھی فائزہ کو لے کر گئے مگر چہرے کے نشان جوں کے توں رہے۔

یوں ہستے لئے گھر کی فضا سو گوارہ ہو گئی۔

پریشانی اور مصیبت گھر کرتی ہے تو لاحمال انسانی رویوں میں فرق آنے لگتا ہے، اماں تو شگفتہ کو کوئی ہی رہتی تھیں اب فائزہ کے احساسِ محرومی نے بھی چھوٹی بھن شگفتہ کے لیے دل میں معاندانہ جذبات کو پروان چڑھایا۔

یوں شگفتہ بے چاری گھر میں دبی دبی رہنے لگی، وہاب مرید چپ چپ سی رہنے لگی۔

چند روز بعد پھر وہ پرسار حالات کا شکار ہو گئی۔

ایک روز اس نے صحن میں کسی غیر انسانی مخلوق کے بڑے بڑے پیچڑ زدہ پیروں کے بد بہیت نشان دیکھے، رات کو سوتے وقت اسے صحن میں کسی کے گلگنانے کی آوازیں سنائی دیتیں، وہ اب کسی سے اس کا ذکر نہ کرتی اور اندر سی اندر گھستتی رہتی۔

اب اس کے ساتھ کرے میں کوئی نہیں سوتا تھا اور نہ ہی وہ اب کسی کو اپنے ساتھ سلانے کے لیے ہتھی تھی۔ ایک رات بلا کسی وجہ کے اس کا دل خوف نے جکڑ لیا، اس کے دل

”کیا ہے تمہارے کمرے میں....آدمیرے ساتھ۔“ ساجدنے اس سے کہا اور پھر دونوں بہن، بھائی کمرے کی طرف بڑھتے تو اچانک شنفت نے اس بدہیت قوی الجثہ کٹھے کو کمرے کے دروازے سے باہر لے گئے ہوئے نکلتے دیکھا۔

”وہ....وہ دیکھو ساجد....!“ شنفت نے سامنے اشارہ کرتے ہوئے کپکاتے لجھے میں بھائی سے کہا۔ اس کا خیال تھا کہ ساجد بھی اس بھی انکے چیزوں کو دیکھ کر رجاءے گا مگر ساجدنے عجیب سے انداز میں قہقہہ لگا کر سرسراتے لجھے میں شنفت سے کہا۔ ”یہ تو میرا دوست ہے، یہ انسانی گوشہ بہت شوق سے...“

شنفت نے جو اپنے بھائی کی بات سنی تو خوف سے لرزگی پھر اس نے چونک کر اس کے چہرے کی طرف دیکھا اور خوف سے چین پڑی، اس کا چہرہ ہزارواٹ کے بلب کی طرح روشن تھا اور آنکھیں اس کی پھٹی پھٹی تھیں جبکہ ہونٹوں پر عجیب پر اسرار مسکراہٹ تھیں۔

اپنے بھائی کی بدلتی ہوئی عجیب و غریب اور خوفناک شکل دیکھ کر شنفتہ هشیریائی انداز میں چیخت ہوئی سیدھی اپنے باپ کے کمرے کی طرف دوڑی۔

اچانک سارے کمروں کے دروازے ٹھل گئے اور شنفتہ ٹھنڈ کر رک گئی۔

کیا دیکھتی ہے کہ اس کے ابو، امی اور فائزہ اپنے کمروں سے نکل کر اس کی طرف عجیب میکانیکی انداز میں بڑھے چلے آرہے تھے، ان سب کی بہیت مجموعی ساجد جیسی ہی تھی، پھر انی ہوئی آنکھیں سردمہرا اور جذبات سے عاری چبرے، البتہ ہونٹوں پر بڑی عجیب سی اسرار بھری مسکراہٹ تھی، شنفتہ کی روح تک خوف سے لرزائی، اپنے گھر والوں کو ایسی عجیب و غریب حالت میں دیکھ کر شنفتہ زور زور سے رونے لگی۔

”ای، ابو....بھائی....! آپ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے....کیا ہو گیا ہے آپ لوگوں کو امیرے خدا....یہ کیا ہو رہا ہے میرے ساتھ....!“ وہ رو رو کر چیختے گئی اور پھر باہر کی طرف بھاگی۔

تاریک گھن میں آکر وہ کسی چیز سے ٹھوکر کھا کر گری۔

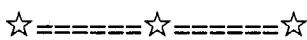
آسمان پر لکے آخری تاریخوں کے چاند کی مدھم روشنی میں اس نے اپنے عقب میں قہقہوں کی بازگشت سنی، اس نے کپے فرش پر لیئے لیئے عقب میں گردان موز کر دیکھا تو سب گھروالے اسی طرح عجیب و غریب کیفیات کے ساتھ اس کی طرف میکانیکی انداز میں بڑھ رہے تھے اور اسے بلا

رہے تھے، ان سب کے چہروں کے نقوش بگز گئے تھے۔  
کسی کی ایک آنکھ پھوٹ گئی تھی تو کسی کی زبان باہر کو راز ہو کر جھوول رہی تھی۔

شنفتہ پر بھی جیسے ہشیریائی دورہ پڑھ کا تھا، اس نے گھن میں رکھا و پر اٹھا لیا اور انہیں مارنے کو لپکی۔

”شگو...! شگو! ہوش کرو کیا ہو گیا ہے تمہیں، کیوں ہمیں مار رہی ہو؟“ فائزہ نے چلا کر کہا۔  
مگر شنفتہ پر تو خوف کے مارے ہشیریائی جنوں کا دورہ پڑھ کا تھا۔

”میں تم سب کو مار ڈالوں گی، تم لوگ میرے دشمن ہو، م..... مجھے جان سے مار دو گے۔“  
وہ یہ کہتے کہتے بے دم سی ہو کر گرنے لگی تو باپ نے آگے بڑھ کر اسے گرنے سے پہلے قام لیا۔



اسے جب ہوش آیا تو صبح ہو چکی تھی۔

اس کے گردھر کے سارے فرد موجود تھے مگر اس طرح کہ کسی کی ناک متور تھی تو کسی کا چہرہ زخمی تھا۔ تیمور، شنفتہ کے سرہانے بیٹھے تھے اور پیار بھرے انداز میں اس کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہے تھے۔

”شگو بھی....اب کیسی ہوتم؟ یہ تمہیں کیا ہو گیا تھا؟“ باپ نے ملامت آمیزی سے پوچھا تو شنفتہ نے اختیار روپڑی۔

”شگو کے ابا....! میں تو کہتی ہوں یہ ڈاکٹروں و اکٹروں کے چکروں میں نہ پڑو، اس پر کسی جن کا سایہ لگتا ہے، اسے کسی اللہ والے بندے کو دکھاڑا اور دم کروا د، ورنہ یہ ایک دن ہم سب کو مار ڈالے گی۔“ تیمور کی بیوی نے اپنے شوہر سے کہا۔

تیمور بھی تیک آگئے تھے مگر وہ اب بھی اس بات سے متفق نہ تھے کہ یہ کسی آسیب کا چکر ہے تاہم وہ اسی وقت شنفتہ کو کار میں بٹھا کر اسی ماہر نفیات ڈاکٹر رحمت علی خان کے کلینک جا پہنچے اور انہیں ساری بات بتائی۔ اس نے بغور تیمور کی زبانی ساری بات سنی پھر بڑھوانے کے انداز میں بولے۔ ”لگتا ہے اب مجھے تخلیل نفسی سے کام لینا پڑے گا۔“

پھر وہ شنفتہ کو لے کر ایک درسے نسبتاً چھوٹے کمرے میں آئے اور اسے سامنے ایک کاؤچ پر نیم دراز ہونے کو کہا، اس کے بعد انہوں نے کمرے کی لائٹ آف کر دی، کمرے میں اب

ناصر اسے اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر جو مکم سا گیا، وہ پر اسرار غنیم اس کے قریب آ کر عجیب ہی اسرار بھری مسکراہٹ کے ساتھ اس سے بولا۔ ”کیوں میاں....! اس لڑکی سے محبت کرتے ہو؟“  
 ناصر اس کے اچاکم سوال پر پہلے تو گز بڑا سا گیا پھر بولا۔ ”من.... نہیں تو....!“  
 ”جھوٹ مت بولو میاں....!“ وہ شخص مسکرا کر بولا۔ ”چج بولو گے تو ہم تمہارا کام آسان کر دیں گے۔“ تب بے اختیار ناصر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔  
 ”یہ ہوئی نال بات....! اب جیسا ہم کہیں ویسا ہی کرو، منزل پالو گے اپنی.... اب پھر کبھی یہ لڑکی آئے تو اپنہا مجبت کر دینا، سمجھے میں پھر آؤں گا۔“ وہ یہ کہہ کر چلا گیا۔  
 ناصر الجھ کر رہ گیا۔ ”نہ جانے کون تھا؟“ وہ سوچنے لگا۔

☆=====☆

تیمور، ڈاکٹر رحمت علی خان سے بالکل ما یوس ہو چکے تھے، جنون، بھوتلوں اور آسمی باتوں پر بھی ان کا اعتقاد نہ تھا، وہ بڑی طرح پریشان ہو گئے تھے کہ پھر آخر یہ معاملہ کیا ہے....؟ کیا واقعی ان کی بیٹی شفقت کے ساتھ کوئی ایسا ہی پر اسرار معاملہ تھا یادہ پاگل تھی....؟ کوئی نہ کوئی بات تو ضرور تھی۔ وہ سوچنے لگ لیکن ان کی بھی میں کچھ نہیں آہتا تھا کہ وہ کیا کریں، کس سے مشورہ کریں اور کس سے مدد مانگیں....؟  
 ادھر بعض جانے والے انہیں یہی مشورہ دے رہے تھے کہ انہیں فوراً کسی اللہ والی بزرگ ہستی سے ضرور رجوع کرنا چاہئے، سب محلے والے اس بات پر تفہن تھے کہ ان کی بیٹی شفقت پر کسی جن کا سایہ ہے جو نہ صرف خود تیمور بلکہ ان کے خاندان کے لیے بھی خطرناک ثابت ہو سکتا ہے اور کوئی بعد نہیں کہ اس خطرناک آسیب کا دار ازہ کار پورے محلے کوہی اپنی لپیٹ میں نہ لے لے۔

محلے والوں نے تو یہاں تک تیمور کو دھمکی دے ڈالی تھی کہ اگر انہوں نے بہت جلد صورت حال پر قابو نہ پایا تو پورے محلے والے نہ صرف ان کا سوچل باجیکاٹ کر دیں گے بلکہ ہو سکتا ہے انہیں یہاں سے بے دخل کرنے کے بارے میں کوئی سخت قدم اٹھانا پڑے۔

ان حالات میں تیمور کے ایک قریبی اور مغل اور دوست مولانا حفیظ اللہ نے کسی اللہ والے نیک بزرگ کے پاس جانے کا مشورہ دیا جوٹا، ملی والے بابا کے نام سے مشہور تھے۔

☆=====☆

مولانا حفیظ اللہ کے مشورے پر تیمور اگلے ہی دن ان کے بتائے ہوئے پتے پرٹا، ملی والے

مدھم روشنی تھی جس کا خرج نظر نہیں آرہا تھا۔ شفقت خاموشی سے جا کر کا حق پر نہیں دراز ہوئی، ڈاکٹر رحمت علی اس کے بالکل قریب ایک اسٹول پر بیٹھ گئے اور بغور شفقت کے چہرے کی طرف گھورنے لگے، شفقت کی بھی یہی نک نظر میں ان کے خاموش چہرے پر جی ہوئی تھیں پھر اچاکم ڈاکٹر رحمت علی اس کی طرف کچھ کہنے کے لیے جھکے تو اچاکم ان کا چہرہ بھیا کم ہو گیا، شفقت کے حق سے زوردار چیخ خارج ہو گئی اور اس نے ہسٹریائی انداز میں چیخ کر ان کا چہرہ نوچ ڈالا اور باہر بھاگی۔

دوسرے کمرے میں تیمور سر پکڑے بیٹھے تھے، بیٹی کو یوں ہندیانی انداز میں چینتے ہوئے کمرے سے نکلتے دیکھا تو یہ دم اٹھ کر کھڑے ہوئے، اسی دوران ڈاکٹر رحمت علی خان اپنے خراش زده چہرے پر رومال پھیرتا ہوا نمودار ہوا اور اسے ساری بات سے آگاہ کیا۔

”نہیں بھائی....! میں اس کا علاج نہیں کر سکتا، بہت خطرناک لڑکی ہے یہ، اسے لے جا کر پاگل خانے میں داخل کر دو۔“ ڈاکٹر رحمت علی خان نے بدھوں سی آواز میں کہا اور تیمور خاموشی سے شفقت کو لے کر گھر آگئے۔

☆=====☆

شفقت کے محلے میں پر چون کی ایک چھوٹی سی دکان تھی جہاں عموماً ایک میں بائیس سالہ لڑکا ناصر بیٹھا کرتا تھا، دکان گھر سے متصل ہی تھی، یہ اس کے ماموں سعید احمد کا گھر تھا، وہ بے اولاد تھے، ناصر بھی تیم تھا اس لئے وہ انہی کے پاس رہتا تھا اور دکان بھی تقریباً وہی سنبھالتا تھا، شفقت کو وہ اکثر کانچ سے آتا جاتا دیکھا کرتا تھا، شفقت بھی کھار سودا سلف لینے اس کی دکان پر آتی رہتی تھی۔

ناصر اسے پسند کرتا تھا اور بڑی پر اشتیاق نظر وں سے اسے دیکھتا رہتا تھا مگر کبھی اس نے شفقت کے ساتھ بد تیزی کرنے کی کوشش نہیں کی تھی، لیکن اس کا دل شفقت سے انہمار محبت کرنے کے لیے مچلتا ضرور رہتا تھا، وہ ہر بار تیزی کرتا کہ آج شفقت سے اپنے دل کی بات کہہ کر رہے گا مگر جب شفقت اس کی دکان پر آتی تو گویا زبان تالوں سے چپک جاتی۔

اس دوران اس نے ایک سو نئے بونڈ شفقت کو بھی دیکھا تھا اور یہ ایک عجیب بات تھی کہ جب بھی شفقت اس کی دکان پر سودا سلف لینے کے لیے آتی تھی تو یہ پر اسرار شفقت بھی اچاکم نہ جانے کہاں سے نمودار ہو جاتا اور ذرا دور کھڑا عجیب عجیب سی نظر وں کے ساتھ ان دونوں کو گھورتا رہتا۔ ایک روز جب شفقت اس کی دکان سے نکلی تو وہ شخص غائب ہونے کی بجائے دکان کی طرف بڑھا،

عاجزی سے کہا۔

تیمور ہولے سے زیر لب ”بے شک“ بولے۔

”صرف چند باتوں کا خیال رکھو“، بزرگ نے ہدایت کی۔

”میں ہم تین گوش ہوں اللہ کے نیک بندے!“ تیمور نے موڈ بانہ کہا۔

”جنت اور بدر و حیں عموم امرات کے بارہ بجے کے بعد سرگرم عمل ہوتی ہیں الہذا راستے میں کھڑے ہو کر رفع حاجت سے گریز کرو، چلتی پھرتی بیلوں، چھپکیوں اور گرگنوں وغیرہ کو پھرمارنے کی کوشش نہ کی جائے، رات کو دیر انوں میں جانے سے گریز کیا جائے اور اگر بجوری ہو تو دوران سفر اللہ کا نام لیا جاتا رہے اور اگر کوئی غیر مرمری چیز محسوس ہو تو جتنی آیات یاد ہوں، ان کا درود شروع کر دیا جائے، عموماً بڑوں کے کیے کاخیازہ گھر میں سب سے چھوٹے بچے یا بچی کو بھلتنا پڑتا ہے۔“  
وہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے۔

”اللہ کے نیک بندے...! میں آپ کی ہدایات پر عمل کرنے اور کرانے کی کوشش کروں گا لیکن اس وقت میری بچی شگفتہ کا یہ مسئلہ کی طرح حل ہو گا؟“ تیمور نے پوچھا۔

”گھر میں نماز پڑھنے اور ہر جمعرات کو قرآن خوانی کرواد، اگر پھر بھی کوئی شرارت محسوس کرو تو بچی کو یہاں ہمارے پاس لے آنا۔“ بزرگ نے کہا اور تیمور ان کا شکر یا ادا کر کے وہاں سے لوٹ آئے۔

☆=====☆

اس دن کے بعد سے تیمور نہ ناہلی والے بابا کی ہدایات پر عمل کرنے کی کوشش شروع کر دی، وہ خود اور سجادتو مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے جاتے، جبکہ گھر میں ان کی بیوی اور دونوں بیٹیاں بھی نماز کی پابندی کرتی تھیں، مگر انسان بھی سدا کا سُست اور خطلا کار ہے، کبھی نماز قضا بھی ہو جاتی تھی یا پڑھنے سے رہ بھی جاتی، تاہم چند نوں میں ثابت اثرات مرتب ہونا شروع ہو گئے، شگفتہ کے ساتھ پھر کوئی ایسا غیر معمولی واقعہ پیش نہ آیا اور فائزہ کے چہرے کے نشانات بھی خود بخود ٹھیک ہونے لگے۔

بات پھر وہی ہو گئی کہ بلاسر سے مٹی تو سُستی بھی در آئی، انسان کی یہ فطرت رہی ہے کہ مشکل وقت میں خدا یاد آتا ہے اور پھر وہی ہنگامہ روز و شب.....

☆=====☆

بدر وح ۰ ۲۲

بابا سے جا کر ملے۔ شہر کے مضائقات میں ان کا جگہ رہ تھا، تیمور ایسے وقت پر ان سے ملے تھے جو بیرون علاقے سے آئے والے لوگوں کے لیے تھص کیا گیا تھا، ان کے خدام نے ذرا دیر بعد تیمور کو کمرا خاص میں پہنچا دیا، اندر اگر تیوں کی مہک رپی ہوئی تھی۔ کمرا خاص کیا تھا، کچی دیواروں کا ایک چھوٹا سا کمرا تھا، سامنے ایک قدرے اونچے چبوترے پر ایک باریش نورانی چہرے والے بزرگ ہر اپنے کے سے انداز میں بیٹھے تھے، ان کے سامنے دری پنچھی ہوئی تھی، میں ناہلی والے بابا تھے۔ دراصل ان کا یہ جگہ ایک چڑھے تھے اور چھترناہلی کے پیڑ کے قریب تھا، شاید یہی وجہ تھی کہ وہ ناہلی والے بامشہور تھے۔ ان کی آنکھیں بندھیں اور دمایں ہاتھ میں تنقیح ہی، ایک عجیب قسم کا جلال ان کی شخصیت سے بھلک رہا تھا، وہ جذب کی کیفیت میں بیٹھے تھے۔

”بیٹھ جاؤ“، معناہلی والے بابا کے ہونٹ متحرک ہوئے۔

تیمور خاموشی کے ساتھ ان کے سامنے دری پر دوز انہوں کو کر بیٹھنے گئے۔

چند ثانیے بعد ناہلی والے بابا نے اپنی آنکھیں کھولیں اور تیمور کی طرف دیکھا۔ تیمور نے انہیں نہایت احترام کے ساتھ سلام کیا تو وہ سلام کا جواب دینے کے بعد مدھم آواز میں بولے۔  
”کیسے آنا ہوا...؟“

”نیک بزرگ....! میری ایک چھوٹی بیٹی ہے شگفتہ.... وہ عجیب و غریب پُرسار حالات کا شکار ہے، اس کی وجہ سے ہم پر بھی مصیبت آئی ہوئی ہے۔“ تیمور نے کہا اور پھر ساری تفصیل ان کے گوش گزار کر دی۔

بزرگ چند ثانیے خاموش رہے پھر پُرسار لجھ میں بولے۔ ”بدر و حیں، شیطان اور جنت ایسے گھروں اور افراد پر غلبہ پاتے ہیں جو پا کی اور طہارت کا خیال نہ رکھتے ہوں، جن گھروں میں قرآن پڑھا جائے اور نماز کی پابندی کی جائے، وہاں اس قسم کی شیطانی قتوں کا اثر قطعاً زائل ہو جاتا ہے۔“ وہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے۔

”آپ کی بات درست ہے اللہ کے نیک بندے....! ہم نے اپنے بچوں کی تربیت میں آج تک کوئی دیقۂ فروغ نہیں کیا، میری بچی بھی نیک اور پاکیزہ ہے، ضرور پھر ہم سے کوئی غلطی ہو گئی ہو گی اس کا حل تباہیں، میں بہت امید لے کر آپ کے پاس حاضر ہو ہوں۔“

”اللہ جل شانہ کے حکم کے بغیر کچھ بھی ممکن نہیں، میں اس کا ایک عاجز اور گناہ کار بندہ ہوں، اس کے نام پر ایک دیلہ ہوں اور یہ توفیق بھی اسی کی عطا رکھ دے ہے۔“ بزرگ نے نہایت

مگر خاموش رہی۔

”ایک بات کھوں... آپ براتونہیں مانیں گی؟“

”کیا بات ہے؟“ وہ گھری متانت سے بولی۔

”آ... آپ مجھے بہت اچھی لگتی ہیں۔“

ناصر کی بات سن کر شگفتہ کے چہرے پر بلکل اسی تندی کی لہر ابھری پھر وہ تنگ لمحے میں بولی۔  
”ش اپ...“ اس کے بعد وہ آگے بڑھ گئی۔

ناصر اپنا سامنہ لے کر رہ گیا، شگفتہ کی بے رنی نے اس کا دل مسوں کر رکھ دیا تھا۔

اسی وقت وہ پر اسرار شخص اس کی طرف بڑھا، اس کے باریک ہونٹوں پر ہنوز اسرار بھری مسکراہٹ رقصان تھی، پھر وہ ناصر کے اداں چہرے کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”کیوں میاں...! اتنی کی بات پر دل ہار بیٹھے۔“

ناصر نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ اس کے چہرے سے نیچتی ہوئی اداں پڑھ لی گئی ہے لہذا وہ بولا۔ ”اس نے تو مجھ سے دو گھری بات بھی کرنا گوارانہ کیا، اثاب راماں گئی، مجھے یعنی ہے کہاب وہ کبھی نہیں آئے گی۔“

”ارے بنوا...! تو اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے، ہم جو ہیں اتنے بڑے عامل کامل...!“ وہ پر اسرار اجنبی ہونوں اچکا کر بولا۔ ”ہم نے پتہ نہیں کتنا ہی تم جیسے ناکام عاشقوں کا پوچھا جسکا کردیا ہے اور سگدیل سے سگدل محبوب کو قدموں میں گردادیا ہے۔“

”تمہارے ہی مشورے پر عمل کیا تھا میں نے۔“ ناصر اس کی بات پر چڑھ کر بولا۔ ”تمہاری باتوں میں آکر میں نے اس سے اطمینان جبت کر دالا اور وہ ناراض ہو گئی، پہلے وہ آ تو جاتی تھی، اب وہ آئے گی بھی نہیں۔“

وہ پر اسرار شخص عجیب ہی مسکراہٹ سے بولا۔ ”تو بنوا...! کیا ساری عمر اسی طرح محبوب کے انتظار میں آہیں بھرتے ہوئے گزار دیتے، ایک نہ ایک دن تو حالی دل کہنا تھا، پر مگر اب بھی کچھ نہیں ہے۔“

ناصر کو اس کی بات سن کر کچھ حوصلہ ہوا اور وہ امید بھرے لمحے میں اس سے مستفسر ہوا۔

”ہا...! یہ بات تو تمہاری صحیح ہی ہے مگر اب کیا ہو گا...؟ وہ تو ہو گئی ناراض۔“

”میں نے کہنا بنوا...! تم اس کی بالکل پرواہ کرو۔“ وہ بولا پھر اس کے چہرے کا بغور

ناصر نے اس پر اسرار مگر خوش بلاں شخص کی بات پلے باندھ لی، اب کی باراں نے نیم صفحہ ارادہ کر لیا تھا کہ وہ شگفتہ سے اپنے دل کا حال ضرور کہے گا، آخر اونٹ کو کسی کروٹ تو پیٹھنا چاہئے تھا، وہ خود بھی اس بے چینی سے جھنگلا سا گیا تھا شاید اس بارے سے اس لئے ہمت ہوئی تھی کہ اجنبی شخص نے اس کی مدد کرنے کی بھی ہائی بھر لی تھی۔ ناصر اس کے بارے میں سوچنے لگا کہ آخروہ کون تھا؟ اور اسے اس سے ہمدردی کیوں تھی؟ مگر پھر شگفتہ کے خیال نے اسے آن گھیرا، اب وہ بے چینی سے شگفتہ کی آمد کا منتظر تھا۔

یوں تو گھر بیلو نویعت کا سودا سلف شگفتہ کا بھائی ساجد ہی لے جایا کرتا تھا اور ناصر نے اس سے بھی ”دوستی“ لگا کر کھی تھی لیکن کبھی بکھار ہی ایسا ہوتا تھا کہ شگفتہ کسی گھر بیلو سودے وغیرہ کے لیے وہاں آتی چونکہ ناصر نے اپنی دکان میں تھوڑی بہت اسی شتری بھی رکھی ہوئی تھی اس لئے شگفتہ عموماً قلم، پنسل یا روشنائی کی دوات لینے آجایا کرتی تھی۔

بالآخر ایک روز ناصر کی مراد برآئی، شام پانچ بجے کا وقت تھا، اسے شگفتہ آتی دکھائی دی، اس وقت اس کا گھر سے نکلنے کا مطلب بھی تھا کہ وہ کوئی چیز لینے ہی اس کی دکان کا رخ کرے گی، چنانچہ ناصر سے آتادیکے کر اپنے دل کی بے ترتیب دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے منجل کر بیٹھ گیا۔

”مجھے بیلو گلکارا بال پوائنٹ چاہئے۔“ شگفتہ نے قریب آ کر اپنی مترنم آواز میں ناصر سے کہا۔ ناصر کا دل بے طرح دھڑکنے لگا، اس نے اپنے ہاتھوں کی لرزش پر قابو پاتے ہوئے نیلی روشنائی والا ایک بال پوائنٹ پیکٹ سے نکلا اور شگفتہ کی طرف بڑھا دیا۔ دل مضطربانہ انداز میں دھڑک رہا تھا، وہ یک نیک شگفتہ کا چہرہ تکے جا رہا تھا جبکہ شگفتہ اپنے چھوٹے سے پس میں سے پیسے نکال رہی تھی، ناصر اس سے کچھ کہنا چاہ رہا تھا مگر ہمت جواب دے رہی تھی، اسے اپنے حل میں کاٹنے نے چھپتے ہجوس ہو رہے تھے۔

شگفتہ نے پچاس کا نوٹ اس کی طرف بڑھایا، ناصر نے خاموشی سے نوٹ لیا اور جب باقی روپے گن کر اس کی طرف لوٹائے تو اس کی زگاہ شگفتہ کے عقب میں کھڑے پر اسرار شخص پر پڑی تو وہ ٹھکا کا، وہ اسے اسرار بھری مسکراہٹ سے دیکھنے جا رہا تھا، تب ناصر کو ہمت ہوئی، جب شگفتہ اس کے ہاتھ سے باقی روپے لے کر پلنے لگی تو اس نے ہمت کر کے اسے پکارا۔

”ایک منٹ....! وہ میں نے آپ سے ایک بات کرنی تھی۔“ اس کی بات سن کر شگفتہ نے ذرا رک کر سمجھیدہ نظر وہیں سے اس کی طرف دیکھا

اس روز رات کو شگفتہ سونے کے لیے اپنے کمرے میں آئی تو بڑی طرح ٹھنک گئی، کمرے کی دیواروں پر جا بجا خون کے چھینٹے پڑے ہوئے تھے، وہ سہم گئی۔ پڑپا اس پر ہتھے والے ان پر اسرار و اقعاد نے اب اسے عادی سا بنادیا تھا اور وہ اب اپنے اعصاب پر قابو پانا یکھی تھی اس نے بھی اس نے اس ڈر سے کسی کو کہنے نہیں بتایا کہ کہیں پھر اس کے گھروالے بالخصوص اماں اور آپی پریشان نہ ہو جائیں اور اس سے کچھ کھنچ رہے لگتیں، اس لئے وہ دل مضبوط کئے بیٹ پر بیٹھ گئی، دھیرے دھیرے اس کے اندر کا خوف بڑھنے لگا، وہ حیرت و خوف سے آنکھیں چھاڑے کمرے کی دیواروں پر لگے خون کے چھینٹوں کو دیکھنے لگی پھر اس پر لرزہ ساطاری ہونے لگا، اس سے پہلے کہ اس پر دورہ پڑتا، وہ جلدی سے اٹھ کر کمرے سے باہر آگئی، صحن میں رات کا تاریک سنانا طاری تھا۔ شگفتہ گھن میں بھی ایک چارپائی پر بیٹھ گئی، موسم بدلنے لگا تھا، فضامیں ہلکی ہلکی ٹھنڈی اتر آئی تھی۔

ہر سو گھری خاموشی کا راجح تھا، شگفتہ خاموشی سے چارپائی پر بیٹھی سر ایسے نظر وہ اپنے کمرے کی طرف دیکھ رہی تھی، اچانک اسے صحن کی مشرقی دیوار پر آہٹ کا احساس ہوا، اس نے گردون موڑ کر دیکھا تو خوف کے مارے اس کی گلگی بندھ گئی۔  
کسی خونخوار جانور کے اگلے دنبجوں سے مشابہ تیز نوکیلے اور بڑے بڑے ہاتھ دیوار کی منڈیر پڑے ہوئے تھے۔ بالکل اسی طرح جیسے کوئی دوسری طرف سے اندر دیوار پر ہاتھ کے سہارے اٹھ رہا ہوا، پھر ان دونوں سیاہ رنگ کے تیز نوکیلے ناخنوں والے دنبجوں کے درمیانی خلا میں ایک بھیانک اور غیر انسانی چہرہ ابھرا، جسے دیکھ کر شگفتہ بڑی طرح دھل گئی، یہ وہی بھیانک چہرہ تھا، بغیر پوٹوں والی ابتدی ہوئی بڑی بڑی گھورتی ہوئی لال انگارہ آنکھیں، نتھے غالب، گالوں کی جگہ تاریک گڑھے۔ شگفتہ مارے خوف کے اپنی جگہ نجمد کر رہی تھی۔

اس بھیانک چہرنے والی غیر انسانی مخلوق کا پورا وجود ابھر آیا جو کہڑا ساختا، اس کی موٹی ڈم بھی تھی، پچھلے دو پاؤں بھی تھے کسی چوپائے کی طرح... وہ بھیانک چہرے والی غیر انسانی مخلوق منڈیر پر جم کر بیٹھ گئی اور سرخ انگارہ آنکھوں سے اسے گھوڑنے لگی۔

پھر جانے کس طرح شگفتہ کو اپنے اندر ایک عجیب سا حوصلہ محوس ہوا اور وہ یک دم چارپائی سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور ہمت کر کے چند قدم اٹھاتی ہوئی اس منڈیر کے قریب آئی جس پر وہ بھیانک چہرے والی غیر انسانی مخلوق بیٹھی بغیر پوٹوں والی خوفناک ابتدی آنکھوں سے اس کی طرف

جانزہ لیتے ہوئے پوچھا۔ ”ایک بات تو بتاؤ بٹو!...! کیا تم واقعی اس لڑکی سے بھی محبت کرتے ہو؟“  
ناصر نے ایک طویل سانس کھینچی اور یا اس زدہ لبجھ میں اثبات میں سر بلکہ بولا۔ ”ہاں!...!  
میں شگفتہ سے بہت محبت کرتا ہوں، بھی محبت...!“

”تو ٹھیک ہے، سمجھو تھا را آدھا کام بن گیا۔“

”آدھا کام....؟“ ناصر الجھر کر بولا اور اس کا جھرہ لٹکنے لگا۔

”ہاں بٹو! ہم پھر یہ کہتے ہیں۔“ اس بارہ پر اسرار خص نے عجیب لب و لبجھ میں کہا جو اس کا شاید اصل انداز تھا۔ ”ہم تمہیں جو عمل بتانے والے ہیں، اس کی کامیابی کا انحصار مجبوب سے بھی محبت کا دل کے اندر موجود ہونا ہے، پر نتو تم کرو تب نا وہ عمل....!“

”عمال جی...! میں ضرور کروں گا وہ عمل، مجھے اگر شگفتہ کو حاصل کرنے کے لیے آگ کے دریا میں چھلانگ لگانی پڑے تو میں کو دپڑوں گا، مجھے بتا دو وہ عمل عامل جی...!“ ناصر بچوں کی طرح خوش ہو کر بولا۔

وہ عامل اسرار بھری مسکراہٹ سے بولا۔ ”میرا نام رنگا ماتی ہے، تم ایسا کرو کسی وقت میرے گھر آ جاؤ، پیر پاڑے میں میرا گھر ہے، وہاں مجھے کوئی زیادہ جانتا نہیں ہے اس لئے کسی سے میرا پتہ پوچھنا بیکاری ثابت ہو گا، ہاں میں تمہیں کچھ شانیاں بتا رہا ہوں، سنو پیر پاڑے میں ایک مشہور دودھ والے پیر و پہلوان کی دکان ہے، اس کی دکان کے بالکل سامنے والے گھر کے دامیں طرف چار گھر دو ایک پر چون کی دکان چھوڑ کر ایک تلی گلی ہو گی، تم اس میں داخل ہو جانا، وہ ایک بندگی ہے، سامنے دروازہ نظر آئے گا جس وہی ہمارا گھر ہے، تم دستک دیئے بغیر اندر آ جانا۔“ وہ یہ کہہ کر چلا گیا۔

ناصر بمحض آیمیں چہرے کے ساتھ سوچتا کھڑا سے جاتا دیکھتا رہا۔

☆ ===== ☆

ٹالی والے بابا سے ملنے اور ان کی ہدایت پر عمل کرنے کے بعد گھر میں کچھ سکون ہو گیا تھا، شگفتہ کو پھر اس دن کے بعد وہ ڈراؤنے مناظر نظر نہیں آئے تھے تاہم تیمور کو ناٹی والے بابا کی ایک ہدایت یہ تھی، انہوں نے آخر میں خاص طور پر تاکید کی تھی کہ اگر پھر بھی شگفتہ کی حالت نہ سننے تھی تو سے ان کے مجرے میں لے آئے مگر سر دست اس کی ضرورت ہی نہ پڑی تھی، حالات خود بخود صحیح ہو گئے تھے۔

شگفتہ کو اب اپنی نہیں بلکہ اپنے گھر والوں کی مکر ستانے لگی تھی، اس بات کا اسے پورا یقین ہو چکا تھا کہ یہ سب اس کا وہم یا اس کے تخلی کی کارستانی نہ تھی، اس گھر میں ایک شیطانی بلا اپنے آسمی پنجھا گڑھ پھکی تھی، ایک خوفناک اور شیطانی چکر شروع ہو چکا تھا، اس کے ساتھ ایک ناقابل یقین کہانی کا آغاز ہو چکا تھا، ایک ایسی خوفناک اور محیر العقول کہانی جس کا وہ خود ایک کردار بن پھی تھی، جس کی کوئی سانسی توجیہ نہ تھی اور یہ ناقابل یقین اور ماوراء عقل تھی۔

شگفتہ کے ذہن نے اب ایک نئی کروٹ لی، وہ اپنا خوف بھلا کر ایک نئی سوچ میں مستقر ہو گئی تھی، ایسی سوچ جس سے اس آسمی اور شیطانی چکر کا تدراک ہو۔

شگفتہ کی ایک رازدار اور قربی سیلی کا شفہ تھی۔ اور تو کوئی بھی اس کی بات پر یقین نہ کرتا مگر شگفتہ کو پوری امید تھی کہ کاغذ نہ صرف اس کی باتوں پر پورا یقین کرے گی بلکہ اسے کوئی اچھا اور صائب مشورہ بھی ضرور دے گی۔ اس کا گھر قریب ہی تھا مگر اسے چونکہ اسکے کہیں آنے جانے کی اجازت نہ تھی، اس لئے وہ اپنے بھائی ساجد کے ساتھ اپنی اس عزیز ترین سیلی کا شفہ کے گھر جا پہنچی۔

اس نے کاشفہ سے ساری بات تفصیل سے بیان کی تو وہ حیرت سے گنگ ہو گئی۔

”کیا تجھے بھی میری باتوں کا یقین نہیں...؟“ اسے یک نک اپنی جانب نکتی دیکھ کر شگفتہ نے شکوہ کرنے کے انداز میں پوچھا۔

”نہیں شگفتہ....! ایسی بات نہیں دراصل یہ بات ہی ایسی ہے کہ عقل کم ہی تسلیم کرتی ہے۔“ کاشفہ نے ذرا سنبھل کر کہا۔ ”لیکن مجھے پورا یقین ہے کہ اتنی بڑی بات تو غلط یا سے بخشن اپنے وہم پر مholmول کر کے نہیں کر سکتی۔“ وہ اتنا کہہ کر چند ثانیے تھی، پھر پر سوچ انداز میں بولی۔ ”دیکھو شگفتہ....! تم نے واقعی یہ بہادری کا مظاہرہ کیا کہ اس شیطانی مخلوق سے ہم کلام ہو کر اس کے عزم کا پتہ لگایا اور نہ تم بھی گھٹ کر مر جاتیں اور بعد میں بقیانا یا آفت تھا رے گھر کے کسی دوسرے فرد کو بھی دیوچ لیتی، مجھے کچھ ایسا لگتا ہے کہ تمہارے یا تمہارے گھر والوں کے پیچھے جان کی دشمن بننے والی اس شیطانی مخلوق کی کارستانيوں کا تعلق تمہارے خاندان کے ماضی سے ہے۔“

”کیا مطلب...؟“ شگفتہ نے الجھ کر پوچھا۔

”ہاں....! ایسا ہو سکتا ہے کہ ماضی میں تمہارے خاندان کے کسی فرد سے کوئی ایسی غلطی یا ایسا کام سرزد ہوا ہو جس کی بنا پر وہ بدر جو اپنا انتقام لیتا چاہتی ہو، کم از کم جس طرح تم نے اس

گھور رہی تھی، پھر شگفتہ کے ہونٹ متحرک ہوئے اور وہ اس سے لرزیدہ لبجھے میں انتبا کرتے ہوئے بولی۔ ”تم... تم آخر کم... کون ہو....؟ میرا چچا چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟“ شگفتہ کے لبجھے میں خوف بھی تھا اور بے بگی بھی.... منڈیر سے چپکی ہوئی اس بھیا کم چہرے والی شیطانی مخلوق نے اپنی سرخ دوشاخ زبان باہر کو پلپائی اور ایک تیز خراٹے دار آواز نکالی پھر غرانے کے انداز میں بولی۔ ”شکورانی....! امیرا بس چلتے تو تیرے سارے گھر والوں کو موت کے گھاث اتار دوں لیکن ابھی میری شکنی کو وہ دوام نصیب نہیں ہوا، بہت جلد میں تم سب کو ہلاک کر دوں گا....بہت جلد....!“

”مل... لیکن تم آخر ہو کون اور ہمارے کیوں دشمن بن گئے ہو؟“ شگفتہ نے اسے انسانوں کی طرح بولتے ہوئے دیکھا تو ہمت کر کے پوچھ لیا۔

”میں تمہارے خاندان کا ازالی دشمن ہوں، میں تمہاری آنے والی نسلوں کو بھی نہیں بخشوں گا، بس تھوڑا انتظار اور....!“ اس غیر انسانی مخلوق نے خونخوار غراہٹ سے کہا اور پھر نظر وہی سے اوجھل ہو گئی۔

شگفتہ دوبارہ اپنے کرے میں آگئی، دیواروں پر خون کے چھینٹے غائب ہو چکے تھے، اس نے ایک گلاس پانی کا پیا اور بیٹھ پر بیٹھ گئی۔

غیر انسانی خوفناک مخلوق سے باقی کرنے کے بعد اب وہ اپنے اندر ایک بجیب ساجھ اور ولولہ محسوس کر رہی تھی، اس کا ڈر اور خوف کچھ کم ہوا تھا، اس کا سبب یہ تھا کہ وہ اس کی باتوں پر سوچ پچار کر رہی تھی، حقیقت یہ تھی کہ وہ اس پر اسراز خوفناک چکر سے ٹک چکی تھی جس نے اس کے اندر خود بخود ایک بے خوبی کو جنم دیا تھا۔

شگفتہ نے جب اس بھیا نک چہرے والی مخلوق کی اس بات پر غور کیا کہ ابھی اسے وہ طاقت (شکنی) حاصل نہیں ہوئی، جس سے وہ اسے اور اس کے گھر والوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتی، تو اس کا صاف مطلب تھا کہ وہ شیطانی مخلوق محض ڈراؤ نے مناظر دکھاد کھا کر اسے دہشت زدہ کرنا چاہتی تھی۔

بہر حال اس سے اس کے خونناک عزم کا اندازہ ہوتا تھا کہ بہت جلد وہ ایسی طاقت حاصل کرنے والی تھی جس کے بعد وہ یقیناً سب کو ہلاک کر دیاتی۔ یہی وہ بات تھی جس نے اسے شان اور منتظر کر دیا تھا۔

رنگاماتی نے اسے اشارے سے کری پر بیٹھنے کو کہا، ناصر خاموشی سے کری پر بیٹھ گیا، جانے کیوں اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا، رنگاماتی کے سامنے تخت نما پلٹگ پر ایک یوسیدہ سائین کا بس رکھا ہوا تھا۔

پھر وہ ناصر کی طرف دیکھ کر بے تاثر لبجھ میں بولا۔ ”مجھے یقین تھا کہ تم ضرور آؤ گے، اسی طرح ثابت قدم رہے تو یقیناً تم اپنی منزل پا لو گے۔“

ناصر نے ذرا ہمت کر کے پوچھا۔ ”آپ میری اس معاملے میں کیا مدد کریں گے؟“

”جیسا تم چاہو گے دیسا ہی ہو گا، اب مجھے بتاؤ کیا چاہتے ہو؟“

ناصر اس کے سوال پر مجبوب سا ہوتا ہم بولا۔

”میں شگفتہ کو حاصل کرنا چاہتا ہوں، اس سے شادی کا خواہ شند ہوں۔“

”ہمیں تمہاری جرأت پسند آئی مگر تمہیں آگے بھی اسی طرح حصے اور ہمت سے کام لینا ہو گا، ایک روز شگفتہ تمہارے قدموں میں ہو گی۔“ رنگاماتی نے ڈرامائی لب ولبجھ میں کہا۔

”مجھے کیا کرنا ہو گا....؟“ ناصر نے پوچھا۔

”شگفتہ کو حاصل کرنے کے لیے ایک عمل.... ایک خاص اور پُرسا عمل لیکن تمہیں نہیں کسی اور سے یہ عمل کرنا ہو گا۔“

رنگاماتی کے پُرسا عمل پر ناصر اس بارچوٹے بنانے والے سکا اور قدرے جیرانی سے بولا۔

”کسی اور کو کرنا ہو گا....؟ مگر کیوں....؟ شگفتہ کو تو میں حاصل کرنا چاہتا ہوں۔“

”ہاں....! لیکن یہ عمل تم نہیں کرو گے البتہ تم اس کے ہمراہ موجود ضرور ہو گے۔“

”آخر کون کرے گا یہ عمل....؟“ ناصر نے پوچھا۔

رنگاماتی نے چند ثانیے ایک گھری اور پُرسا خاموشی کے بعد کہا۔ ”میری بات غور سے سنو، شگفتہ پر ایک بھی انک بدرودح کا سایہ ہے، شگفتہ کا ایک بھائی ہے ساجد، تم اسے تو اچھی طرح جانتے ہو گے؟“

”ہاں....! وہ میرا دوست ہے۔“ ناصر بولا۔

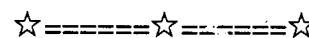
”لبس پھر نہیں ہے، تم اسے اس بات پر مجبور کرو گے کہ وہ یہ عمل کرے۔“

”مگر وہ یہ عمل کیوں کرے گا؟“ ناصر نے الجھ کر پوچھا۔

”بے وقوف....! میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔“ رنگاماتی بولا۔ ”سنو... تم اس سے کہو

شیطانی مخلوق کی باتیں میری سامنے دہرائی ہیں، اس سے تو یہی اندازہ ہوتا ہے۔“ کاشفہ نے کہا۔ ”ہاں کاشفہ....! مجھے تمہاری یہ بات دل کو گتی ہے۔“ شگفتہ تا سید ابوالی۔ ”لیکن اب اس کا حل کیا ہو....؟ کوئی تدارک....؟“

”تم ایسا کروا پہنچ ای، ابو کواس حوالے سے کریدنے کی کوشش کرو کہ ان سے یا ماضی بعد میں ان کے خاندان کے کسی فرد سے کوئی غلطی سرز و تنویں ہوئی یا کوئی کسی آئینی چکر کا شکار رہا ہو۔“ کاشفہ نے مشورہ دیا۔ شگفتہ کو اس کی بات سمجھ میں تو آئی مگر وہ کچھ بولی نہیں اور خاموشی سے واپس گھروٹ آئی۔



ناصر سے صبرہ ہو سکا اور وہ اگلے روز ہی شام چھ بجے اپنے ماں میں سے ایک دوست کی شادی میں شرکت کا بہانہ کر کے عامل رنگاماتی سے ملنے جا پہنچا۔ وہ پیر پاڑے میں پہنچا تو پیڑو پہلوان کی دکان کو ڈھونڈنا چند اس دشوارشہ ہوا، وہ پہلوان جی کی دکان کے سامنے والے دامیں طرف کے چار گھر اور ایک پرچون کی دکان چھوڑ کر اس نیم تاریک او رخنقری بندگی میں داخل ہوا تو سامنے ہی اسے رنگاماتی کے گھر کا دروازہ نظر آیا، وہ آگے بڑھ گیا، مکان تنگ و تاریک ہی نظر آ رہا تھا اور عام ساتھا، ناصر نے دروازے پر دستک دی، کوئی جواب نہ ملا تو اچانک اسے یاد آیا کہ رنگاماتی نے اسے دروازہ کھنکھٹانے کو نہیں بلکہ اسے دھکیل کر اندر داخل ہونے کا کہا تھا پھر اس نے ایسا ہی کیا، دروازہ عجیب سی چڑھاہٹ کے ساتھ اندر کی طرف کھلتا چلا گیا، ناصر نے اندر قدم رکھ دیا۔

اب وہ ایک تنگ و تاریک گھر کے مختصر سے میں زدہ ہم میں کھڑا تھا۔

یہ ایک کمرے کا چھوٹا سا مکان تھا جس کی درود یا واروں سے شکستہ حالی اور کہن سالی کسی آسیب کی طرح چھٹی ہوئی تھی، اسے یہاں ایک عجیب سی ویرانی اور وحشت کا احساس ہوا، سامنے چھوٹے سے برآمدے میں کمرے کا دروازہ نظر آ رہا تھا جو ہمرا ہوا تھا، اس کی متوازی جھری سے زر در گنگ کی روشنی نظر آ رہی تھی، معا اندر سے ایک گونجدار آواز ابھری۔ ”بٹوا....! اندر آ جاؤ۔“

ناصر آواز کو پہچان کر آگے بڑھا، یہ رنگاماتی ہی کی آواز تھی، وہ کمرے کے دروازے کے دھکیل کر اندر داخل ہو گیا، سامنے ایک تخت نما لے چوڑے پلٹگ پر رنگاماتی عام سے لباس میں بیٹھا اس کی طرف گھور رہا تھا، ناصر کو اس کا سانو لا چہرہ جلتا ہوا محسوس ہوا، کمرے میں ایک کری بھی تھی،

کہتے ہیں کہ کوئی کے مالک نے کمی بارے فروخت کرنے کی کوشش کی تھی، اول تو کسی نے کوئی خریدنے کی بہت ہی نہ کی جس کسی نے سنتے داموں کے چکر میں پڑ کرتے ہیں طویل دعیریض پلاٹ پر پھیلی کوئی خریدا بھی تو وہ اس کے اندر زیادہ عرصہ رہن پایا اور عجیب و غریب حالات کا شکار ہو کر پاگل ہو گیا یا پھر بھاگ جانے کو ترجیح دی۔

بہر طور ناصر نے اس کام کی فوراً ہمی بھری تو رنگاتی نے اسے تاکید کی کہ وہ پہلے ساجد کو رضامند کر کے یہاں لائے پھر بعد میں وہ عمل بتائے گا کہ کیا کرنا ہے۔  
ناصر لوٹ آیا، وہ اب ساجد کا منتظر تھا، ایک ہی محلہ تھا اس لئے ساجد سے اس کی مدد بھیڑ ہو گئی۔

اس نے رنگاتی کی بتائی ہوئی ساری باتیں اسے بتا دیں اور اپنی شگفتہ سے محبت کا تذکرہ گول کر گیا۔

”ہاں یار ناصر....! ہم واقعی شگفتہ کی وجہ سے آج کل بہت پریشان ہیں مگر تمہاری باقاعدہ سے تو مجھے ڈر لگنے لگا ہے، ہم آخر اس ویران اور جائزی خوفناک اندھیری کوئی میں کیسے عمل کریں گے؟“ ساجد خوف زده سے لمحہ میں بولا۔

”ارے یار....! کچھ نہیں ہو گا، میں تمہارے ساتھ ہوں گا، کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اس خونی مخلوق کا ایک دن تم سب گھروالے شکار ہو جاؤ؟“ ناصر نے اسے ڈرایا۔

”ہاں یار....! ہمی سوچ کر میں پریشان ہو رہا ہوں۔“

”تو بس پھر آج ہی میرے ساتھ اس رنگاتی کے پاس چلو، وہ ہماری مم.... میرا مطلب ہے تم لوگوں کی ضرور مدد کرے گا، اس نے بتایا ہے کہ ہمیں کوئی نقصان نہ ہو گا اور تم لوگوں کی جان بھی بیمشک لیے اس خونی بدروغ سے چھوٹ جائے گی۔“

ساجد راضی ہو گیا۔ ناصرا سے فوراً رنگاتی کے پاس لے کر پہنچا۔

رنگاتی نے ساجد سے کہا۔ ”پورے انہیں دنوں تک لگاتا رہیں یہ عمل اس اندھیری کوئی کے اندر کرنا ہو گا، وہاں ایک کمرہ ہو گا جس کے اندر ایک قبر ہو گی بس اس قبر کے قریب بیٹھ کر تمہیں عمل کرنا ہو گا جو میں تمہیں بتاتا ہوں۔“ رنگاتی نے یہ کہہ کر اپنے قریب رکھئے ہیں کے پسیہہ بکس کے اندر سے ایک انسانی کھوپڑی نکالی جسے دیکھ کر ناصرا اور ساجد کے اندر خوف کی لبری دوڑ گئی۔  
”ڈرنے کی ضرورت نہیں، اس کھوپڑی کو قبر کے اوپر رکھ کر یہ عمل پڑھنا ہو گا۔“ رنگاتی نے

گے کہ تمہاری بین شگفتہ پر ایک بدروغ کا سایہ ہے، اگر اس کا جلد ہی خاتمہ نہ کیا تو وہ شگفتہ کے ساتھ اس کے سارے گھروالوں کو یہ دن بھیساں کر دے گی، اس لئے اپنی بھری اور اپنے گھروالوں کی خیر چاہتے ہو تو یہ عمل کرنا پڑے گا۔“

”کیا یہ ضروری ہے....؟ میرا مطلب ہے اگر یہ عمل صرف میں ہی اکیلا کروں تو۔“

”ہرگز نہیں۔“ رنگاتی بولا۔ ”اگر تم نے یہ عمل کرنے کی کوشش کی تو اس تھیں نقصان ہو جائے گا کیونکہ وہ خونی مخلوق شگفتہ اور اس کے گھروالوں کی دشمن ہے اور اس کے لیے یہی ضروری ہے کہ یہ عمل اس کے گھر کا کوئی فرد ہی انجام دے۔“

”لیکن اس سے تو انہیں ہی فائدہ ہو گا، مجھے کیا حاصل ہو گا؟“

”بے وقوف....! اس میں تمہارا اپنا بھی فائدہ ہو گا، اب زیادہ سوالات مت کرو، اپنی محبوہ کو حاصل کرنا چاہتے ہو تو تمہیں یہ عمل ساجد سے کروانا پڑے گا، ورنہ میرا قیمتی وقت برپا دست کرو۔“ ناصر کے سوالات پر وہ ذرا تیز لمحہ میں بولا۔ معما ناصر کی چشم تصور میں شگفتہ کا روشن چہرہ رقصان ہو گیا، وہ اسے ہر قیمت پر حاصل کرنا چاہتا تھا، چاہے اسے کچھ بھی کرنا پڑتا۔ چنانچہ اس نے فوراً ہمی بھرتے ہوئے پوچھا۔ ”مجھے منظور ہے لیکن یہ عمل مجھے، میرا مطلب ہے ساجد کو کہاں اور کس جگہ کرنا ہو گا؟“

”ہاں....! اب کی ناہم نے کام کی بات بٹا...!“ رنگاتی یہ دم خوش ہو کر بولا۔ ”یہ عمل کرنے کے لیے تم دونوں کو زیادہ دور نہیں جانا پڑے گا، تمہارے ہی محلے میں ایک پرانی کوئی ہے جو برسوں سے ویران اور غیر آباد پڑی ہے جسے اب کوئی تیار نہیں، اسے اب ”اندھیری کوئی“ کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے۔“

”اندھیری کوئی“ کے ذکر پر ناصر کے وجود میں ایک سر دلہری دوڑ گئی۔ وہ اس ویران کوئی کے بارے میں اچھی طرح جانتا تھا، وہ برسوں سے ویران اور غیر آباد چلی آرہی تھی، اس کے مالک کا بھی کوئی پتہ نہ تھا، اس کوئی کے ساتھ عجیب و غریب اور محروم القول و اقدامات منسوب تھے بلکہ اس کی شہرت ہی انہی خوفناک و اقدامات کے باعث تھی، لوگوں کے کہنے کے مطابق اس کوئی میں کئی سال پہلے ایک قتل ہوا تھا اس دن کے بعد سے اس کے اندر سے عجیب و غریب آوازیں آتی تھیں، لوگوں نے شام کو اس کے قریب سے گزرنا تک چھوڑ دیا تھا، رات تو رات دن میں بھی کوئی کے اندر اندھیرا اس ناظر آتا تھا، شاید اسی لئے اس کوئی کا نام ”اندھیری کوئی“ پڑ گیا تھا۔

ک آخر یہ شخص اندر ہیری کوٹھی کو کیوں خریدنا چاہ رہا تھا، کیا اس کی "شہرت" کے بارے میں علم رہتا ہے اور آمکھانے سے مطلب تھا پیر گنے سے نہیں۔

ملاقات پر پتہ چلا کہ وہ طویل عرصہ بیرون ملک رہنے کے بعد اب یہاں اپنے ملک میں سیشن ہونا چاہتے تھے فیصلی سیست اور یہاں وہ مٹھائی کا کارخانہ اور دکان کھولنا چاہتے تھے، یہاں وہ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ ایک کرائے کے مکان میں رہتے تھے۔

"کیا آپ واقعی اس کوٹھی کو خریدنا چاہتے ہیں؟" بالآخر ادھر ادھر کی باتوں کے بعد ملک شریف نے ذرا غیر لقتنی سے انداز میں رضوی سے پوچھا۔

"ارے بھی.....! آپ کو بھلا کیوں شہر ہے کہ میں اس کوٹھی کو نہیں خریدوں گا۔"

رضوی نے حرمت سے پوچھا۔ ملک شریف نے دیانتداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے سوچا کہ معاملات طے ہونے سے پہلے انہیں صاف اور پچی بات بتاہی دینی چاہئے یوں بھی یا اسی باقی نہیں جو رضوی کے علم میں نہ آتیں چنانچہ ملک شریف نے جب انہیں اندر ہیری کوٹھی کی پہ اسرار شہرت سے آگاہ کیا تو وہ بے اختیار ایک طویل قہقہہ لگا کر بولے۔ "ارے چھوڑئے ملک صاحب....! آپ بھی کیسی بچوں جیسی باقی کر رہے ہیں، ویسے آپ کی اطلاع کے لیے بتاؤں کہ میں نہ صرف اس کوٹھی کا سروے کر پکا ہوں بلکہ مجھے اس سے متعلق ساری افواہوں کا بھی علم ہے لیکن میں آپ کو اس کوٹھی کی لینڈ کاست ویلوکی قم ہرگز نہ دوں گا کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ آپ نے اس کے بہت کم دام لکارکے ہیں، اس لئے آپ یہ خیال بھی ذہن میں مت لایے گا کہ ان سب باتوں کو جانے کے باوجود میں اس کوٹھی کو خریدنے میں دلچسپی رکھتا ہوں اور یوں آپ اس کے دام بڑھانے کی کوشش کریں دراصل میں ایسی ہی جگہوں کو ان کی مارکیٹ ویلوڈاون ہونے کی وجہ سے ہی خریدنے کی کوشش کرتا ہوں۔"

رضوی کی صراحة سن کر ملک شریف سمجھ گیا کہ یہ شخص خاصا چالاک تھا، سہر طور اس کے لیے بھی کافی تھا کہ اونے پونے داموں ہی سہی لمحنی بھاگتے چور کی لگوٹی سہی کے مصدق اس نے بھی وہی دام بتائے جو پہلے سے طے کر رکھتے تھے۔

پھر دونوں کے درمیان یہ معاملات طے پائے اور اب وہ اندر ہیری کوٹھی رضوی کی ملکیت میں آگئی تھی۔

یہ کہہ کر ساجد کو عجیب و غریب زبان میں وہ عمل رثا دیا۔  
الاذناں مشکل اور عجیب ضرور تھے لیکن بہت تھوڑے اور مختصر تھے، انہیں پورے ایک گھنٹے تک بار بار دہراتے رہنا تھا پھر جب کھوپڑی سے دھوان اٹھنے لگے تو عمل ختم کر کے کھوپڑی کو دوبارہ تھیلے میں ڈال کر واپس چلے آتا تھا۔

رنگ ماتی نے آخر میں انہیں یہ تاکید بھی کی تھی کہ عمل کے دوران کچھ خوفناک اور ڈراؤنے مناظر یا آوازیں انہیں خوف زدہ کرنے کی کوشش کریں گی مگر ان سے ڈرنے کی بالکل ضرورت نہیں، یہاں کا کچھ بگاڑنہ پائیں گی، ہاں اگر ڈر کر اس عمل کو ادھورا چھوڑ کر بھاگنے کی کوشش کی تو نقصان کا اندر یہ ہو سکتا ہے۔

یہ دنوں رنگ ماتی کی باقی طرح پلے سے باندھ کر اور وہ کھوپڑی ایک ٹھیلے میں ڈالے وہاں سے لوٹ آئے، ساجد نے اس کھوپڑی کو سنبھالنے کی ذمہ داری ناصر کو سونپ دی تھی۔

☆=====☆

اندر ہیری کوٹھی کے مالک کا نام ملک شریف تھا، شہر کے وسط میں اس کا اپنا ذاتی دو منزلہ مکان تھا، بنیادی طور پر وہ ایک بلدر تھا، پلاٹ خرید کر اس پر مکانات، دکانیں تعمیر کرتا اور مہنگے داموں سے فروخت کر دیتا تھا۔

اندر ہیری کوٹھی درحقیقت اس کے مرhom بابنے کی سے خریدی تھی، اس کے مرنے کے بعد ملک شریف نے بھی اسے کئی بار فروخت کرنے کی کوشش کی لیکن اس سے متعلق پُر اسرار واقعات نے اس کی مارکیٹ ویلوں بالکل ہی ڈاؤن کر دی تھی یوں بھی ایک مختار اندازے کے مطابق شہر بھر میں تقریباً چالیس گھر اور کھصیاں ایسی تھیں جو کئی برسوں سے ویران اور اجاز پڑی ہوئی تھی اور اپنے آسیب کی وجہ سے شہر اور یہودی شہر کے بائیوں میں شہرت رکھتی تھیں، انہیں کوئی خریدنے کی تو کجا راتوں کو قریب سے گزرنے کی بھی جرأت نہیں کرتا تھا۔

ملک شریف ایک ٹھیٹ کاروباری شخص تھا، اس نے بارہاں اس اندر ہیری کوٹھی کو اونے پونے فروخت کرنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ اب تک کامیاب نہ ہو پایا تھا۔

بالآخر ایک روز اس کی مراد برآئی، کوئی رضوی صاحب تھے جنہوں نے اس اندر ہیری کوٹھی کو خریدنے کے لیے ایک روز ملک شریف سے رابطہ کیا، ملک شریف کی تو خوشی کا کوئی مٹکان نہ رہا، اس نے معاملات طے کرنے کے لیے فوراً رضوی صاحب کو اپنے دفتر بلا لیا تاہم وہ حیران بھی تھا

☆=====☆

کوئی تین چار منزل سے کم نہ تھی، قدیم طرز کی اس کوئی میں پختہ اینٹوں سے زیادہ عمارتی لکڑی کی استعمال کیا گیا تھا، ڈھلوانی چھٹی، محربی دوپھول کے علاوہ چار دیواری بھی تھی جو وقت کے ساتھ ساتھ کئی بجھوٹوں سے ادھر پکی تھی، شکستہ گیٹ بھی نیم واہو کر زمین میں دھن چکا تھا جس کا درمیانی خلا آدم گزار تھا۔

”چلو اندر ساجد...! بہت کرو میں تمہارے ساتھ ہوں ناں۔“ معاصر نے اسے ٹھوکا دیا۔

”یار ناصر...! مم... مجھے تو بہت ڈر لگ رہا ہے۔“ ساجد نے مرتش بجھے میں کہا۔

”ڈرنے کی کیا ضرورت ہے، تم بھول گئے...؟ رنگا ماتی نے کہا تھا کہ ہمیں اندر ہیری کوئی کے ویران اور اجازہ ماحول سے خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں، آؤ پہلے میں اندر داخل ہوتا ہوں۔“ ناصر نے اس کی حوصلہ افزائی کی اور ساجد نے تارچ نکال کر روشن کی تو ناصر بلاد ہڑک چوبی دروازے کے درمیانی خلا سے اندر داخل ہو گیا۔

ساجد کو بھی بہت ہوئی اور پھر وہ بھی اس کے عقب میں اندر داخل ہوا، احاطہ و سمع و عریض تھا مگر یہاں جا بجا خود روگھاس اُگی ہوئی تھی، بر گدا اور نیم کے پیڑ بھی تھے جن کی کئی شاخیں جٹاؤ کی طرح جھوٹی تھیں۔

کوئی کے مرکزی دروازے کی طرف جانے والی قدرے مل کھاتی ہوئی پختہ روشن کی اینٹیں بھی جگہ جگہ سے اکھڑی ہوئی تھیں۔

وہ دونوں اپنے ہڑکتے دلوں پر قابو پاتے ہوئے دھیرے دھیرے مرکزی دروازے کی طرف بڑھنے لگے۔ دروازے کا ایک پٹ بالکل غائب تھا جبکہ دوسرا اپنی جگہ موجود تھا مگر اس طرح کہ ٹوٹ کر نصف گرنے کے انداز میں جھکا ہوا تھا۔ جب وہ دونوں ٹوٹے ہوئے مرکزی دروازے کے قریب پہنچ تو ساجد رک گیا اور لرزتی آواز میں ناصر سے بولا۔ ”مم... میں تو اپس جا رہا ہوں۔“

ناصر نے اسے بھڑکا۔ ”بے وقوف...! حوصلہ کرو...! بعد کی مصیبت سے پھنا چاہتے ہو تو تمہیں یہ سب کرنا ہو گا۔“

ساجد نے دوبارہ بہت باندھی اور آگے بڑھا۔ پھر دونوں ٹوٹے ہوئے دروازے سے اندر داخل ہو گئے، تارچ کا ہلا اندر اجازہ اور اکھڑے ہوئے پلستر والی دیواروں پر گردش کر رہا تھا، یہاں بھانست بھانست کا کباڑ بکھرا ہوا تھا، کچھ

رات کے ایک بجے کا عمل تھا، ہر طرف تاریک سناتا چھایا ہوا تھا، ناصر اور ساجد نے اس بات کا خیال رکھا تھا کہ بر ہنگامی کی تاکید کے مطابق اس پر اسرار مخالفے کی کسی کو ہوا بھی نہ ہوگے، دوسرے یہ کام انتہائی ہوشیاری اور رازداری کے ساتھ لگا تاریخی روز تک جاری رکھنا ہو گا۔ یوں ان دونوں کے درمیان یہ طے پایا کہ رات ٹھیک ایک بجے ساجد خاموشی کے ساتھ گھر کو باہر سے تالا لگا کر نکلے گا اور سید حانا ناصر کی طرف آئے گا جو اس کا اپنے گھر کے باہر کھوپڑی والا تھیلا تھا میں منتظر ہو گا، چنانچہ ساجد مقررہ وقت پر خاموشی سے باہر نکلا، دروازے کو تالا لگایا اور ناصر کے گھر کی طرف چل پڑا۔

اس کا گھر زیادہ دور نہ تھا لہذا جب ساجد وہاں پہنچا تو وہ اس کا وہاں بے چینی سے منتظر تھا، اس نے اپنے ایک ہاتھ میں کھوپڑی والا تھیلا پکڑ رکھا تھا۔

”چلیں...؟“ ساجد نے اس کے قریب پہنچ کر استفسار یہ سرگوشی کی۔

”چلو۔“ جو بنا صر نے اثبات میں سرہلا دیا پھر وہ دونوں آگے بڑھ گئے۔ ناصر کی تاکید پر ساجد نے ایک چھوٹی تارچ اپنے پاس رکھی تھی۔

وہ دونوں دوست تاریکی کا حصہ بننے پر اسرار ہی لوں کی مانند اندر ہیری کوئی کی طرف تیز تیز قدموں سے بڑھنے لگے، اندر ہیری کوئی محلے کے آخر میں واقع تھی۔

آسمان صاف تھا، آخری تاریخوں کے چاند کے باوجود چمکتے ستاروں سے نزدیک تک کے فاصلے سرگوں تھے، ذرا دیر بعد وہ دونوں اندر ہیری کوئی کوئی کے بڑے سے پرانے چوبی گیٹ کے سامنے کھڑے تھے، یہاں سے تو دن کی روزنی میں بھی گزرتے ہوئے اگر کوئی اندر ہیری کوئی کا باہر سے نظارہ کرتا تو اس کی ویرانی اور یوسیدی کو دیکھ کر دلوں میں ہمیت سی طاری ہونے لگتی تھی، یہ تو پھر بھی رات کا نصف پہر تھا۔

دونوں کے دلوں کو نامعلوم سے خوف نے جکڑ لیا، وہ اپنے اپنے ارادوں کے جوش تلے یہاں تک آتے گئے تھے مگر اب اندر داخل ہونے کا تصور بھی ان کے لیے حال ہوا تھا۔

ناصر کے دل میں شکفتہ کو حاصل کرنے کا پختہ عزم تھا جبکہ ساجد اپنی چھوٹی بہن شکفتہ اور اپنے گھر والوں کو اس شیطانی مخلوق سے نجات دلانا چاہتا تھا۔ اس اندر ہیری کوئی کی خوفناک اور آسمی شہرت کی وجہ سے آس پاس کا علاقہ عرصے سے ویران تھا، دامیں بائیں اور عقب میں کئی سو گز کے رہائشی اسکیوں والے پلات دوستک ویران تھے۔

لوٹ جانا چاہئے۔“

”بڑا دلوں والی باتیں خست کرو ساجد....!“ ناصر اسے سمجھاتے ہوئے بولا۔ ”یہاں کسی کو آنے کی جرأت نہیں ہوتی، کون دیکھے گا یا لاش....؟ یہ ادھر ہی پڑی پڑی مل سڑ جائے گی، آؤ وہ قبر والا کمرا تلاش کریں، ابھی سے ہی اگر یوں خوف زدہ ہو گئے تو آگے عمل کیے کرو گے؟“

پھر وہ دونوں باری باری سارے کمروں کے بوسیدہ اور ٹوٹے ہوئے دروازوں کے اندر جھاک کر دیکھنے لگے۔ اس پر اسرار عامل رنگاماتی نے انہیں اتنا ضرور آجھا کر دیا تھا کہ جس کمرے میں قبر تھی، وہ نیچے کی ہمیں واقع تھا لہذا انہیں اپر کہیں تلاش کرنے کی ضرورت نہ تھی بالآخر ایک کونے والے کمرے میں وہ قبر نظر آگئی، وہ دونوں اندر داخل ہو گئے۔

قبر کی حالت بہت شکستہ تھی، اندر گڑھا بھی پڑا نظر آرہا تھا جس کے اندر سے تین چار موٹے موٹے چوہوں کی آمد و رفت جاری تھی۔

ناصر نے فوراً اپنے ہاتھ میں تھاما ہوا تھیلا کھولنا اور پھر اندر ہاتھ ڈال کر سب سے پہلے ایک لاثین نکالی، اس کے بعد رنگاماتی کی دی ہوئی کھوپڑی.....

”یہم نے اچھا کیا کہ لاثین ساتھ لے آئے۔“ ساجد نے کہا۔

”ہاں....! ظاہر ہے پورا ایک گھنٹہ عمل کرنا ہو گا، یہ تاریخ کب تک کام کرے گی؟“ ناصر جیب سے ماچس نکال کر لاثین جلاتے ہوئے بولا۔

ساجد نے ناصر کے کہنے پر کپکپاتے ہاتھوں سے وہ کھوپڑی اٹھا کر قبر کے اوپر رکھ دی اور پھر دونوں ساتھ ساتھ قبر کے قریب بیٹھ گئے۔ ساجد نے رنگاماتی کے بتائے ہوئے جملے اگلنا شروع کر دیئے۔ وہ ہمکی آواز میں جملے دہراتے جا رہا تھا۔ ابھی اسے یہ اسرار عمل کرتے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ اچانک باہر والے ہال نما کمرے میں کسی کے تدوں کی چاپ ابھری، ساجد عمل کرتے کرتے بری طرح چونکا تھا، ناصر بھی ڈر گیا۔

”خبردار....! اڑ رہا مت، عمل جاری رکھو اور یہاں سے ملنے کی کوشش نہ کرنا، جب تک کہ عمل پورا نہ کر لو ورنہ بے موت مارے جاؤ گے۔“ ایک شناسا آواز جیسے پرداز غیب سے ابھری۔ دونوں اس آواز کو پہچان گئے تھے جو اس پر اسرار عامل رنگاماتی کی تھی۔

وہ دونوں دہل گئے اور پھر ساجد نے دوبارہ عمل شروع کر دیا۔ ناصر کے کان اپنے عقب میں دروازے کے باہر ابھرنے والے تدوں کی چاپ پر اچانک گئے تھے جو اب دھیرے دھیرے

کمروں کے دروازے بھی نظر آرہے تھے جو زمین میں دھنے ہوئے جیسے صدیوں سے بند پڑے تھے۔ سبا بہرا پہنچا تھا میں بکڑی جوئی تاریخ کے ہائے کوڈا کیں باکیں اور نیچے بور پر گردش دے رہا تھا اور تباہ اچانک روشن ہالے نے ایک بھی ایک منظر کو واضح کیا۔

وہ ایک انسانی لاش تھی جو کاٹھ کباڑ کے اندر سے ابھرے ہوئے تیز نوکیلے اور زنگ آلود لو ہے کے سریئے میں پروئی ہوئی اس طرح جھول رہی تھی کہ لاش کے دونوں ہاتھ اور چہرہ نیچے لٹک رہے تھے اور لاش کے پیٹ سے جدھر سریا پیوست تھا، وہاں سے تازہ خون بہہ کر سیل زدہ فرش میں جذب ہو رہا تھا۔ ساجد کے حق سے تیز تیج خارج ہو گئی اور تاریخ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی۔ ناصر بھی پریشان ہو گیا، دونوں کو معلوم نہ تھا کہ وہ لاش کسی ہے۔

☆=====☆

وہ دہشت ناک منظر ناصر نے بھی دیکھا تھا اور ایک لمحے کو وہ بھی لرز گیا تھا مگر ساجد کے مقابلہ میں اس نے اپنے حواسوں پر فوری طور پر قابو پالا تھا۔

”ڈر نہیں ساجد....! یہ کوئی جن بھوت نہیں ہے، تاریخ اٹھاو۔“ ناصر نے سر گوشی میں اس سے کہا۔

ساجد نے ہمت کر کے جھک کر تاریخ اٹھائی تو ناصر آگے بڑھ کر لاش کا معائنہ کرنے لگا۔

”لگتا ہے اسے موت کا شکار ہوئے تھوڑی ہی دیر گزری ہے۔“ وہ بڑا بڑا۔

ساجد کی خوف سے بری حالت ہو رہی تھی، ناصر بھی اندر سے دہشت زدہ تھا لیکن اس نے خود پر قابو پا کر کھاتھا۔

”نن.... ناصر....! یہاں سے فوراً بھاگ چلو کہیں ہم اس لاش کی وجہ سے کسی مصیبت کا شکار نہ ہو جائیں۔“ ساجد نے لرزیدہ لمحے میں کہا۔ ناصر لاش کی طرف دیکھتے ہوئے پر خیال لجھ میں بولا۔

”لگتا ہے یہ بد نصیب شخص اپنی موت آپ مرائے، اس نے ضرور ہم سے پہلے یہاں کسی بھی مقصد کے تحت اندر داخل ہونے کی کوشش کی ہو گی اور پھر دہشت زدہ ہو کر بھاگنے کی کوشش کی اور اس ابھرے ہوئے تیز نوکیلے سریئے پر گر پڑا ہو گا۔“ ناصر کے ماہر ان تجزیے پر ساجد کی کچھ ہمت بندھی تاہم اس کی پریشانی ہونز کم نہیں ہے۔

وہ بولا۔ ”ناصر....! کچھ بھی تھیں، یہاں یہ لاش موجود ہے، کم از کم آج کے وقت واپس

بھر جب اس زنگ آلو دہنی سریے میں پروئی ہوئی لاش کے قریب سے گزرنے لگے تو رفتہ رفتہ لاش کے بے سذجہ جھولتے ہوئے رجڑ نے حرکت کی اور ملبوخا نہ لبھے میں چلا کر بولا۔ ”م..... مجھے بھی اپنے ساتھ لے جاؤ..... مجھے بھی اپنے ساتھ لے جاؤ۔“ یہ کہہ کر وہ لاش ماہی بے آب کی طرح ترپنے لگی۔

اب تو ناصر اور ساجد کا مرے دہشت کے برا حال ہو گیا، وہ دوڑ پڑے، پوری اندھیری کوٹھی کے دروازام جیخ پڑے۔

”بھاگو.... کپڑو.... جانے نہ پائیں۔“ جیسی کریہہ واضح آوازیں ابھرنے لگیں۔

مگر ناصر اور ساجد دیوانہ اور دوڑتے ہوئے اندھیری کوٹھی کے مرکزی دروازے سے باہر نکلتے احاطے میں آگئے، گیٹ کارخ کیا، جب وہ اندھیری کوٹھی کے ٹوٹے ہوئے گیٹ سے باہر نکلے تو ہر سو گہر اسکوت طاری ہو گیا۔

”خبردار....! رک جاؤ، کون ہوتم؟“ اچانک ایک آواز پر وہ دونوں بری طرح نٹھک کر رکے اور یہک وقت عقب میں مڑ کر دیکھا تو سامنے ایک شخص ہاتھ میں ثارچ اور دوسرا ہاتھ میں لائھی پکڑے قریب ہی کھڑا تھا۔ یہ محلے کا پرانا چوکیدار خان چاچا تھا، اس نے دونوں کے چہروں پر ثارچ کی روشنی پھیکی تھی۔

”بھاگو ساجد....!“ ناصر نے کہا اور پھر دونوں دوڑ پڑے۔

☆ ===== ☆

اگلے دن پورے محلے میں کہرام بھی کیا، خبر یہ تھی کہ رضوی نامی جس شخص نے وہ اندھیری کوٹھی خریدی تھی، اس کی لاش اس کوٹھی کے اندر ایک سریے میں پروئی ہوئی پائی گئی۔

جب رضوی کے گھر والے انہیں علاش کرتے ہوئے کوٹھی کے اندر داخل ہوئے تو انہیں رضوی کی لاش پڑی تھی، اسی وقت پولیس کو اطلاع دی گئی تو.... خان نے پولیس کو بتایا کہ رضوی نے یہ کوٹھی خریدی تھی اور وہ انہیں بغیر بتائے شاید کسی وقت اس اندھیری کوٹھی کا تھا معاملہ کرنے کے لیے اندر داخل ہوئے جہاں ان کو قتل کر دیا گیا۔

آئیں بچکر میں یہ بات یہیں ختم ہو جاتی، اگر وہ چوکیدار خان چاچا اس رات ناصر اور ساجد کو اندھیری کوٹھی سے چوروں کی طرح نکل کر بھاگتے ہوئے نہ دیکھتا۔ وہ چونکہ محلے کا چوکیدار تھا اس لئے ناصر اور ساجد کو خوب اچھی طرح پہچانتا تھا اس نے فوراً پولیس کو بتادیا کہ اس رات اس

قریب آتی جا رہی تھی، بچھا چانک دروازے میں زور کا کھنکا ہوا اور تیز غیر انسانی غراہٹ ابھری۔ دونوں ٹھیک کر کاپنی گروپیں میٹرے عقب میں، یکھنے لگے اور جیسے خوف سے ان کی رگوں میں خون مجنده ہو گیا۔

دروازے پر ایک نہایت بھیا ٹکرے والی غیر انسانی مخلوق کی چوپائے کی طرح ریختی ہوئی اندر داخل ہو رہی تھی۔ یہ وہی مخلوق تھی جس نے ٹکفتہ کا جینا حرام کر کھا تھا۔

”اپنی موت کو آوازمت دو، عمل جاری رکھو۔“ عالی رنگاتی کی تیز آواز گوئی اور پھر دونوں واپس پلٹ کر کھوپڑی کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اس کے بعد ساجد نے عمل شروع کر دیا۔

وہ غیر انسانی مخلوق ہولناک انداز میں غرأتی ہوئی اندر داخل ہو گئی، اس کے اوپنے کوہاں کے عقب سے نکلی ہوئی موٹی دم اینٹوں کے فرش پر سرسر ابھری تھی، وہ بھیا ٹکرے والی غیر انسانی مخلوق بہت غصے میں تھی اور اپنی بغیر پپٹوں والی بڑی بڑی انگارہ آنکھوں سے ان دونوں کو گورے جارہی تھی اور بار بار اپنی موٹی دم زمین پر زور سے تھری تھی۔

ناصر اور ساجد پر مارے خوف دہشت کے بری طرح لرزہ طاری تھا مگر عالی رنگاتی کی کڑی سر زنش پر چھتی سے عمل کرتے ہوئے ساجد اپنے عمل میں مصروف تھا، اس دوران اس شیطانی مخلوق کی دم قبر پر دھری کھوپڑی پر پڑی تو قبر کے اندر سے ایک کریہہ چیخ بلند ہوئی اور دوسرا ہی لمحے قبر پھٹتے ہی ایک بڑیوں کا ڈھانچہ قبر میں اٹھ بیٹھا۔

ساجد اور ناصر دہشت زدہ ہو کر کئی فٹ پیچے جا پڑے۔ شیطانی مخلوق اور وہ ڈھانچہ زور زور سے پیچنے چلانے لگے۔ ناصر اور ساجد کے لیے یہ بڑے دہشت ناک مناظر تھے۔

”عمل جاری رکھو۔... عمل جاری رکھو۔“ عالی رنگاتی کی تیز آواز ابھری۔ ساجد نے دوبارہ اس کے بتائے ہوئے عمل کا ورث شروع کر دیا۔

قب پر دھری کھوپڑی ڈھانچے کے اندر سے نکلنے پر ایک طرف کو سرک گئی تھی، ڈھانچہ دوبارہ عمل لیٹ گیا، کھوپڑی کی آنکھوں والے دو گڑھوں سے دھویں کے مرغولے اٹھنے لگے۔ آج کا عمل پورا ہو چکا تھا، وہ شیطانی مخلوق بھی غالب ہو گئی تھی، کھوپڑی سے دھوان اٹھنے کا مطلب تھا کہ عمل کمل ہو چکا۔ ناصر نے جلدی سے کھوپڑی اٹھا کر تھیلے میں ڈالی، لاٹھیں سنگھالی اور ساجد کو اپنے ساتھ آنے کا کہہ کر کرے سے نکلا۔

خان چاچا کے چہرے پر از حدیز اری کے تاثرات تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ آج دن میں کئی بار یہاں بلایا جا چکا تھا، ہر ٹوڑھ کام کم مرگ مفاجات کے مصدق وہ بتانے لگا۔

”کل رات سواد و بجے کے قریب میں اپنا چوتھا گشت مکمل کر کے اندر ہر کوئی کوئی کوئی کے سامنے گزرنے لگا تو مجھے یہ دونوں بدحواسی کے عالم میں اس کوئی کے اندر سے باہر نکلتے ہوئے دکھائی دیئے، میں نے انہیں خبردار کر کر رونے کی بھی کوشش کی مگر یہ دونوں میری طرف دیکھنے کے بعد خوف زدہ ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔“ اتنا بتانے کے بعد اس نے اپنے ہاتھ جوڑ کر حوالدار عنایت سے ملتبخانہ لجھے میں کہا۔ ”حضور....! اب مجھے جانے دیں، میں ذرا آرام کرنا چاہتا ہوں کیونکہ پھر دوبارہ مجھے رات کو اپنی ڈیوٹی بھی سننچا نا ہے۔“

”اچھا.... اچھا....ٹھیک ہے، جاؤ اب تم۔“ بالآخر حوالدار عنایت نے اسے جانے کی اجازت دی۔ اس کے بعد وہ متوضہ اور پریشان کھڑے ساجدا و ناصر کی طرف گھوڑتا ہوا انھ کھڑا ہوا ان کے قریب پہنچ کر دونوں کو مخاطب کر کے بولا۔ ”مقتول رضوی سے تم دونوں کی داشتنی تھی؟“

”دشنی....؟“ ناصر حیرت آمیز پریشانی سے بولا۔ ”جناب....! ہم تو رضوی صاحب کو جانتے تک نہیں ہیں۔“

”تو پھر تم نے ان کا قتل کیوں کیا؟“ حوالدار نے سرخ آنکھوں سے ناصر کو گھوڑا۔ ”ہم نے قتل نہیں کیا، ہم نے تو آج تک کمکی بھی نہیں ماری۔“ اس بار ساجدنے کہا۔ ”اچھا....!“ حوالدار نے استہزا سے انداز میں کہا۔ ”تو پھر اس رات اندر ہری کوئی میں کھانا لپانے گئے تھے تم دونوں؟“

”ہم ویسے ہی گئے تھے، ہمیں ایک عرصے سے اس اندر ہری کوئی کے بارے میں تجسس تھا۔“ ناصر نے کہا۔

”کیوں....! تم کوئی شرلاک ہومز کی اولاد ہو جاتی دیدہ دلیری اور بہادری کے ساتھ دہاں گئے تھے؟“ حوالدار نے غصے سے دانت پیس کر کہا۔ ”میں کہتا ہوں مجھے حق پتا دو کہ تم دونوں نے رضوی کا قتل کیوں کیا ورنہ میرا یہ ڈنڈا دیکھ رہے ہوں؟“ یہ کہتے اس نے اپنے دامیں ہاتھ میں پکڑا ہوا سیاہ روں دونوں کے چہروں کے سامنے لہر لایا اور اپنی بات مکمل کی۔ ”یہ پھر وہ کوئی بھائی پر مجبور کر دیتا ہے۔“

نے دلوں کو کو دیکھا تھا، ان میں سے ایک تیور کا بینا ساجدا وردوں را شفقت علی کا بھانجنا صرحتاً پڑا۔ نچے پل پیس نے بیکے بنت، دونوں گھروں پر چھاپے مار کر ناصر اور ساجد کو رسمی کے قابل کے الزام میں گرفتار کر لیا اور سیدھا تھا نے لے گئی، دونوں کے گھروں میں کھرام بھی گیا۔ ناصر اور ساجدا ناگہانی اتفاق پر بری طرح پریشان ہو گئے تھے۔

تھا نے کا انچارج ایک خرانٹ ہینڈ کا نشیبل تھا، وہاں ابھی تک کوئی ایسی ایج اور ہیئت نہیں ہوا تھا، یوں بھی یہ علاقہ ایسا تھا یہاں جرام نہ ہونے کے برابر تھا اور ظاہر ہے جہاں راوی چین ہی چین لکھے تو وہاں ”اوپر“ کی آمد فی کا کیا جواز...؟ اس لئے کوئی یہاں ٹرانسفر ہو کر آتا بھی تھا تو چند روز ”ٹھنڈ“ کے بعد دوبارہ اپنا تبادلہ کروالیتا، لے دے کر ایک ہینڈ کا نشیبل عنایت ہی رہ گیا تھا جو خود کو حوالدار کہلانا زیادہ پسند کرتا تھا، وہ ایک خرانٹ صورت پکی عمر کا شخص تھا، چھوٹی موٹی چوری چکاری کی وار داتوں میں دینے والانے کا سلسلہ بھی لگا رہتا تھا مگر بات چند چھوٹے نوں سے آگے نہ بڑھی تھی لیکن اتنے عرصے بعد اس محلے میں قتل کی اس لرزہ خیز واردات پر وہ خود بھی چوکے بنانے رہ سکتا تھا۔

اب ساجدا و ناصر اس کی گرفت میں تھے جنہیں اس نے مقتول رضوی کے قتل کے جرم میں شک کی بناء پر لاک اپ کر دیا تھا۔

اندر ہری کوئی میں ہونے والی لرزہ خیز واردات کی نوعیت سنگین تو تھی لیکن ابھی پوری طرح اس کے ٹھوں شواہد اور محکمات سامنے نہیں آئے تھے۔ ہینڈ کا نشیبل نے چوکیدار خان چاچا کو بھی طلب کر لیا تھا اور دونوں مختبہ ملزمون ناصر اور ساجد کو اپنے کمرے میں بلا کران سے تقیش شروع کر دی تھی۔

اس دوران ایک اردوی نے اندر آ کر حوالدار عنایت کو یہ اطلاع بھی دی تھی کہ ملمن کے والد تیور اور شفقت ان سے ملنے آئے تھے مگر اس نے نہ صرف ملانے سے صاف انکار کر دیا تھا بلکہ انہیں دو تین گھنٹے بعد آنے کا کہہ کر تھا نے سے چلتا کر دیا تھا۔

وہ ایک کرسی میں دھنسا ہوا تھا اور دونوں ناٹکیں میز پر پھیلائے تھا، ہاتھ میں سیاہ رنگ کا ڈنڈا بھی نظر آ رہا تھا، ساجدا و ناصر دونوں اس کے سامنے کھڑے تھے جبکہ چوکیدار خان چاچا بھی ساتھ کھڑا تھا، حوالدار عنایت نے پہلے ناصر اور ساجد کو شمناک نظروں سے گھوڑا پھر قریب کھڑے خان چاچا کی طرف دیکھ کر خست لجھ میں بولا۔ ”اب مجھے شروع سے ساری بات تباہ مگر مختصر الفاظ میں۔“

تب ناصر کے ماموں نے حوالدار سے کہا۔ ”اوچی تھانیدار صاحب....! معاملہ صاف ہے، کوئی ٹھوس بہت بھی نہیں ملا اور آپ نے ہمارے پھوٹوں کو گرفتار کر لیا تھا اس وجہ سے کہ انہیں اس اندھیری کوئی سے نکلتے دیکھا گیا جبکہ مقتول کے وارثوں کو بھی پورا یقین ہے کہ قتل پھوٹوں نے نہیں کیا بلکہ یہ سارا چکر اس اندھیری کوئی کا ہے، سب جانتے ہیں کہ اس کوئی میں آسیب نے برسوں سے ڈبرے ڈال رکھے ہیں جو بھی اسے خریدنے کی کوشش کرتا ہے، وہ اس آسیب کا شکار ہو جاتا ہے۔“

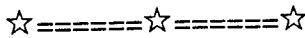
حوالدار بربی طرح تملا کر رہ گیا کیونکہ اندھیری کوئی متعلق ایسی داستانیں عام تھیں، پھر مقتول کے دونوں بیٹے بھی ناصر اور ساجد کی بے گناہی کی گواہی دے رہے تھے، پوست مارٹم رپورٹ ظاہر تھی، یہ بات سب کو تسلیم تھی کہ مقتول رضوی اس اندھیری کوئی کے خونی آسیب کا ہی شکار ہوئے ہیں یوں بات آئی گئی ہو گئی اور ساجد اور ناصر کو ٹھوٹ شوت نہ ہونے کے باعث چھوڑ دیا گیا، یوں پولیس کا تصدی اور ہری ختم ہو گیا۔



ناصر اور ساجد کی خوب کھنچائی ہوئی تھی۔ دونوں کو چونکہ عامل رنگاتی کی طرف سے کسی کو یہ راز بتانے کی سختی سے ممانعت تھی اس لئے ساجد خاموش ہی رہا۔ انہوں نے اپنے بڑوں کو اتنا ہی بتایا کہ وہ اپنے بھس کے ہاتھوں مجبور ہو کر اندھیری کوئی میں اس خونی آسیب کا کھوچ لگانے لگئے تھے۔

آن عمل کا دوسرا روز تھا، ناصر ڈرگیا تھا کہ کہیں ساجد انکار ہی نہ کر دے مگر حقیقت یہ تھی کہ ایک بار عمل کرنے کے بعد ان کی ہمت سوا ہو گئی تھی، وجہ یہی تھی کہ دونوں کے سروں پر دو مختلف عزم کو تجھیل کرنے کی دھن سوار تھی۔

لہذا دوسرا بار بھی عمل کا میابی سے ہمکنار ہوا تو ان کے حوصلے مزید بلند ہو گئے، اب وہ پوری تہذیب کے ساتھ عمل پر عمل کرتے چلے گئے اور یوں لگاتار سات راتیں انہوں نے عمل کر دیا۔



ٹکفتہ کے ساتھ بدستور وہی حالات تھے جو بجائے کم ہونے کے مزید شدت اختیار کرنے لگتے تھے، ایک روز ایسا اندوہنا ک واقعہ ظہور پذیر ہو گیا جس کی کسی کوئی توقع نہ تھی۔ فائزہ کی شادی ہو چکی تھی، اب وہ اپنے گھر کی ہو چکی تھی، گھر میں اکثر اب ٹکفتہ اور اس کی

ابھی اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ معا ایک بار پھر اردوی اندر داخل ہوا اور موڈ بانہ لجھے میں بولا۔ ”جناب....! مقتول کے مارٹل آئے ہیں۔“

”بیچج دو انہیں اندر۔“ حوالدار نے کہا اور اردوی سر جھکائے باہر نکل گیا۔ ذرا دیر بعد دو افراد سو گوار چہرے کے ساتھ اندر داخل ہوئے، دونوں کی عمر میں بچپن، تیس کے درمیان تھیں، صورتیں بھی ایک دوسرے سے تقریباً ملتی جلتی تھیں جس سے صاف اندازہ ہوتا تھا کہ دونوں آپس میں بھائی ہیں۔

یہ دونوں مقتول رضوی کے بیٹے تھے مگر ان کے ہمراہ دو مزید افراد بھی اندر داخل ہوئے تھے، ایک تو تیمور تھے اور دوسرا شخص ناصر کا ماموں شفقت تھا۔

حوالدار عنایت نے بڑی قہر آلو نظر وہ سے ان دونوں کو گھورا تو مقتول کے ایک بیٹے نے حوالدار سے کہا۔ ”حوالدار صاحب....! ان دونوں کو ہم اپنے ساتھ لے لائے ہیں۔“

اس کی بات سن کر حوالدار چونکا۔

”جی حوالدار صاحب....!“ دوسرے بیٹے نے کہا۔ ”آپ ان دونوں کے پھوٹوں کو چھوڑ دیں، ہمارے ابو کو انہوں نے قتل نہیں کیا۔“

ان کی بات سن کر حوالدار عنایت نے اس بار دونوں کو گھورا اور ذرا راحت لجھ میں کہا۔

”آپ اتنے یقین سے یہ بات کیسے کہ سکتے ہیں؟“

”اس لئے کہ ہمارے لئے یہ دونوں بھائی ہیں اور نہ ہی ہمارے یا ہمارے مر جنم ابو کی طرف سے کوئی دشمنی ہے، یہ کوئی دوسرا چکر ہے۔“ پہلے بیٹے نے کہا۔

”یہ پتہ لگانا ہمارا کام ہے، مکال ہے آپ کے والد کا بیداری سے قتل ہو گیا ہے اور جائے واردات سے یہ دونوں لڑکے بھاگتے ہوئے پکڑے گئے ہیں اور آپ کہہ رہے ہیں کہ....!“

”حوالدار صاحب....!“ معا تیمور نے اس کی بات کاٹ کر سنجیدہ لجھ میں کہا۔ ”پوست مارٹم رپورٹ کے مطابق رضوی صاحب کا قتل شام چھا اور سات بجے کے درمیان ہوا ہے جبکہ میرا بیٹا ساجد رات گھر پر ہی تھا، یہ دیکھنے پوست مارٹم رپورٹ....!“ یہ کہہ کر تیمور نے اپنی جیب سے رپورٹ کی ایک کاپی نکال کر اس کی طرف بڑھا دی۔

حوالدار نے رپورٹ لینے کی زحمت تک گوارہ نہ کی اور کرخت لجھ میں بولا۔ ”آپ باہر آئیں، میں بعد میں آپ سے بات کروں گا۔“

اچاکٹ گفتہ کے ہاتھ سے چھری نیچے گئی، وہ اسے اٹھانے کے لیے بھی تو اس کی نگاہ اپنی میں رہتا تھا۔  
ماں کے ہیچ دل پر پڑی تو وہ بربی طرح دل گئی، ماں کے پاؤں اٹھتے تھے، پہلے تو، یہ کھین کر اس کی مان نے شاید اپنا رخ پھیرا ہوا ہے، اس نے بھلے بھلے گردن اٹھا کر دیکھا، وہ بدستور دوسری طرف رخ کے کام میں مشغول تھی۔

شگفتہ اٹھ کھڑی ہوئی اور ماں کے چہرے کو بغور دیکھنے لگی پھر لرزتی آواز سے بولی۔ ”آ... آ... آ...! آپ کے پاؤں اٹھتے ہیں؟“  
”تو پھر کیا ہوا....؟“ یہ کہہ کر وہ دوبارہ کام میں مصروف ہو گئی۔

ماں کے سردار پاس جواب پر شگفتہ ہا کا بکارہ گئی، اس پر لرزہ طاری ہونے لگا، چھری پکڑا ہوا ہاتھ کپکپانے لگا، اس پر دوبارہ ہشریائی دورے جیسی کیفیات طاری ہونے لگیں پھر اچاکٹ اسے کچن کے دروازے پر آہٹ سنائی دی، اس نے پونک کر گردن موڑی تو مارے دھشت کے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔

کچن کے دروازے پر اس کی ماں کھڑی تھی، شگفتہ نے ایک لرزتی ہوئی نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی پھر گردن موڑ کر اپنے دائیں جانب کھڑی آٹا گوندھی ہوئی ماں کو دیکھا جس کے پاؤں اٹھتے تھے، اسے وہیں کھڑے پایا۔

انپی ماں کے دوہشکل کو اپنے سامنے دیکھ کر شگفتہ کی حالت غیر ہونے لگی۔  
”دفعت پھر اس کے کانوں سے ایک اور آواز مکاری جو باہر کسی کمرے سے ابھری تھی۔“ شگفتہ میں.... اذرا دھر آنامیرے پاس۔ یہ بھی اس کی ماں کی آواز تھی۔

شگفتہ کو سکتہ ہو گیا تب پھر اس کے دائیں جانب کھڑے اٹھتے پیروں والی ماں نے اچاکٹ عجیب انداز میں ہنسنا شروع کر دیا، شگفتہ خوف کے مارے پینے میں نہا گئی، ماں نے بنتے ہنستے اس کی طرف دیکھا اور دوسرے ہی لمحے اس کے چہرے کے نقوش بدلتے لگے اور بھیاں کم چہرے والی شیطانی خلوق کی صورت اختیار کر گئے۔

شگفتہ نے ایک زور دار ہشریائی چینی ماری اور اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی چھری ماں کے پیٹ میں اتار دی، ماں کے حق سے لزہ خیز چیخ ابھری اور ان کے پیٹ سے خون کا فوارہ ابل پڑا، ماں اپنا پیٹ پکڑے زمین پر گر پڑی۔

ماں کی ہمشکل غائب ہو گئی، دوسری ہمشکل ماں جس کا چہرہ بھیاں کم ہوتا دیکھ کر شگفتہ نے

اماں ہوتی، تیمور شام گئے لوٹتے جبکہ ساجد کانج جاتا اور شام کو ایک دو گھنٹے کے لیے باہر دستون میں رہتا تھا۔

اس وقت شام کے چار بجے کامل تھا، آج موسم کے تیور ٹھیں ہی سے خراب تھے، آسمان پر کالے بادل چھا گئے تھے، تیمور دفتر جانے سے گریزان تھے مگر جب انہوں نے دیکھا کہ بارش نہیں ہو رہی تو وہ ایک گھنٹہ لیٹ ہی نکل گئے، ساجد کانج سے جلدی لوٹ آیا تھا اور سو گیا تھا، اسے رات کو جا گناہ پر مبتا تھا اس لئے اس کی نیند پوری نہیں ہوتی تھی یوں وہ دوپھر میں نیند پور کرنے کی کوشش کرتا تھا، وہ دوپھر کو جا گا اور کھانا کھا کر پھر سو گیا، دو گھنٹے مزید آرام کرنے کے بعد وہ باہر چلا گیا، اب شگفتہ اور اس کی ماں تہا گھر پر تھیں۔

آسمان پر چھائے ہوئے کالے بادلوں کی وجہ سے سر شام ہی گھپ اندر ہرا چھا گیا تھا، ماں پکن میں کام کر رہی تھی جبکہ شگفتہ اپنے کمرے میں بیٹھی پڑھ رہی تھی۔

”شگوئی....! اذرا دھر آنا۔“ معاف سے ماں نے پکارا۔

وہ ”بھی اماں آئی“ کہہ کر اٹھی اور کمرے سے نکلی۔ اس کی ماں کچن میں ہی تھی، وہ ان کے پاس پہنچی۔

ماں نے پا لک کا بڑا ساتھاں اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”ارے بیٹی ذرایہ پا لک تو کاٹ دینا، میں جب تک آٹا گوندھ لیتی ہوں۔“

”بھی اچھا اماں....! بھی کاٹ دیتی ہوں۔“ شگفتہ نے کہا اور کھڑے کھڑے وہیں پا لک کی ڈٹیاں وپتے الگ کرنے لگی پھر اس کی مٹھیاں بنا کر چھری سے کترنے لگی، ماں بھی کچن کے ایک سلیپ کے قریب کھڑی آٹا گوندھنے لگی۔

”بیٹی....!“ معاف شگفتہ کو ماں کی آواز سنائی دی۔

”بھی اماں....!“ وہ پا لک کاٹتے ہوئے بولی۔

”ہاں بیٹی....! کہو؟“ ماں نے پوچھا۔

”آپ.... آپ نے مجھے کپا را تھا ابھی۔“ شگفتہ نے قدرے چوک کر کہا۔

”میں نے....؟ نہیں تو۔“ ماں نے کہا اور پھر وہ کام میں مشغول ہو گئی۔

”بیٹی....! ادھر دیکھو میری طرف۔“ معاف دوبارہ شگفتہ کو ماں کی آواز سنائی دی۔ اس نے ماں کی طرف دیکھا گرددہ آٹا گوندھنے میں مشغول تھی، وہ اس کے قریب ہی کھڑی تھی۔

آس پاس پڑوئی بھی جمع ہو گئے تھے، تیمور نے جلدی جلدی پہلے اپنی بیگم کو کارکی عقبی نشست پر لٹایا اور پھر اندر بجا گا اور بے ہوش بیٹی کو بھی اٹھا کر باہر آگئے، محلہ والوں نے ان کی مجبوری اور مصیبت کو دیکھتے ہوئے فوراً اپنی عورتوں کو ان کے ساتھ کر دیا اور ایک مرد بھی ان کی مدد میں شامل ہو گیا۔  
 آنا فانا وہ ہپتال پہنچے۔

شگفتہ کا کوئی خاص طبی مسئلہ نہ تھا لیکن اس کی ماں کی حالت بہت ہی نازک تھی، خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے ان کی حالت مزید بکر چکی تھی، ذاکڑوں نے انہیں بچانے کی بہت کوشش کی مگر وہ جانبر نہ ہو سکیں اور ہپتال میں ہی ذرا دیر بعد موت ہزدیا۔

پھر تو جیسے پورے گھر میں ہی نہیں پورے محلے میں کہرام مج گیا، محلہ تھا کی کتنا بڑا... جنگل کی آگ کی طرح یہ بات مشہور ہو گئی کہ تیمور کی پاگل اور جنونی بیٹی شگفتہ نے اپنی ماں کے پیٹ میں چھری گھونپ کر اسے مار ڈالا، پولیس بھی ضابطے کی کارروائی نہیں نہیں اس پہنچنگی اور شگفتہ سے بیان لینا چاہا مگر بے چاری شگفتہ کی اپنی حالت دگر گوں ہو رہی تھی، ماں کے انتقال پر اس پر متواتر غشی کے دورے پڑ رہے تھے، تیمور نے اپنے کسی جانے والے کی مدد سے پولیس کے اعلیٰ افسر سے بات کر کے اپنی مجبوری بیان کی اور معاملہ رفع دفع کروایا، اس دوران انہیں اپنی جیب سے کچھ ”دینا دلانا“ بھی پڑا تھا۔

لوگوں نے تیمور کو یہ مشورہ دیا کہ اس سے پہلے کہ ان کی پاگل اور جنونی بیٹی شگفتہ کی اور کا خون کرے، اسے فوراً پاگل خانے داخل کروادیا جائے۔  
 تیمور نے شگفتہ کو پاگل خانے تو داخل نہیں کروایا البتہ اسے اپنی کار میں لے کر سیدھے تالیں والے بابا کے پاس پہنچا اور بڑے رندھے ہوئے لجھ میں ساری پہتانی۔

”وہ ایک بہت ہی بھی انک اور خطرناک شیطانی مخلوق ہے۔“ ساری پہتانی کے ذرا دیر کی خاموشی کے بعد تالیں والے بابا نے کہا۔ ان کا چرہ جوش و جمال سے کپکسارا تھا۔

تیمور ان کی بات سن کر بری طرح مٹکے اور جیرت و پریشانی سے پوچھا۔ ”بھی انک مخلوق....؟ آخر یہ کون ہے؟ کہاں سے آئی ہے اور... اور اس کی جمارے ساتھ کیا داشتی ہے؟“  
 تالیں والے بابا بولے۔ ”وہ کئی سورس پہلے مر چکی ہے، یا اس کی بدر وح ہے، رہی بات یہ کہ وہ تمہاری بیٹی کی دشن کیوں ہے؟ یہ پُر اسرار حقیقت ابھی راز میں ہے، ہمیں بھی اس کا

اس کے پیٹ میں چھری گھونپ دی تھی، وہ اب فرش پر لیٹیں تکلیف کے مارے بری طرح کراہ رہی تھیں، ان کا چرہ مٹکیں ہو گیا تھا اور باڑیں بھی سیدھے ہو گئے تھے۔  
 شگفتہ کا پانچھنچہ تھا، خون آلو دچھری اس کے ہاتھ سے گردپڑی اور وہ ماں کو سنجھا لے گئی۔  
 ”ہائے اللہ.....! یہ مجھ سے کیا ہو گیا؟“ شگفتہ زخمی ماں کو سنجھاتے ہوئے رونے لگی۔  
 ماں اپنا پیٹ پکڑے درد سے چلا رہی تھی، شگفتہ نے بھی دھاڑیں مار مار کر رونا شروع کر دیا۔

اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی، شگفتہ روئی ہوئی دروازہ کھولنے لگی۔  
 دروازہ کھولا تو سامنے باپ کھڑا تھا، تیمور نے جو اپنی بیٹی کے کپڑوں میں خون لگا دیکھا تو دل گئے۔

”یہ.... یہ کیا ہوا؟ تھا..... تمہارے .... یہ خون کیسا؟“ وہ بے ربط سے لجھ میں بولے۔

”ابو.... ابو.... وہ...“ شگفتہ نے اتنا ہی کہا تھا کہ وہ غش کھا کر باپ کے بازوؤں میں جھوٹ گئی۔

وہ بری طرح ہر اس اور پریشان ہو گئے، بے ہوش شگفتہ کو سنجھاتے ہوئے وہ جلدی سے اندر آئے تو انہیں کچن کی طرف سے اپنی بیگم کے جاں کنی کے انداز میں کراہ ہے کی آوازیں سنائی دیں، وہ مزید پریشان اور متوجہ ہو گئے۔ شگفتہ کو محن میں ہی پچھی ایک چار پائی پر ڈال کر وہ کچن کی طرف لپکے کر اندر اپنی بیگم کو خون آلو دوارز خمپا کر سناٹے میں آگئے۔  
 پھر تو جیسے دوڑ مچ گئی، انہیں ساجد پر بے تھاشاطیش آئے لگا کہ وہ اس وقت گھر پر موجود نہ تھا، وہ دھری پریشانی کا شکار ہو گئے تھے۔

ایک طرف بیٹی بے ہوش پڑی تھی تو دوسرا طرف بیگم جاں کنی کے عالم میں زخمی تھی جو شاید پیٹ پر لگ گھاؤ کی وجہ سے اب بے ہوش ہو چکی تھی۔  
 اچانک تیمور کی نظر فرش پر پڑی خون آلو دچھری پر پڑی۔ وہ جان گئے کہ ان کی بیگم کے پیٹ میں اسی چھری سے وار کیا گیا تھا۔

مگر کس نے ....؟ یہ سوال ای نشان آنکھ کے طرح ان کے ذہن میں انک گیا۔  
 انہوں نے فوراً اپنے محلہ جو اسون پر قابو پایا اور اپنی بیگم کو اٹھا کر کاندھے پر لا اور بہر نکل آئے۔

”ایک آخری بات پوچھنا چاہتا ہوں۔“  
”بال پوچھو۔“

”کیا اس طرح ہمیشہ کے لیے ہماری اس بدروح سے جان چھوٹ جائے گی؟“  
”نہیں..... یہ ابھی اتنا آسان نہیں۔“ وہ بولے۔ ”ابھی یہ پہلا مرحلہ طے کرو، جب تک ہم بھی اس پر اسرارِ معاملے سے آگاہی کے لیے طویل ریاضت کریں گے، تم ہمارے پاس آتے رہنا، اللہ کی ذات پر بھروسہ رکھو، ہم جلد ہی یہ راز معلوم کر لیں گے۔“  
تیموران کا شکر یاد کر کے وہاں سے رفتہ ہو گئے۔

☆=====☆

ساجد اداں ساناصر کی دکان پر موجود تھا، اسے اپنی ماں کی اندوہناک موت پر از حد دکھنا، وہ ناصر سے اداں لجھے میں بولا۔ ”یار ناصر....! میرا خیال ہے میرے اس عمل کرنے پر شیطانی مخلوق نے غصے میں شگفتہ کے ذریعے میری ماں کو موت کے گھاث اتارا ہے، اب میں یہ عمل ہرگز نہیں کروں گا۔“

اس کی بات سن کر ناصر پریشان ہو گیا۔ اسے اپنے ”کام“ کی فکر لاحق ہونے لگی اور وہ اسے سمجھاتے ہوئے بولا۔ ”ساجد....! یہ تو کیسی بے وقوف والی باتمیں کر رہا ہے، عمل کو بارہ روز بیت پھیلے ہیں، سات روز باتی ہیں، اس طرح تم اپنی اور میری بھی ساری محنت ضائع کر دو گے۔“  
”مجھے اس کی پڑائیں۔“ ساجد بیزاری سے بولا۔

”یار کیا تم اس عاملِ رنگماٹی کی بات بھول گئے جس نے کہا تھا کہ اس عمل سے شیطانی مخلوق کا ہمیشہ کے لیے خاتمه ہو جائے گا بصورت دیگر وہ تمہارے سارے خاندان کو موت کے گھاث اتار دے گی۔“ ناصر نے اسے ڈرانے کی کوشش کی۔

”تواب کون سا ہم اس کے شر سے بچے ہوئے ہیں۔“ ساجد نے ناگواری سے کہا اور پھر جیسے اچانک اسے ایک خیال آیا تو وہ بولا۔ ”تمہیں ایک بات تو میں بتانا بھول ہی گیا۔“  
”کیسی بات....؟“

”وہ بات یہ ہے کہ میرے ابو ایک بیک بزرگ سے مل تھے جو ناہلی والے بابا کے نام سے مشہور ہیں، ابو نے انہیں ساری بات بتائی تھی، وہ ہماری اس پر اسرارِ مسئلے میں خاطر خواہ مدد کر رہے ہیں، انہوں نے میرے ابو سے یہی کہا ہے جو عاملِ رنگماٹی نے ہم سے کہا تھا۔“

پوری طرح علم نہیں ہے لیکن وہ صرف تمہاری بیٹی کی نہیں بلکہ تمہارے سارے خاندان کی جان کی دشمن ہے، ابھی اس کے پاس وہ قوت نہیں ہے کہ اپنے زورِ بازو سے کسی کو جسمانی گزندگی پہنچانے کے لئے وہ اپنے شیطانی اور بھیاںک ممتاز کے سامنے اس طرح کا رستا یا سرانجام دیتا رہے گی جس طرح تمہاری بیٹی کو اس نے استعمال کیا۔“ وہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے۔

تیمور پر تشویش سوچ میں مستغرق ہو گئے پھر بولے۔ ”اے اللہ کے نیک بندے...! اب آپ ہی تیمسیں اس بھیاںک بدروح سے نجات دلاتے ۔۔۔“

”ہاں....! سر دست تو اس سے چھکا کاراپانے کا ایک ہی طریقہ ہے۔“  
”وہ حقیقت اس بھیاںک بدروح کی قبر اس اندھیری کوٹھی کے اندر کسی کمرے میں بنی ہوئی ہے جو تمہارے محلے میں ایک ویریان پلاٹ پر برسوں سے نظر آ رہی ہے۔“ وہ بتانے لگے۔ ”لیکن خبردار....! اس قبر کے قریب بھی پھٹکنے کی کوشش مرت کرنا، اس اندھیری کوٹھی کو تمہیں اس کے مالک سے خرید کر اسے بنانا ہو گا۔“

”کہ.... کیا؟“ تیموران کی بات سن کر پریشان ہو گئے۔  
”ہاں....! ابھی ہمارا علم بھی کہتا ہے کہ جو بھیاںک بدروح تمہارے خاندان کی جان کی دشمن بن چکی ہے، اس کا یہ پر اسرارِ راز اس اندھیری کوٹھی سے ہی تعلق رکھتا ہے۔ ہم پوری طرح یہ پر اسرارِ راز جانے کے لیے اپنے علم کا زور لگائیں گے، ہمیں امید ہے جلد یاد ریاں خونی راز کو جان لیں گے لیکن تب تک اس بدروح کی چیزوں سے محفوظ رہنے کا سر دست ہی واحد طریقہ ہے کہ اس کوٹھی کو ویریان اور جاڑنہ رکھا جائے۔“

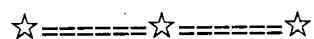
”اے بزرگ....! کیا ضروری ہے کہ اسے میں ہی آباد کروں؟ کیا دوسرا کوئی....؟“  
”نہیں....!“ بزرگ نے ان کی بات کاٹ کر واشکاف الفاظ میں کہا۔ ”اے تمہیں ہی آباد کرنا ہو گا کیونکہ اس سارے پر اسرار اور خونی واقعات کا تعلق تمہارے ہی خاندان سے ہے، بس اب زیادہ وقت بر بادنہ کرو اور اس کے مالک کو ملاش کر کے اس سے فوراً یہ کوٹھی خریدو۔“

”ٹھیک ہے، میں ایسا ہی کروں گا مگر شگفتہ....؟“  
”اس کی تم فکر نہ کرو۔“ بزرگ نے کہا اور پھر اپنے لبے سفید کرتے کی جیب سے ایک تعویذ نکال کر تیمور کو تھماتے ہوئے بولے۔ ”اے ہمیشہ اپنے پاس رکھنا، تمہارا خاندان بدروح کے شر سے محفوظ رہے گا۔“

کے بعد اس عمل سے بدل ہو چکا ہے اسی لئے اس نے وہ عمل آئندہ نہ کرنے کا پکا فیصلہ کر لیا ہے۔“  
ناصر نے عامل رنگا تی کو اصل مسئلے سے آگاہ کیا تو عامل کے چہرے پر تشویش کے سامنے مزید  
گھرے ہو گئے۔

”تم اس بے وقوف لڑکے کو سمجھاؤ، اگر اس نے یہ عمل ادھورا چھوڑا تو پہلے سے زیادہ بڑی  
مصیبتوں کے پھراثان پر ٹوٹ پڑیں گے۔“

”میں نے تو بہت سمجھا نے کی کوشش کی ہے مگر اس نے میری بات ماننے سے اب صاف  
انکار کر دیا ہے۔“ ناصر نے کہا۔  
عامل رنگا ماتی ایک طویل ہنکاری بھر کے بولا۔ ”ٹھیک ہے پھر مجھے ہی کوئی دوسرا طریقہ  
سوچنا پڑے گا۔“



ماں کے انتقال کے بعد شفاقتے بالکل گھٹ کر رہ گئی تھی، وہ اپنی ماں کا قاتل خود کو سمجھے ہوئے  
تھی، اگرچہ اس کے باپ اور بھائی ساجد نے اسے سمجھا نے اور یہ تسلی دینے کی بھی کوشش کی تھی کہ  
اس میں اس کا کوئی قصور نہیں ہے اور یہ ساری کارستانی اس پر اسرار شیطانی مخلوق کی ہے۔ شفاقتے کو  
اب اس بھی انک مخلوق سے نفرت ہو گئی تھی، شدید نفرت.... یہی وہ جذبہ تھا جس سے مغلوب ہو کر  
اسے اپنی ماں کے روپ میں دیکھ کر غیر ارادی طور پر اس نے پیٹ میں چھری گھونپ دی تھی۔  
لیکن تالی وائلے بابا کی ہدایت کے مطابق جب تیور نے وہ اندھیری کوئی خرید کر اس میں  
شفقت ہونے کا اعلان کیا تو ساجد اور شفاقتے نے اپنے باپ کے فینیل پر شدید مخالفت کی۔

”ابو....! یا آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟ یہ تو ہی بات ہو گئی کہ آئیں مجھے مار....!“ سب  
سے پہلے شفاقتے نے مخالفت کرتے ہوئے باپ سے کہا۔ ساجد نے اپنی بہن کی تائید میں باپ سے  
یہی کہا۔ ”ہاں ابو....! شگونٹھیک کہہ رہی ہے، وہ اندھیری کوئی تیور نے تو بدروج کا مسکن ہے، وہاں تو وہ  
ہم سب کو بآسانی شکار کر لے گی۔“

”یہ میرا فیصلہ نہیں ہے، تالی وائلے بابا کا ہے۔“ تیور بولے۔ ”اور وہ اللہ کے ایک نیک  
ہندے ہیں، ضرور انہوں نے کچھ سوچ کر اور اپنے علم کے بل بوتے پر ہی نہیں یہ مشورہ دیا ہو گا  
جس میں ہم سب کی بھلانی ہے۔“  
”نہیں ابو....! معاف بکجھے گا، مجھے تو اس پر اسرار معااملے میں وہ بھی بے بس ہی نظر آتے۔“

”کیا کہا تھا....؟“ ناصر جو بڑے غور سے اس کی بات سن رہا تھا بولا۔  
”بھی کہ ایک بھی انک شیطانی مخلوق کی بدروج ہماری جان کی دشمن بن گئی ہے لہذا اب اسی  
نیک بزرگ نے ابو کوئی مشورہ دیا ہے کہ اس اندھیری کوئی کوئی خرید کر اسے آباد کریں۔“  
ناصر اس کی بات سن کر چونکہ گیا پھر چند ثانیے کی بھی آمیزی میں مستغرق رہنے کے  
بعد بولا۔ ”تو پھر کیا اب تمہارے ابو اس اندھیری کوئی کوئی خریدنا چاہئے ہیں؟“

”ہاں۔“ اس نے بتایا۔

”کیا انہیں معلوم ہے کہ وہاں ایک قبر ہے؟“

”ہاں....! تالی وائلے بابا نے ابو کو بتایا تھا کہ وہ اسی شیطانی مخلوق کی قبر ہے جس کی بدروج  
ہمارے پیچے پڑی ہوئی ہے۔“ ساجد نے کہا۔

”مگر اس طرح تو اللام سب لوگوں کی جان کو مزید خطرہ پیدا ہو جائے گا اور پھر ہمارا عمل  
بھی ادھورا رہ جائے گا۔“ ناصر بولا۔

”ایسا نہیں ہو گا، تالی وائلے بابا اس پر اسرار راز کا کھونج اپنے علم کے ذریعے لگانے کی  
کوشش میں مصروف ہیں۔“

”تو پھر اس قبر کے بارے میں انہوں نے کیا کہا؟ کیا اسے ڈھا دیا جائے گا؟“ ناصر نے  
کسی خیال کے تحت پوچھا۔

ساجد نے نفی میں اپنا سر ہلااتے ہوئے کہا۔

”نہیں....! انہوں نے بختنے سے نہیں اس قبر کی طرف جانے سے بھی منع کر رکھا ہے۔“  
ناصر کسی گھری سوچ میں ڈوب گیا پھر جب ساجد چلا گیا تو وہ اسی وقت عامل رنگا ماتی کے  
پاس پہنچا اور اسے ساری بات بتائی۔

”یہ بہت برا ہوا، ایسا نہیں ہونا چاہئے۔“ ساری باتیں بغور سننے کے بعد وہ تیز لمحے میں  
بولا۔ ”اگر ایسا ہو گیا اور وہ کوئی ساجد کے باپ تیور نے خرید لی تو سارا عمل نہ صرف دھرا کا دھرارہ  
جائے گا بلکہ اللام کا نقصان بھی اسے بھگتا پڑے گا، تم ساجد کو سمجھاؤ کہ وہ اپنے باپ کو کوئی  
خریدنے سے منع کرے ورنہ تم بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو پاؤ گے۔“

”ویسے ساجدا پنے باپ کے اس فیصلے کے حق میں نہیں ہے کہ وہ اچھا بھلا اپنا گھر چھوڑ کر  
اس آئیں اندھیری کوئی میں جا بسیں لیکن اصل پریشانی کی بات یہ ہے کہ ساجد اپنی ماں کی موت

میں جانوں، تمہارا کیا کام ہے۔“

”بھوی.... تو تم ایسے نہیں باتوں گے۔“ اس کی ضرور پر عامل رنگاماتی نے عجیب نظر دی سے اسے گھوڑ کر دھمکی آمیز لجھ میں کہا۔

ساجد کو اس کی آنکھوں میں سفا کی کی چک لہراتی محض ہوئی اور چہرے پر کرخنگی کے تاثرات بھی واضح طور پر ابھر آئے۔

اس وقت اتفاقاً آس پاس کوئی نہیں تھا، سناٹا طاری تھا، عامل رنگاماتی نے ساجد کے چہرے کی طرف جارحانہ نظر دی سے گھورتے ہوئے اپنی قمیض کے اندر ہاتھ ڈال کر جب باہر کلا تو ساجد کے اوسان خطہ ہو گئے۔

اس پر اسرار عامل رنگاماتی کے ہاتھ میں ایک تیز اور لمبے پھل والا گھر ادبا ہوا تھا، گھر کے پھل کی چک اور رنگاماتی کی چمکتی آنکھوں کی سفا کی میں کوئی فرق نہ تھا۔

☆=====☆

ساجد کا چہرہ خوف سے پیلا پڑ گیا تھا۔

اسے اپنی موت صاف نظر آرہی تھی، اسے یقین ہو گیا کہ یہ سفاک عامل آج اس کی جان لے کر ہی رہے گا مگر ایسا نہ ہوا۔

عامل رنگاماتی اس کی سراسریہ نظر دی کے سامنے چھرا گھماتے ہوئے سفا کی سے بولا۔ ”اگر ٹو نے میری بات نہ مانی تو یاد رکھنا میں یہ چھرا تیرے پیٹ میں گھونپ دوں گا، مجھے اسی وقت بتا وہ عمل ٹو پورا کرے گا نہیں.....؟“

ساجد کے منہ سے خوف کے مارے آواز تک نہیں نکل رہی تھی، جبکہ عامل رنگاماتی اسے اپنی خونی آنکھوں سے گھوڑے جارہا تھا، اس نے چھرے کی نوک اس کی گردن پر چھوٹتے ہوئے دوبارہ اپنی دھمکی دہرائی۔

ساجد نے کاپتی ہوئی آواز میں کہا۔ ”ہاں.... ہاں.... مم.... میں وہ عمل ضرور پورا کروں گا۔“

اس کی بات سن کر عامل رنگاماتی کے پتلے پتلے بد ہیست ہونتوں پر زہری مل مسکراہٹ ابھری۔ اس کے بعد اس نے چھرہ اپنی قمیض کے اندر چھپا لیا اور غراہٹ آمیز آواز میں بولا۔ ”ایک بات کان کھول کر سن لو، مجھے دھوکا دینے کی کوشش مت کرنا ورنہ میں تمہیں کسی بھی وقت کسی بھی جگہ موت

ہیں، انہوں نے ہم سے کوئی حقیقی بات ابھی تک نہیں کی ہے کہ آخر اس خونی مخلوق کا خاتمہ کیسے ہو گا۔“ ٹکفتہ نے سمجھ دی گئی سے کہا۔

تیمور اپنے بچوں کی بات پر نہیں ملائمت آمیزی کے ساتھ سمجھاتے ہوئے بولے۔ ”دیکھو بچو.....! ایسی باتیں مت کرو، وہ اللہ کے نیک بندے ہیں اور پھر ان کی قوت کا اس بات سے صاف اندازہ ہوتا ہے کہ وہ سب جانتے ہیں۔“

”کچھ بھی ہوا بوجو.....! ہمیں تو اس آسیبی کوٹھی میں رہائش اختیار کرنے کے قصور سے ہی ہوں آرہا ہے، ہم وہاں ہرگز نہیں جائیں گے۔“ ساجد نے قطعیت سے کہا اور تیمور خاموش ہو گئے۔

یوں یہ معاملہ طوالت اختیار کرنے لگا، مگر میں اب ایک انجانے سے خوف کی فضا پیدا ہو گئی تھی، ٹکفتہ سے باپ اور بیٹا دنوں ہی ڈرے ہوئے رہتے تھے کہ نہ جانے کب وہ انہیں بھی اس بھیماں مخلوق کے روپ میں دیکھ کر غلط فہمی میں ماں کی طرح چھری گھونپ دے۔ ساجد زیادہ پڑیشان تھا، اس پر بیٹھا اور خوف جیسی فضایں بجائے کمی آنے کے اضافے ہی ہوتا ہا۔

اس شام ساجد اپنے دوست سے مل کر واپس گھر کی طرف آرہا تھا کہ اچانک ایک شخص نے اس کا راست روک لیا، وہ ٹھنک کر رُک گیا اس کے سامنے پر اسرار عامل رنگاماتی کھڑا تھا۔

وہ اسے تیز نظر دی سے گھورتے ہوئے بولا۔ ”تم نے یہ عمل ادھورا چھوڑ کر اپنی اور اپنے گھر والوں کی موت کا سامان پیدا کر دیا ہے، تم نے مزید عمل کرنے سے کوئی انکار کر دیا ہے؟“

ساجد پہلے تو اس کے تیور دیکھ کر ڈر گیا مگر پھر ہمت کر کے بولا۔ ”میں اب یہ عمل نہیں کر سکتا، تمہیں ناصر نہیں بتایا کہ میری ماں کن حالات میں موت کا شکار ہوئی ہے؟“

”اس کی کوئی اور وجہ ہو گی، ان کی موت کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔“ عامل نے کہا۔

”اور بھلا کیا وجہ ہو سکتی ہے، مجھے پورا یقین ہو گیا ہے کہ میرے اس طرح عمل کرنے سے اس خونی مخلوق نے طیش میں آ کر اتفاقاً ٹکفتہ کے ہاتھوں ماں کو قتل کر دادیا۔“ ساجد نے ٹھوں لجھ میں کہا۔

”یہ غلط ہے، تمہیں وہ عمل ہر صورت میں اب پایہ تکمیل تک پہنچانا ہو گا ورنہ تمہارے ساتھ میری بھی شامت آ جائے گی، تم اب اس عمل کو ادھورا انہیں چھوڑ سکتے، اب باقی پانچ دن ہی تو رہ گئے ہیں۔“ عامل رنگاماتی نے اسے گھوڑتی ہوئی نظر دی سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”مگر تمہیں آخر بھارے منٹے سے اتنی دلچسپی کیوں ہے، میری مرضی..... یہ میرا مسئلہ ہے،“

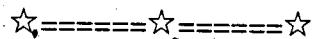
دونوں سے، مگر ساجد بیٹھے....! خبر دار تم اب مزید یہ عمل مت کرنا، ایسا نہ ہو تم دھری مصیبت کا  
شکار ہو جائیں۔“

”نہیں ابو....! میں نے تو اپنے دل میں پاک تھیہ کر لیا ہے، آپ بے فکر ہیں میں اس کی  
بات اب آئندہ ہر گز نہیں مانوں گا۔“ ساجد نے کہا۔

شگفتہ نے پریشان کن لمحے میں باپ سے کہا۔ ”ابو....! آپ نے شاید ساجد بھیا کی بات  
پر غور نہیں کیا، اس عامل نے وہ عمل پورا نہ کرنے پر بھائی کو جان سے مارنے کی حکمی بھی دی ہے۔“

”ہاں....! مگر میں اسے پولیس کے حوالے کر دوں گا، ایسے لوگ صرف گیدڑ بھکیاں دے  
کر خوف زدہ کرنا جانتے ہیں، اس پر عمل کرنا نہیں۔“ یہ کہہ کر وہ ساجد کی طرف متوجہ ہوئے اور  
پہ جوش لمحے میں اپنے دونوں پچوں کو سمجھاتے ہوئے بولے۔ ”تم دونوں تواب یہ بات اچھی طرح  
جان گئے ہو کہ ایک خوفناک اور شیطانی مخلوق ہم لوگوں کی دشمن بن چکی ہے اور اگر ہم اس سے  
خوف زدہ ہو کر ہمت ہار بیٹھے تو وہ آسمانی ایک ایک کر کے ہم سب کو موت کے گھاث اتار دے گی،  
اس نے اللہ پر بھروسہ رکھو، وہی ہماری دست گیری فرمائیں گے جس قہوڑے دونوں کی بات ہے ناہلی  
والے بابا اس بدرودح کے بارے میں کھوچ لگانے کی کوشش میں مصروف ہیں جیسے ہی وہ اس  
بھی انک راز سے پر دہ اٹھائیں گے، پھر وہ ہی اسے نیست و نابود کرنے کے سلسلے میں ہماری بھرپور  
مد کریں گے لیکن یہ سب تبھی ہو پائے گا جب ہم اپنے اندر اس سے مقابلہ کرنے کے لیے وصولہ  
اور ولوہ پیدا کریں گے، بالکل بے خونی کے ساتھ....!“

انتا کہہ کر تیمور صاحب خاموش ہو گئے۔ باپ کی باتوں نے دونوں بہن، بھائی کو کافی  
حوالہ دیا تھا، اب ان کے چہرے خوف سے نہیں بلکہ ایک ولوہ انگیز جوش سے تمثیل ہے تھے۔



بدرودح ۵۶  
کے گھاث اتارتے ہوں۔ ”وہ یہ کہہ کر اپنے راستے پر ہولیا۔  
ساجد کی جان میں جان آئی اور پھر وہ اپنے گھر کی طرف بڑھ گیا۔ گھر پہنچا۔ اس کا پریشان  
چہرہ دیکھ کر تیمور صاحب نے اس سے پوچھا۔ ”کیا بات ہے بیٹا....؟ تم پریشان کیوں ہو....؟  
خبریت تو ہے؟“  
”جی ابو....! پریشانی کی کوئی بات نہیں۔“ وہ گھبرا گیا۔

تیمور صاحب تازے والی نظر رکھتے تھے، جان گئے کہ ساجد کسی تشوش کا شکار ہے لہذا  
انہوں نے بڑے شفقت بھرے لمحے میں اس کے سر پر ہاتھ بھیرتے ہوئے دوبارہ پوچھا۔ ”دیکھو  
بیٹا....! ہم سب اس وقت بڑی عجیب و غریب مصیبت کا شکار ہیں، اگر تم سمجھتے ہو کہ تمہارے بتانے  
سے ہماری پریشانی میں مزید اضافہ ہو گا تو یہ شک نہ بتاؤ لیکن اگر تمہاری پریشانی ہماری اس  
پر اسرار مصیبت سے وابستہ ہے تو تمہیں اپنی اور ہم سب کی بھلانی کی خاطر چھپانا نہ چاہئے۔“  
تیمور صاحب کے نرم اور سمجھانے والے انداز نے ساجد کو بالآخر ساری حقیقت آشکار  
کرنے کا حوصلہ عطا کر دیا اور پھر اس نے ساری بات انہیں بتا دی۔

اتفاق سے اس وقت شگفتہ بھی وہی موجود تھی، باتوں کے دوران چونکہ ناصر کا بھی ذکر ہوا  
تھا اس لئے وہ چونکے بنا نہ رکھی مگر وہ کچھ بول نہ پائی تھی البتہ سوچنے لگی کہ اس سارے معاملے  
میں بھلانا صرکا کیا کام تھا۔

”ہوں.... تو یہ بات ہے؟“ تیمور صاحب ایک پُر سوچ ہنکاری بھر کر زیر لب بڑھ دی۔  
”میں اسے پولیس کے حوالے کر دوں گا اور ناصر کو بھی۔“

”نہیں ابو....! وہ عامل بہت سفاک اور خطرناک آدمی ہے۔“ ساجد نے خوف زدہ سے  
لمحے میں کہا۔

”اس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں بیٹا....! وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا، تم مجھے ڈر اس کا گھر تو  
چل کر دکھاؤ، وہ رہتا کہاں ہے؟“

تب شگفتہ نے کسی خیال کے تحت کہا۔ ”آخر پر یہ تو چلے کہ وہ پر اسرار عامل بھائی ساجد اور  
اس لڑکے ناصر کے ذریعے یہ پر اسرار عمل کس مقصد کے لیے کرو رہا ہے؟“

”کیا ہو گا اس کا مقصد....؟“ تیمور صاحب نے غصے سے دانت میں کہا۔ ”ان لوگوں  
کے ایسے شیطانی عملوں سے اچھی طرح واقف ہوں، وہ ضرور کوئی سفلی عمل کروانا چاہتا ہو گا ان

رنگاماتی سے ملنے کا ارادہ کیا۔

اس نے حسب معمول صبح سوریے اٹھ کر دکان کھولی تو چوک پڑا، اس نے دیکھا شگفتہ کے والد تیور آرہے تھے۔ چونکنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ اس کی دکان کی طرف آرہے تھے اور ان کے چہرے پر سخت برہی کے تاثرات تھے۔

ناصر اندر سے ڈر گیا کہ کہیں شگفتہ نے ان سے اس کی شکایت تو نہیں کر دی تھی یا پھر ساجد نے رنگاماتی کی دھمکی کے بارے میں انہیں ساری باتوں سے آگاہ تو نہیں کر دیا تھا۔ بہر طور وہ سنچل کر بیٹھ گیا۔

پھر جب تیور اس کی دکان کے قریب پہنچ گیا تو ناصر نے نہایت ادب کے ساتھ انہیں سلام کیا۔  
”برخوردار....! تم تو نہایت شریف لڑکے لگتے ہو، یہ تم کیسی خرافات میں پڑ گئے ہو؟“  
تیور نے اسے گھوڑتے ہوئے برہی سے کہا۔

ناصر فوراً سمجھ گیا کہ ساجد انہیں سب بتا چکا تھا لہذا از رانجمان بن کر کہا۔ ”میں سمجھ انہیں انکل....! اب کیا ہے آخر؟“

”بات تو تمہیں اب پولیس ہی اچھی طرح سمجھائے گی اور تمہارے اس عامل رنگاماتی کو بھی جس کے تم چیلے بن چکے ہو اور میرے بیٹے ساجد کو اس بدجنت کے کہنے پر سفلی علم کے اندر ہے راستے پر چلانا چاہتے ہو۔“ تیور دانت پیس کر بولے۔

ناصر نے سوچا کہ اب خاموش رہنے کا کوئی فائدہ نہیں لہذا وہ بولا۔ ”انکل....! آپ غلط سمجھ رہے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ میں جانتا ہوں آپ لوگ ان دونوں کیسی پُر اسرار آسمی مشکلات کا شکار ہیں، میں انسانی ہمدردی کے ناتے آپ لوگوں کی مدد کرنا چاہتا ہوں اس لئے رنگاماتی نے مجھے بتایا تھا کہ کوئی بدروج آپ کے خاندان کے پیچھے ہاتھ وہ کر پڑ چکی ہے، لہذا اس نے یہ بھی بتایا تھا کہ اگر اس خاندان کا کوئی فرد یہ عمل کرے گا تو اس بدروج کو تابو کر کے ہمیشہ کے لیے فنا کے گھاٹ اتنا دیا جائے گا۔“

تیور نے بڑے غور سے اس کی بات سنی۔ اسے جانے کیوں ناصر کے لیے میں سچائی محسوس ہوئی تھی تاہم وہ بولے۔ ”اگر وہ عامل رنگاماتی ہمارا اتنا ہی ہمدرد ہے تو پھر وہ یہ عمل زبردستی پورا کروانے کے لیے ساجد کے انکار پر اسے مارڈا لئے کی دھمکی کیوں دے رہا تھا؟“  
ناصر صاف گوئی سے ان کی بات کی تائید کرتے ہوئے ذرا الجھ کر بولا۔ ”جی ہاں انکل....!  
یہاں بات مجھے الجھن میں ڈالے ہوئے ہے۔“

ناصر کو اپنا معاملہ کھٹائی میں پڑتا نظر آرہا تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ ساحدنے اس سے ملناتر کر دیا تھا، اگرچہ عامل رنگاماتی نے اسے اس بات کا ذکر کرتے ہوئے تبلی دی تھی کہ آج رات ساجد اس کے پاس آئے گا کیونکہ وہ اس کی دھمکی سے خوف زدہ ہو چکا ہے۔  
رات دھیرے دھیرے گہری ہوتی جا رہی تھی لیکن ساجد نہ آیا۔

ناصر کو تشویش ہونے لگی، اب کیا ہو گا....؟ عمل ادھورا رہ گیا تو بقول اس پُر اسرار عامل رنگاماتی خود انہیں بھی نقصان پہنچ سکتا ہے۔

پھر جب رات نصف سے زیادہ بیت گئی تو ناصر کی بے چینی فزوں تر ہو گئی، اسے پورا یقین ہو گیا کہ اب ساجد کبھی نہیں آئے گا جبکہ آج رات کے عمل کو خالی بھی نہیں جانے دینا چاہتا تھا، وہ پریشان ہو گیا اور سوچنے لگا کہ اب وہ کیا کرے۔

تب اسے اور تو پچھنہ سوچا اس نے اسی وقت اس پُر اسرار عامل رنگاماتی سے ملنے کا ارادہ کیا، دل کی لگن تھی اور پچھا اس پُر اسرار عمل کے ادھورا رہ جانے کا بھی انجانا خوف.... چنانچہ وہ دل باندھ کر خاموشی کے ساتھ گھر سے لکلا اور رنگاماتی کے ٹھکانے کی طرف چل دیا۔ جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے رنگاماتی کا گھر زیادہ دور نہ تھا، محلے سے نکل کر بڑی شاہراہ پر چالیس پچاس قدم چلنے کے بعد ایک چوراہا آتا تھا جس کے دائیں جانب والی سڑک پر وہ چھوٹا سا پسمندہ محلہ تھا جہاں پیشتر غریب غرباء ہی رہتے تھے، وہیں رنگاماتی کا گھر تھا۔

بہر طور نا صریح ایک اور ویران راستوں پر تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا اس کے ٹھکانے پر پہنچا تو دروازے پرتالا پڑا دیکھ کر بری طرح ٹھنک گیا۔

”کھڑھ جلا گیا....؟“ وہ یہ سوچ کر زیریں بڑی رہا پھر اسے قدموں واپس لوٹ گیا۔  
آج کی رات بغیر عمل کے گزر گئی تھی، وہ پریشان بھی تھا کہ جانے اب کیا ہو گا، آیا اب یہ پورا عمل شروع سے دھرا ناپڑے گا یہ پھر کچھ اور کرنا پڑے گا تاہم اس نے اگلے دن دوبارہ عامل

سامنے تھت نہاپنگ پر عامل رنگاتی کا وجود اس طرح بے سدھ پڑا تھا کہ وہ سر کی طرف سے نصف نیچو جھول رہا تھا، دونوں ہاتھ پھیلے ہوئے تھے، آنکھیں کھلی پڑی تھیں، صاف نظر آرہا تھا کہ اس کی روپ نفس غصہ سے پرواز کر چکی تھی۔

ناصر کا دل یکبارگی سائیں کرتی کنپیوں میں دھڑکنے لگا، اس نے یہ عقمندی کی فورا خاموشی کے ساتھ واپس پٹانا اور مکان سے باہر نکل گیا۔

☆=====☆

تیمور دفتر گئے ہوئے تھے، شفقت گھر پر اکیلی تھی، ناطلی والے بابا سے لیا ہوا تعویذ انہوں نے شفقت کو دے دیا تھا۔ وہ جب بھی باہر جاتے تو وہ تعویذ اتار کر شفقت کو تمادیتے تھے جسے وہ اپنے دامیں بازو پر باندھ لیتی تھی ورنہ جب وہ گھر پر ہوتے تو اپنے بازو پر باندھ لیتے۔ ناطلی والے نیک بابا نے انہیں بھی تاکید کر رکھی تھی۔

ساجد حسب معقول باہر تھا مگر اب وہ زیادہ باہر نہیں رہتا تھا جلد ہی گھر لوٹ آتا تھا، شام کے پانچ بجے کا وقت تھا کہ اچانک دروازے پرستک ہوئی۔

وہ سمجھی ساجد آیا ہو گا کیونکہ عموماً اس کے ابو دیز سے ہی آتے تھے، اس نے دروازہ کھول دیا تو چونک پڑی، سامنے اس کے ابو کھڑے تھے، اس نے باپ کو سلام کیا، تیمور اندر داخل ہوئے، ان کا چھرہ ساٹ تھا۔

شفقت جب اپنے کمرے کی طرف جانے لگی تو تیمور نے اسے مخاطب کر کے کہا۔  
”شفقت....! وہ تعویذ اتار کر طالقے میں رکھ دینا، میں بعد میں باندھ لوں گا۔“ یہ کہہ کر وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

شفقت کو اپنے باپ کے مخاطب پر حیرت ہوئی تاہم اس نے ایسا ہی کیا اور اپنے بازو پر بندھا تعویذ اتار کر طالقے میں رکھ دیا۔ یہ طالقہ اسٹور روم میں تھا۔

وہ جب اسٹور روم سے باہر نکلی تو دوبارہ دروازے پرستک ہوئی۔  
”ساجد ہو گا۔“ وہ ہو لے سے بڑی بڑی اور دروازہ کھولنے کے لیے آگے بڑھی، دروازے پر ساجد ہی تھا۔

”ابو گھر پر ہی ہیں... کہاں رہ گئے تھم...؟“ شفقت نے تنبیہہ والے انداز میں کہا۔  
ساجد گھبرا کر بولا۔ ”باپ رے مارے گئے تھم کہہ دینا کہ میں ابھی ابھی گیا تھا باہر۔“ وہ

تب تیمور می خیز مسکراہٹ سے بولے۔ ”برخوردار...! وہ عامل رنگاتی ایک فراؤ معلوم ہوتا ہے، وہ اپنے کسی سفلی مقصد کے لیے تم دنوں کو بے قوف بنا رہا ہے، اس لئے میں نے ساجد کو سمجھا دیا ہے، اب تم بھی بھجو لو کہ اس کا ساتھ چھوڑ دو۔“

”جی انکل....! ہو سکتا ہے آپ بالکل درست کہہ رہے ہوں۔“ ناصر نے دھیرے سے کہا اور اپنا سر جھکا دیا۔

تیمور اپنے دفتر کی طرف ہو لئے مگر ان کے جانے کے بعد نا صریذ ب کاشکار ہو گیا۔

تیمور کی یہ بات اس کے دل کو لگی تھی کہ اگر ساجد عامل رنگاتی کی بات نہیں مان رہا تھا تو پھر اسے ساجد کو ڈرانے، دھکانے اور وہ پر اسرار عمل پورا نہ کرنے پر جان سے مارڈا لئے کی دھمکی کیوں دے رہا تھا؟ کیا واقعی بقول تیمور صاحب اس کا کوئی اور شیطانی مقصد تھا۔

ناصر فطرتا ایک ذہن اور سجاد را لکھا مگر شفقت کی محبت نے جیسے اس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں ماوک فردی تھیں مگر اب تیمور کے سمجھنے پر وہ اس بات پر غور کرنے لگا تو اچاک اس کے ذہن میں یہ خیال ابھرا کہ کہیں ایسا تو نہ تھا کہ وہ عامل رنگاتی واقعی سفلی علوم کا ماہر ہوا اور اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر خود اسے اور ساجد کو اپنے کسی گندے مقدمہ کے لیے استعمال کرنا چاہ رہا۔

کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ اس شیطانی مخلوق کی روح کو تابو کرنا چاہتا ہوا تاکہ وہ اسے اپنے تابع کر کے اپنے مقاصد کے لیے استعمال کر سکے؟ اسے اپنا یہ خیال زیادہ پرمیں لگاتا ہم اس نے رنگاتی سے ملنے کا ارادہ ترک نہ کیا تھا۔

وہ اب اس سے ساری حقیقت معلوم کرنا چاہتا تھا کہ آخر سے اس سارے پر اسرار معاملے سے کیا دلچسپی تھی چنانچہ جب اس کے ماموں شفقت حسین دکان پر آئے تو وہ کسی نہ کسی بہانے دکان سے اتر گیا۔

وہ سید حاصل رنگاتی کے گھر پہنچا تو اسے دروازہ کھلا ملا، وہ دھڑکتے دل کے ساتھ دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوا تو اندر را سے غیر معمولی خاموشی کا احساس ہوا۔

لیکن تھا وہ اپنے دل میں عجیب سی بے چینی محسوس کرنے لگا پھر اس نے سامنے اجازہ برآمدے میں بنے اکلوتے کمرے کے دروازے کی طرف دیکھا تو وہ تھوڑا اکھلا ہوا تھا، ناصر آگے بڑھا۔

پھر جیسے ہی کمزے میں داخل ہوا، ایک سرد ہوا کا جھونکا اس کے چہرے سے نکرا یا تو وہ سرتاپا ٹھپٹھ کر رہ گیا لیکن دوسرے ہی لمحے سامنے کا منظر دیکھ کر اس کی مارے خوف کے چیزیں نکل گئی،

بہن کی خوشامد کرتے ہوئے بولا۔

وہ مسکرا کر بولی۔ ”بے فکر جوں، ابو نے ابھی تمہارے بارے میں پوچھا ہی نہیں ہے۔“

ساجد خوش ہو گیا پھر دبے پاؤں اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ شگفتہ اپنے باپ کو چائے وغیرہ کا پوچھنے کی غرض سے ان کے کمرے میں گئی توجہ کمکی گئی، کمراخالی تھا۔

”ابو کھڑا چلے گئے....؟ ابھی تو آئے تھے؟“ اس نے الجھ کر سوچا۔

پھر دوسرے کمرے میں بھی دیکھ لیا، اس کے بعد وہ انہیں ”ابو....ابو“ کہہ کر پکارنے لگی مگر کوئی جواب نہ ملا، اسے حیرت ہوئی اس کے دل میں یہ خیال بھی آیا کہ ہو سکتا ہے ابو باہر نکل کے ہوں لیکن اس نے فوراً یہ خیال ذہن سے جھٹک دیا کیونکہ دروازے پر توکنڈی چھپی ہوئی تھی۔ اس کی پکارن کر ساجد آگیا۔

”کیا ہوا....؟ خیریت تو ہے؟“ اس نے بہن کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

”ابو پر تینیں کھڑا چلے گئے اچاک، ابھی ابھی تو آئے تھے۔“ اس نے جواب پریشانی سے کہا۔

ساجد نے بھی پورے گھر میں باپ کو تلاش کیا لیکن وہ کہیں نظر نہ آئے۔

”تمہیں پورا یقین ہے کہ ابو آئے تھے؟“ بالآخر ساجد نے بغور بہن کے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

شگفتہ نے پورے یقین کے ساتھ اثبات میں اپنا سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”ہاں....! ابھی ابھی تو آئے تھے، مجھ سے انہوں نے تعویذ اتار کر طاقتے میں رکھنے کو کہا تھا کہ بعد میں غسل کر کے وہ اسے باندھ لیں گے۔“

”اچھا....!“ ساجد اس کی بات پر الجھ سا گیا۔

پھر یک دم جیسے وہ خوف زده ساظر آنے لگا اور شگفتہ سے بولا۔ ”مشش....شگو، بہن....!“

کہیں یا اس آسیب کی کارستانی تو نہیں، اس نے ضرور تمہارے بازو سے تعویذ اتارنے کے لیے یہ چال چلی ہوگی۔“

بھائی کی بات سن کر شگفتہ لرزگی پھر کپکپاتی آواز میں بولی۔ ”...بھائی....! مجھے تو ڈر لگ رہا ہے۔“

ساجد خود بھی پریشان تھا مگر بہن کو حوصلہ دیتے ہوئے بولا۔ ”شگو....! تو ڈرمت، میں ہوں ناں، تم بھول گئیں ابو نے ہمیں تاکید کی تھی کہ ہمیں جرأۃ اور بہادری کے ساتھ ان پر اسرار

حالات کا مقابلہ کرنا ہوگا۔“

”وہ تو ٹھیک ہے بھیا....! اگر.... وہ تعویذ....!“

”تم خپرو..... میں طاقتے سے لاتا ہوں۔“ ساجد نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ اور پھر جب وہ اسٹور روم کی طرف بڑھا تو شگفتہ بھی اس کے عقب میں ہوئی۔ ساجد نے اسٹور میں داخل ہونے کے لیے جیسے ہی دروازہ کھولا، یکخت لاعداد چگاڑیں پھر پھڑاتی ہوئی برآمد ہوئیں اور ان دونوں کے چہروں سے نکلائیں۔

بے اختیار دونوں نے ایک تیز خوف زدہ ہی چیخ ماری، شگفتہ تو بھاگ کر صحن میں آگئی مگر ساجد وہیں کھڑا ابری طرح چینخے چلانے لگا۔

بھائی کی چینیں سن کر شگفتہ دوبارہ اس کی طرف بھاگی تو یہ دیکھ کر دہشت زدہ رہ گئی کہ ایک چگاڑا ساجد کے چہرے پر چھٹ گئی تھی اور وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے اس کے بڑے بڑے پروں کو پکڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔

شگفتہ بری طرح متوضش ہو گئی تھی، وہ رو نے لگی، ادھر ساجد کی حالت لمحہ بے لمحہ غیر ہوتی جا رہی تھی، وہ خونی چگاڑا ساجد کے چہرے کے ساتھ چھٹی اس کے چہرے کو بری طرح جھنجوڑ رہی تھی یہاں تک کہ ساجد کے چہرے سے خون بہنا شروع ہو گیا۔

ساجد پا گلوں کی طرح چنتا ہوا ادھر ادھر بھاگ رہا تھا، شگفتہ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ ساجد کی کس طرح مدد کرے مگر جب اس نے دیکھا کہ بھائی کے چہرے سے بری طرح خون بہنا شروع ہو گیا ہے تو وہ اپنا خوف بھلائے اس کی مدد کو دوڑی۔

ساجد اب فرش پر گر گیا تھا، شگفتہ کے سر پر جنون سوار ہو گیا، وہ آگے بڑھی اور جھک کر چگاڑا کے پر کوکپڑ کر زور سے اسے اچھال دیا۔

ساجد کا چہرہ بری طرح زخمی ہو کر منجھ ہو چکا تھا اور وہ تکلیف کی شدت سے تڑپے جا رہا تھا اور چگاڑا فرش پر پھر پھڑا رہی تھی۔

شگفتہ فوراً بھائی کی طرف متوجہ ہوئی۔ وہ اس بات سے بالکل بے خبر تھی کہ فرش پر پھر پھڑا تھا تو ہی چگاڑا بتاب تیزی کے ساتھ اپنی جیت تبدیل کر رہی تھی۔

ادھر جب شگفتہ اٹھ کر مدد لینے کے لیے باہر نکلنے کو انھی تو اچاک اس کی نگاہ چگاڑا پر پڑی مگر اب وہاں چگاڑا کی بجائے وہی بھیاں کی صورت غیر انسانی مخلوق کوہاں نکالے دھیرے

دھیرے اس کی طرف ریگ رہی تھی۔  
وہ اپنی موٹی سی دم تیزی کے ساتھ ادھر ادھر پڑھ رہی تھی، شفقت کی مارے دہشت کے چیز نکل گئی۔

وہ اس آسمی مخلوق کو اپنے اس قدر قریب پا کر گنج سی رہ گئی تھی، اس کے قدم جیسے زمین نے پکڑ لئے تھے، قوت گویائی سلب ہو کر رہ گئی تھی، وہ کسی بھی لمحے میں پر گرنے والی تھی، اس نے بڑی مشکلوں سے خود پر قابو پا رکھا تھا اور خوف سے پھیلی ہوئی آنکھوں سے اس آسمی مخلوق کو اپنی طرف بڑھتا ہوا دیکھ رہی تھی۔

پھر جب وہ آسمی مخلوق بالکل اس کے قریب پہنچ کر رکی تو اس نے کریہ انگیز آواز میں غراتت ہوئے اس سے کہا۔ ”میں تم سب کو ختم کر دوں گا، کسی کو زندہ نہیں چھوڑوں گا، تمہارے بھائی کی بے وقوفی سے اب مجھے آہستہ اپنی کھوئی ہوئی قوت دوبارہ ملنے لگی ہے، ہا... ہا... ہا...“

وہ بدر وح ایک زور دار قہقہہ مار کر بھی۔ ادھر شفقت کا پورا وجود خزاں رسیدہ پتے کی طرح کاپ رہا تھا۔

ادھر زمین پر پڑے ساجد کی اذیت ناک چیزوں نے الگ اسے حواس باختہ کر رکھا تھا، اچانک دروازے پر زور زور سے دستک ہونے لگی، آسمی مخلوق نے اپنے کوہاں کو حركت دی اور گردان موڑ کر دروازے کی طرف دیکھا، اس کے بعد فوراً دھویں میں تبدیل ہونے لگی، شفقت غیر ارادی طور پر دروازے کی طرف لگی، دروازہ کھولتا تو سامنے اپنے باپ کو پا کر اسے غش آگیا، تیمور نے بڑھ کر اسے ٹھام لیا۔

☆=====☆=====☆

تیمور کے خاندان کی دشمن اس آسمی مخلوق نے دوسرا اور بھی ان کے گھر کے ایک فرد پر بہت کامیابی سے کیا تھا، پہلے شفقت کے ہاتھوں اس کی ماں قُتل کروایا اس کے بعد اس نے ساجد کو بھی زخمی کر دیا تھا، اس کی دونوں آنکھیں پھوڑ ڈالی تھیں، ساجد زندہ تو نجی گیا تھا مگر اب وہ ہمیشہ کے لیے ناپینا ہو چکا تھا۔

تیمور کے خاندان میں یہ دوسرا بڑا اور اندھوہناک سانحہ تھا۔ ساجدان کا اکتوبر تباہ تھا، ان کا بازو و تھا اور ان کے بڑے بھائیوں کا سہارا تھا مگر اب وہ بے چارہ

خود دسرے کے سہارے کا محتاج ہو گیا تھا۔

شفقت نے باپ کو ساری باتیں بتا دی تھی کہ ان کے ساتھ کیا ہوا تھا۔

”یہ ضرور اس آسمی مخلوق کا ہی کام ہے۔“ وہ دانت پیس کر غصے سے بولے۔ ”اس نے سب سے پہلے میرا بھروسہ پر بھر کر چالا کی سے تمہارے بازو پر بندھا ہوا تعویذ اتر وا یا پھر اس کے بعد اس منحوس بدر وح نے اپناوار کر ڈالا۔“

شفقت ایک بار پھر خود کو مجرم تصور کرنے لگی تاہم اچانک اسے اس آسمی مخلوق کی وہ دھمکی یاد آئی۔ اس نے کہا تھا کہ اس کے بھائی ساجد کی بے وقوفی کی وجہ سے ہی وہ اب اپنی اصل قوت حاصل کرنے لگی تھی۔

جب اس نے یہ بات اپنے باپ کو بتائی تو ان کے چہرے پر مزید تشویش کی آثار پھیل گئے پھر پر سوچ لجھے میں بڑھاتے ہوئے بوئے۔ ”میرا خیال ہے یہ ساری کارستانی اسی بدجنت عامل رنگاتی کے اس پر اسرار عالم کی ہے جو ساجد اور ناصر دونوں مل کر اس اندر ہیری کوئی میں راتوں کو کرتے تھے۔“

”مگر ابو...! وہ عمل تو ساجد بھائی نے چھوڑ دیا تھا...“ شفقت نے جیسے انہیں یاد دلا یا۔

”ہا...! لیکن یہ دونوں بے وقوف آدھے سے زیادہ عمل کر چکے تھے۔“ وہ بخیال لجھے میں بولے۔

☆=====☆=====☆

اگلے روز تیمور دفتر سے دو گھنٹے پہلے ہی اپنی کار میں سیدھے ٹالی والے بابا کے مجرمے کی طرف روانہ ہو گئے۔

وہاں پہنچ کر انہیں اپنا سارا دکھڑا بیان کیا۔ ٹالی والے بابا نے بغور ان کی بات سنی اور گھرے رنج غم کا اظہار کیا۔

”اللہ تم لوگوں کا حامی و ناصر ہو، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ایک بد خصلت عالم کی وجہ سے اس بدر وح کی ریشہ دونیوں میں دن بدن اضافہ ہوتا جا رہا ہے، درحقیقت وہ بد خصلت عالم اپنے کمرہ اور بھائیاں مقاصد کی تجھیکی کی خاطر اس بدر وح کو اپنے تالیع کرنا چاہتا تھا کیونکہ وہ اسرار علوم کا ماہر ہے لیکن ہم جانتے ہیں کہ اس بدر وح کو قابو کرنا کسی کے بھی بس کی بات نہیں سوائے اللہ کے، لیکن اس کے لیے بہت طویل انتظار اور کڑی محنت کی ضرورت ہو گی۔“ وہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے۔

طویل عرصے تک او جمل رہی تھی، برسہا برس ویران پڑی رہنے والی اس اندر ہیری کوئی کاپر اسرار آ سیب اس دھڑکتے ویرانوں میں قوت پکڑتا چلا گیا، اب اس بدروج کے خاتمے کا پہلا مرحلہ یہی ہے کہ اس اندر ہیری کوئی کوآباد کرنا ہوگا اور سب سے پہلے تمہیں ہی اپنے خاندان کے ساتھ وہاں رہائش پذیر ہونا پڑے گا، پھر دھیرے دھیرے اس کوئی میں کرائے دار بھی لاسکتے ہوگر خبردار جس کمرے میں اس شیطان کو گاڑھا ہوا ہے، اسے اسی طرح پڑے رہنے دینا۔

تیمور نے حتیٰ لجھے میں کہا۔ ”میں اب سب سے پہلے آپ کی اس ہدایت پر عمل کروں گا لیکن میرے بچوں کو اعتراض تھا، وہ بکھر رہے تھے کہ وہاں ہم بالکل غیر محفوظ ہو جائیں گے۔“

”غیر محفوظ تو تم لوگ اپنے گھر میں بھی ہو۔“ بابا نے کہا۔  
”آپ نے درست فرمایا، میرا خیال ہے اب میں اپنے دونوں بچوں کو سمجھالوں گا۔“ تیمور نے پورے دشوق سے کہا پھر خست ہو گئے۔

☆=====☆

ناصر بری طرح پریشان تھا، عامل رنگاماتی کی پر اسرار ہلاکت اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی مگر اب وہ مرچ کا تھا اور ناصر کو اپنے کام کی جو تھوڑی بہت امید تھی، وہ بھی ختم ہو گئی تھی، اس کا دل اب شکفتہ کے خیال سے بے چین رہنے لگا تھا، اس کی بے کلی فزوں تر ہونے لگی تھی، اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب شکفتہ کی اپنی محبت کو حاصل کرنے کی کون ہی سیکھ لی پیدا کرے۔  
شکفتہ کے سامنے اپنے حالی دل کا اٹھا کر رکنا، اس کی ناراضی کا سبب بنا تھا اور پھر اس نے اس کی دکان پر آنا ہی چھوڑ دیا تھا اس دن کے بعد سے۔

”کیا میں شکفتہ سے دوبارہ بات کرنے کی کوشش کروں؟“ وہ سوچنے لگا مگر پھر شکفتہ کے سرداور بے انتہا روئے پر اسے اپنا ارادہ بدلتا پڑا۔ اس کی بے رخی اس کے لیے پریشانی کا باعث بن رہی تھی، تب اچاکن اس کے دل میں اس مسئلے کا ایک بالکل سیدھا سادہ حل نظر آیا، اس طرح وہ ناراض بھی نہ ہو گی اور وہ کامیاب ہو جائے گا۔ چنانچہ یہ فصل کر کے وہ مطمئن سا ہو گیا۔

عامل رنگاماتی کی موت آئی گئی بات، ہو گئی تھی، تیمور نے بھی اس کے پاس دوبارہ آ کر اس کے بارے میں پوچھا بھی نہ تھا۔  
ذرادیگز ری اس کے ماموں شفقت دکان کے اندر وہی دروازے سے اندر داخل ہوئے۔  
ناصر نے چند گاہوں کو فارغ کیا شفقت نے ایک موٹہ ہے پر بیٹھ کر رجڑا اور قلم سنبھال لیا۔

تیمور نے پریشان کی بے چینی سے کہا۔ ”بابا....! اب آپ ہی ہماری مدد کریں، ہمارا تو بدروج نے جینا دو بھر کر ڈالا ہے، آخر اس شیطان کی حقیقت کیا ہے، یہ کس طرح نیست وہاں پر ہو گئی؟“

تیمور کی بات سن کر ٹالی والے بابا نے اپنا دایاں ہاتھ اپنے باریش چہرے پر پھیرا پھر بولے۔ ”اللہ کی ذات پر بھروسہ رکھو، وہی صلب الاسباب ہے، میں نے بچپن ملاقاتوں میں تمہیں بتایا تھا کہ یہ ایک شیطان کی بدروج ہے جس نے آج سے آج سے کئی سال پہلے خلق خدا کا جینا دو بھر کر کھا تھا پھر تمہارے ہی خاندان کے ایک نیک اور بہادر انسان نے اس کا خاتمہ کر ڈالا تھا پھر کئی برس تک اس شیطان کی بدروج انتقام لینے کے لیے ویرانوں میں بھکری رہی، اس وقت یہ بالکل بے بس تھی پھر پہ اسرار علوم کے ماہر جو ایسی بے بس بدرجوں کو قابو کرنے کے لیے سفلی عمل اور جادو ڈونا کرتے رہتے ہیں، ایسے ہی کسی عامل کے سفلی عمل نے اس بدروج کی شیطانی قوتوں کو مزید جلا بخشی اور اسے مہیز کیا گروہ خود بھی اس کے شراور خونی بچوں سے زندہ نہیں سکے اور خود تو کم جنت جہنم واصل ہوئے مگر اس بدروج کو آسمی قوتوں سے ہمکنار کر گئے۔“

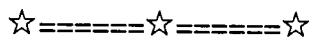
وہ اتنا بتا کر چند ٹانیے کو تھے۔ تیمور بغوران کی باتیں سن رہا تھا۔  
وہ پھر بتانے لگے۔ ”یہ سب باتیں ہم نے تین روز کی خصوصی ریاضتوں سے معلوم کی ہیں اور اب اس کا ایک ہی حل ہے جو مردیست مختلف مرطبوں کا حائل ہے اور خاصاً طویل بھی۔“  
ان کی بات سن کر تیمور جوش سے بولے۔ ”میں ہر مرحلے سے گزرنے کے لیے تیار ہوں بابا جی.....! آپ مجھے بتائیں۔“

”یہ سب باتیں ہم مرحلہ وار ہی تمہیں بتائیں گے لیکن افسوس ہے کہ تم ابھی تک پہلا مرحلہ ہی سر کرنے میں ناکام رہے ہو۔“ بابا نے کہا۔

تیمور یہ سن کر گھبرا سے گئے پھر الجھن آمیز جیرت سے مستقر ہوئے۔ ”بابا....! میں کون سے پہلے مرحلے میں ناکام ہوا ہوں؟“

”تم شاید بھول رہے ہو کہ ہم نے تمہیں کہا تھا کہ اس بدروج کو زیر کرنے کے لیے سب سے پہلے تمہیں اس اندر ہیری کوئی میں بسیرا کرنا ہوگا جدھر اس کی قبر ہے لیکن در حقیقت وہ اس کی قبر نہیں ہے، اسے ہلاک کرنے کے بعد وہ ہیں گڑھا کھو کر دادیا گیا تھا اور یہی غلطی ہو گئی حالانکہ اس شیطان کو مارنے کے بعد فرا جلا کر خاکستر کر دینا چاہئے تھا، یوں وہ جگہ عام لوگوں کی نظروں سے

”نمیں ماموں....! میں ایسی کرکتیں نہیں کرتا، وہ دکان میں آئی تھی سودائیتے۔“  
 ”اچھا.... اس کی بیٹی ہے؟“  
 ”تت.... تیمور صاحب کی.... شفقت نام ہے اس کا۔“  
 ”تیمور صاحب کی....؟“ ماموں نے دہرایا۔ ”مگر ناصر بیٹے ان کی بیٹی شفقت تو بہت پڑھی  
 لکھی ہے، انہر پاس ہے وہ، اور تم نے مشکل سے ڈل تک ہی پڑھا ہے۔“  
 ”تو کیا ہو ماموں....! میں کوئی چوراچکا تو نہیں، آپ اس کے باپ سے بات تو کر کے  
 دیکھیں۔“ ناصر نے امید بھرے لجھ میں کہا۔  
 شفقت کچھ سوچنے لگے تھے پھر بولے۔ ”اچھا....! تیری یہ ضد ہے تو میں تیمور صاحب  
 کے کی وقت مل لوں گا۔“  
 ناصر خوش ہو گیا اور دکان سے نکل گیا۔



ساجد والے ان وہناک واقعہ کے بعد سے گھر میں ایک عجیب سی مردنی چھاگی تھی، تیمور نے  
 گھر آکر اپنے دونوں بچوں کو پاس بلا کر انہیں ساری بات سمجھائی، اس بارہہ انکا رندہ کر سکے تھے لہذا  
 تیمور نے اگلے روز ہی اندھیری کوٹھی کے مالک شریف صاحب سے ملاقات کی۔ اس نے بتایا کہ  
 اب وہ کوٹھی رضوی صاحب کے دونوں بیٹوں کی ملکیت ہے پھر شریف نے انہیں ان کا پتہ بتادیا۔  
 تیمور اسی وقت رضوی کے دونوں بیٹوں سے ملے اور اپنا مقصد بیان کیا۔ ان دونوں  
 بھائیوں کی حریت تو ہوئی تاہم انہیں خشی بھی تھی کہ جلوکسی طرح اس آسمی کوٹھی کا کوئی گاہک تو ملا لہذا  
 انہوں نے وہی اونے پونے دام بتادیے جس دام پر ان کے مرحوم والد رضوی صاحب نے ملک  
 شریف سے خریدی تھی۔  
 سودا طے ہو گیا تو تیمور نے اندھیری کوٹھی کو قبل رہائش بنانے کے لیے چند مزدور لگا  
 دیئے۔ محلہ والے حیران و پریشان تھے کہ آخر تیمور کو یہ کیا سمجھی مگر تیمور نے یہ بات راز میں رکھی  
 تھی جس کی ہدایت ناہیں والے بابا انہیں پہلے ہی دے چکے تھے۔

تیمور نے مزدوروں کو سمجھادیا تھا سوائے ایک کمرے کے سارے کمروں کی صفائی وغیرہ کر  
 ڈالیں، نیز اندر بآہر اور احاطے میں جو خود روجھاڑیاں اگ آئی ہیں، انہیں کاث ڈالیں، بڑھتی کو بلوا  
 کر اندھیری کوٹھی کے دروازوں وغیرہ کی بھی مرمت کروائی گئی جو بالکل ثوٹ کر خستہ اور بیکار ہو

”مُتَّر ناصر....! میں دکان کے کچھ سودے لکھ رہا ہوں، یہ ذرا جا کر مارکیٹ سے لے آئے۔“  
 انہوں نے دکان میں رکھنے والے آٹھوں کی فہرست چھاؤ کر اسے تھامی پھر گین کر پہیے بھی اسے  
 دے دیئے۔

ناصر نے خاموشی کے ساتھ ان سے دونوں چیزیں لے لیں۔  
 شفقت کو وہ آج کھویا کھویا اور پریشان سادھاڑی دیا تب انہوں نے بڑے پیارے پوچھا۔  
 ”مُتَّر ناصر....! کیا بات ہے، کچھ پریشان نظر آ رہے ہو؟“  
 ”نن.... نہیں ماموں....! ایسی تو کوئی بات نہیں،“ ناصر نے انہیں تالا ناچاہا۔  
 وہ جانے لگا تو ماموں نے اسے پھر پکارا، وہ رک گیا، شفقت بہت غور سے اس کے اترے  
 ہوئے اور خاموش خاموش چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ ان کی دنیا میں ناصر کے سوا کوئی نہ تھا، وہ بے  
 اولاد تھے، ان کی بیوی کا بھی چند سال پہلے انقلاب ہو گیا تھا جبکہ ناصر بھی سبقہ شفقت تھا، شفقت اب اسے ہی  
 اپنی اولاد کی طرح چاہتے تھے، یوں بھی وہ ان کا اپنا خون تھا، بھانج بھی اپنا ہی خون ہوتا ہے۔

”ناصر بیٹا....! تم مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو؟“  
 ”ماموں....! میں واپس آ کر آپ سے بات کروں گا، پہلے دکان کا سودا لے آؤں۔“ ناصر  
 نے کہا۔

شفقت نے آگے بڑھ کر اسے شانوں سے تھاما اور پھر اپنے سامنے موٹھے پر بخادریا پھر  
 خود بھی اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بڑی ملامت آمیزی سے بولے۔ ”دیکھو بیٹا....! تم میرے  
 بھانج بھی نہیں میری اولاد کی طرح بھی ہو، مجھے بتا داپنی پریشانی۔“

ناصر نے جس بات کا تھیہ کر رکھا تھا، اس نے سوچا کہ یہی وقت ہے وہ ان سے صاف  
 صاف کہہ ڈالے لہذا ڈرتے ڈرتے ہوئے بولا۔ ”ماموں....! آ..... آپ مجھے ماریں گے تو نہیں؟“  
 شفقت نہ کر بولے۔ ”ارے بیٹا....! میں نے آج تک تمہیں ڈائٹ کنک نہیں ہے اور پھر  
 تم نے ایسی کوئی غلط حرکت بھی نہیں کی کیونکہ اچھے بچھ ہو، بتاؤ کیا بات ہے؟“  
 ناصر کو اپنے ماموں کی بات سن کر کچھ حوصلہ ہوا لہذا بولا۔ ”ماموں....! وہ.... وہ.... میں ایک  
 لڑکی کو پسند کرتا ہوں۔“

ماموں اس کی بات پر نہیں کر بولے۔ ”ارے بیٹا....! تو اس میں اتنا گھبرا نے اور ڈرنے کی  
 کیا بات تھی، ویسے کیا تم نے اسے کہیں دکان میں آتے جاتے چھپئے تو نہیں دیا؟“

اور وہ بھی تیمور سے بولے۔ ”تم سب ایک ہی محلے میں رہتے ہیں اور یہ محلہ ہی نہیں بلکہ ایک خانہ انہی ہے ہم سب افراد.... ناصر چھا لڑکا ہے اور آپ کا بھی دیکھا بھالا ہے، آپ کا کیا جواب ہے؟“

ان دونوں کی باتیں سن کر تیمور چند ثانیے عجیب شش دنخ کاشکار ہو گئے پھر شفقت سے بولے۔ ”آپ کے بھانجے ناصر کی تعلیم کتنی ہے؟“

”تعلیم تو اس کی بس واجبی سی ہے مگر وہ انہائی محنتی اور شریف لڑکا ہے، میری تو ساری دکان ہی اسی نے سنجال رکھی ہے اور وہی میرا سہارا بھی ہے۔“

”مگر جناب....! میری بیٹی ٹلکفت نے انشکر لیا ہے اور وہ اب سائنس گرینجویٹ کے پہلے سال میں ہے، میں انکا رتو نہیں کر رہا لیکن چونکہ زندگیاں لڑکا لڑکا ہوتی نہ ہی گزارنی ہوتی ہیں، میں اس سلسلے میں پہلے اپنی بیٹی کا عندید یہ لینے کی کوشش کروں گا۔“ تیمور نے کہا۔

شفقت نے شش الدین کی طرف دیکھا تو وہ تیمور سے بولے۔ ”ٹھیک ہے تیمور صاحب....! آپ بے شک اپنی بیٹی کا عندید یہ ضرور لیں لیکن بہر حال فیصلہ آپ ہی کا آخری ہو گا۔“

”ہاں....! لیکن میں اپنی جوان اولاد پر دباؤ ڈالنے اور اپنی مرضی مسلط کرنے کا قائل نہیں ہوں۔“ تیمور نے ان کا اشارہ بھانپ کر نہایت سنجیدگی سے کہا۔

پھر اس کے بعد وہ دونوں وہاں سے رخصت ہو گئے۔ ان کے جانے کے بعد تیمور گھری سوچ میں مستغرق ہو گئے۔

یہ پھر لارشت تھا جس نے ان کے دروازے پر دستک دی تھی، اگرچہ یہ بات وہ بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ پورے محلے میں ان کی بیٹی سے متعلق یہ بات زبانِ زدِ عالم تھی کہ اس پر کسی خوفناک آسیب کا اثر ہے اور اس کی وجہ سے اس پر اکثر خطرناک قسم کے آئینی دورے پڑتے رہتے تھے اور اسی ہشریائی جنون میں آکر اس نے اپنی ماں کے پیٹ میں چھپری مار کر اسے ہلاک کر دیا۔

تھا اور اپنی بڑی بہن فائزہ کا چہرہ بھی بری طرح زخمی کر دیا تھا۔

ان واقعات کے بعد تو محلے کے لوگوں نے تیمور کو یہ مشورہ بھی دینا شروع کر دیا تھا کہ ٹلکفت کوئی الغور پا گل خانے میں داخل کروادیا چاہئے تھا یا پھر اسے کسی نیک عامل یا پیر بابا کو دکھانا چاہئے تھا۔ یہ وہ سب باتیں تھیں جن پر تیمور غور کر رہے تھے۔

انہوں نے ایک اور بات بھی محسوس کی تھی کہ جب ان کی بڑی بیٹی فائزہ اپنی چھوٹی بہن

چکے تھے، انہیں نئے سرے سے بنایا گیا۔

یوں چند دنوں میں ہی اندر ہیری کوٹھی رہائش کے قابل بنا دی گئی، اس دوران تیمور نے اپنی ذاتی رہائش گاہ کے لیے کرانے دار بھی ڈھونڈ لئے۔

اب صرف ٹھنڈنگ کا مرحلہ باقی رہ گیا تھا جو انگلے روز طے ہونا باقی تھا۔

یہ اسی شام کا ذکر تھا کہ شفقت پر وہی کے ایک جانے والے کے ہمراہ تیمور کے ہاں آئے۔ ایک ہی محلہ تھا، سارے دیکھے بھائے اور جانے پہچانے لوگ تھے، اس لئے ان کا پہر تاک استقبال کیا گیا۔

”آئیے آئیے شفقت صاحب....! آج آپ نے یہاں آنے کی زحمت کیے گوارا کر لی۔“ تیمور نے شفقت کے ساتھ معاافۃ اور مصالحت کے دروازہ کا کھلا۔

ان کی وسیع القلمی اور شرافت سے پورا محلہ آگاہ تھا۔

”بھی ایک ہی محلے میں رہتے ہیں آخراً یہ دوسرے کی خیر خیریت پوچھنے کا فرض بھی بتا ہے، آپ سنائیں کیسے ہیں آپ....؟“ شفقت نے ان سے مسکرا کر دوستانہ لبھ میں کہا۔ یہ سب ایک کرے میں بیٹھ گئے تھے۔

”کیا بتاوں جناب بس مصیبت نے ہمارا گھر دیکھ لیا ہے، ہم آج کل بہت پریشان ہیں۔“

تفیر نے اپنی پریشانی کا ذکر کرتے ہوئے افسرده لبھ میں کہا۔

”ہاں تیمور صاحب....!“ میں آپ کی پریشانیوں کا علم بھی ہے اور اندازہ بھی..... پہلے بھاپی کی دردناک موت کا سنا، پھر اب چند روز پہلے ہی آپ کے بیٹے ساجد کے نایبنا ہونے پر انہی کی دکھ ہوا، ہم تو دعا ہی کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ پر اپنا فضل فرمائے اور آپ لوگوں کی مصیبیں دور کرے۔“

”آمین....!“ ان کے ساتھ آئے ہوئے شش الدین نے زیر لب کہا۔

چند شانیے پھر ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں، اس کے بعد شفقت حسین ذرا کھنکھار کر آمد بر سر مطلب بیان کرتے ہوئے ان سے بولے۔

”یہ موقع تو ایسا نہیں ہے کہ ایسی بات کی جائے مگر ظاہر ہے بیٹوں کو آخراً یہ روز بیانہا ہی ہوتا ہے، میں دراصل آپ کی بیٹی ٹلکفت کے رشتے کے سلسلے میں آیا تھا، اپنے بھانجے ناصر کیلئے۔“

وہ اتنا کہہ کر خاموش ہوئے تو ان کے ساتھ آئے شش الدین نے لقمہ دینا ضروری سمجھا

یہ کام کرنے کے بعد تیمور نے ناہلی والے بابا سے ملاقات کرنا ضروری سمجھا اور وہ ایک روز ان کے پاس چاہئے۔

”یہم نے بہت اچھا کیا۔“ ناہلی والے بابا نے کہا۔ ”اب تم لوگوں کو اس شیطانی مخلوق سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں، وہ اب تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی مگر تم لوگوں کو اس کے شیطانی شبدوں سے مبتاطر رہنا ہو گا بالخصوص شفقتہ کو۔۔۔ اور ہاں اور پری منزل پر کون رہتا ہے؟“

وہ نقی میں سر ہلاتے ہوئے جواب دے لے۔ ”ابھی تک وہ حصہ بالکل خالی پڑا ہے، ویسے میں کوشش کر رہا ہوں کہ کوئی کراچے داریں جائے تو وہ حصہ بھی آباد ہو جائے۔“ ”ہمیں پورا یقین ہے کہ وہاں کوئی رہنے پر تیار نہ ہو گا۔“ ناہلی والے بابا نے گمیہر لجھ میں کہا۔

تیمور متذکر ہو کر بولے۔ ”تو پھر یہ مسئلہ کیسے حل ہو گا؟“

اس کی بات پر بابا نے برلا کہا۔ ”تمہیں اپنی بیٹی شفقتہ کی شادی کرنا ہو گی اور پھر وہ اپنے شوہر کے ساتھ اور پری منزل کو آباد کرے گی۔“ ”لیکن بابا....! ان حالات میں کون میری بیٹی سے شادی کرے گا؟“ تیمور نے افراد سے لجھ میں کہا۔

”اللہ تعالیٰ نے اس کا جو زاہید اکر رکھا ہو گا، تمہیں تلاش کرنا ہو گی۔“

”بابا....! حقیقت یہ ہے کہ جب سے میری بیٹی شفقتہ انہیں اسرار حالات کا شکار ہوئی ہے، لوگوں نے ہم سے ملنا جتنا تک چھوڑ رکھا ہے، انہیں ذرہ ہے کہ کہیں شفقتہ اپنی ماں اور بھائی کی طرح ہمیں نقصان نہ پہنچا دے اور اب جبکہ ہم سب اندھیری کوئی میں شفت ہوئے ہیں تو محلے کے رہنے والوں، دور پار کے رشتے داروں اور دستوں نے بھی ہم سے ملنا ترک کر دیا ہے، اب آپ ہی تباہیں ان حالات میں کون میری بیٹی شفقتہ سے شادی کرے گا اور وہ بھی گھر دادا بن کر اس آئیں کوئی میں رہا کس بھی اختیار کرے؟“

”اللہ کی ذات پر بھروسہ رکھو، وہ بڑا سبب الاصباب ہے، کوئی نہ کوئی ایسا حرم دل اور نیک لڑکا تمہیں مل جائے گا، اب تم جاؤ اور یہ دوسرا عمل کرو پھر نیمرے پاس آنا۔“ بابا نے اپنا کہہ کر استغراق کے عالم میں اپنی آنکھیں مونڈ لیں۔

تیمور کو ہمیشہ کی طرح ناہلی والے بابا کی بات سے نا ملم باز رکھا۔ کہا احمد، اس ہوا اور خاموشی

شفقتہ کی عمر کو پہنچنے پچھلی تھی تو اس کے دھڑا دھڑر شہ آنا شروع ہو گئے تھے جبکہ شفقتہ کے سلطے میں ابھی تک کوئی رشتہ نہیں آیا تھا حالانکہ وہ شادی کی عمر کو پہنچنے پچھلی تھی۔ یہی سبب تھا کہ جب شفقتہ باران کی بیٹی شفقتہ کا رشتہ اپنے بھائیجے ناصر کے لیے لینے آئے تو یہ جانے کے باوجود کہ ان کا بھائی ناصر ان کی بیٹی شفقتہ سے کم پڑھا اور ایک معمولی دکاندار تھا، وہ کچھ سوچنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

بہر طور جب اس سلطے میں انہوں نے اپنی بیٹی شفقتہ کو آگاہ کرتے ہوئے اس کا عنديہ لینا چاہا تو شفقتہ نے اس رشتے سے صاف انکار کر دیا۔

اگرچہ تیمور کو اس بات کی پوری توقع تھی کہ ان کی بیٹی شفقتہ اس رشتے سے صاف انکار کر دے گی لیکن موجودہ حالات کا انہوں نے جس دورانیشی اور باریک بینی سے جائزہ لیا تھا، وہ انہیں جھੁٹا بھی نہیں سکتے تھے چنانچہ انہوں نے شفقتہ کو واضح الفاظ میں سمجھا۔ کی کوشش کی۔

”دیکھو بیٹی....! میں تم پر اپنی مرضی مسلط کرنا نہیں چاہتا لیکن موجودہ حالات میں میرا خیال ہے کہ ناصر جی سے سیدھے سادے اور شریف لڑکے کا رشتہ تمہارے لئے برائیں۔“

شفقتہ نے سنجیدگی سے کہا۔ ”ابو....! میں آپ کی بات سمجھ رہی ہوں لیکن ابھی میں شادی کیسے کر سکتی ہوں، میری بڑھائی اور ہماری رہ جائے گی اور پھر اتنی جلدی کیا ہے؟“ تیمور، بیٹی کی بات سن کر خاموش ہو گئے۔

اس کے چند روز بعد تیمور اپنے دونوں بچوں ساجد اور شفقتہ کے ساتھ اندر ہیری کوئی میں شفت ہو پکھے تھے، اپنا مکان انہوں نے کراچے پر دے دیا تھا، اندر ہیری کوئی میں آکر انہوں نے اپنے کمرے بانٹ لئے تھے، ساجد بے چارہ ناپینا تھا اس لئے اس کا کمرا شفقتہ اور تیمور کے کمروں کے درمیان رکھا گیا تھا۔

کوئی کی اوپری منزل کو بھی قابلِ رہائش بنادیا گیا تھا مگر وہ حصہ خالی تھا اور ناہلی والے بابا کی نصیحت کے مطابق اسے بھی آباد کرنا تھا چنانچہ تیمور نے کراچے داروں کی تلاش شروع کر دی اور انہوں نے کوئی کے باہر اوپری منزل کی یہ ورنی طرف ایک بڑا سایہ روڈ بھی ”کراچے“ کے لیے خالی ہے۔ لکھ کر لگا دیا تھا۔

اندر ہیری کوئی کے جس کمرے میں اس آئیں بھی مخلوق کی شکستہ قبر تھی، وہ کوئی کے جزوی اور قدرے بعد تین گوشے میں تھا، اس کے دروازے کی مرمت کروانے کے اسے بند کر دیا گیا تھا اور ناہلی والے بابا نے اس کمرے میں جانے سے انہیں بختنی سے منع کر رکھا تھا۔

ناصر بے چین ہو گیا تھا۔ شُفقت اب اس کی دکان پر سو دا سلف لینے تو نہیں آتی تھی مگر وہ اب بھی اسے آتے جاتے دیکھا کرتا تھا اور یا اس زدہ آہیں بھر تارہ تھا، ایک روز اس سے رہا نہ گیا۔

ساجد چونکہ اس کا دوست رہ پکا تھا اس لئے اس سے مٹکے کے بھانے اندر ہیری کوٹھی جا پہنچا۔ درحقیقت وہ ساجد سے یہ پوچھنا چاہتا تھا کہ آخر کیا وجہ تھی وہ لوگ اپنا مکان چھوڑ کر یہاں آن بے تھے۔

کال بیل بجانے پر دروازہ شُفقت نے ہی کھولا تھا، اسے دیکھ کر ناصر کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہونے لگیں، شُفقت اسے اپنے گھر کے گیٹ پر دیکھ کر پہلے تو جو کم ہی گئی پھر ایک ناگواری نگاہ اس کے چہرے پر ڈالتے ہوئے تھی سے بولی۔ ”تم...؟ تم یہاں کیا لینے آئے ہو؟“ ناصر نے بہشکل اپنی کیفیات پر قابو پایا اور بولا۔ ”وہ... میں دراصل اس... ساجد سے ملنے آیا تھا۔“

شُفقت نے ناگواری سے کہا۔ ”اس وقت گھر پر انہیں ہیں۔“

”مل... لیکن... میں تو اپنے دوست ساجد سے ملا چاہتا ہوں۔“ ناصر نے بھی جرأت دکھائی اور اس کے چہرے پر اپنی نظریں جائے ہوئے بولا۔

شُفقت کے چہرے پر غصے کی تندہ رہی ابھری مگر کچھ سوچ کر اس نے اپنے طیش کو گھرے طریقے سے ہوتے ہوئے ناصر سے کہا۔ ”تمہیں معلوم نہیں کہ وہ ناپیٹا ہو چکا ہے....؟ کیا تم کسی موقع سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہو؟“

آج یہ پہلا موقع تھا کہ دونوں کے درمیان ذرا طویل ٹھنگو ہوئی تھی۔

ناصر کو شُفقت کی بات سن کر دکھ ہوا مگر وہ رنجیدہ لبھے میں بولا۔ ”افسوس ہے کہ آپ اپنے دل میں میرے لئے اس قدر بد گمانی رکھتی ہیں... میری کہجھ میں نہیں آتا کہ آخر آپ...!“

”مسٹر ناصر....!“ شُفقت نے تھی سے اس کی بات کاٹی۔ ”میرے پاس آپ کی تھیڈ سنتے کے لیے فضول و قوت نہیں ہے، ابوآ جائیں گے تو بھر آ کر اپنے ”دوست“ سے مل لیتا۔“ اس نے لفظ ”دوست“ کو قدرے استہزا سے انداز میں چبا کر کہا اور پھر گیٹ بند کر کے اندر چل گئی۔

ناصر کے دل پر ایک گھونسہ لگا، اسے شُفقت کے اس روئے پر ازدواقوں ہوا تھا پھر جب وہ اپنا دل مسوں کر دہاں سے لوٹنے کا تواریتے میں ہی سامنے سے تیمور کی کار آتے دیکھ کر دہ جانے کیوں رک گیا۔

کے ساتھ واپس لوٹ آئے، اب وہ سوچ رہے تھے کہ ناصر کے سوا ایسا لاکا انہیں اور کہیں نہیں مل سکتا جو ان حالات میں شُفقت سے نہ صرف شادی کا خواہ مند تھا بلکہ نیک نیتی کے ساتھ اس کی مدد بھی کرنا چاہتا تھا لیکن مشکل یہ تھی کہ ناصر جیسے کم پڑھے لکھنے کے سے شادی پر شُفقت بالکل تیار نہ تھی بہر طور تیمور نے اسے آخری بار سمجھانے کا ارادہ کیا اور گھر کی طرف چل دیئے۔

☆=====☆

شُفقت نے اپنے بھانجے ناصل کو بتا دیا تھا کہ تیمور نے شُفقت کے سلسلے میں انہیں کیا جواب دیا تھا۔

ناصر نے ماہیں ہو کر اپنے مامول سے کہا۔ ”مامول....! شُفقت شاید مجھ سے شادی پر رضا مند نہ ہوگی۔“

”ہاں.... اس کی تو مجھے بھی توقع ہے۔“ شُفقت پر خیال لجھ میں بولے۔ ”میرے دل کو تو اسی دن دھڑکا لگ گیا تھا جب تیمور صاحب نے ہم سے یہ کہا تھا کہ ان کی بیٹی تو خاصی پڑھی لکھی ہے اور اس کی تعلیم بھی ابھی جاری ہے جبکہ تمہارا بھانجنا صرمشکل سے مذل پاس ہے پھر شاید ہمارا دل رکھنے کی خاطر انہوں نے اپنی بیٹی کا عنديہ لینے کا کہہ کر ہمیں ناٹال دیا تھا۔“ وہ اتنا کہہ کر خاموش ہوئے مگر پھر دوسرے ہی لمحے ناصل کو تسلی دیتے ہوئے دوبارہ بولے۔ ”لیکن بیٹا....! تم فکر نہ کرو، شُفقت ان دونوں جن حالات کا شکار ہے، میں سختا ہوں اس سے کوئی بھی شادی پر رضا مند نہ ہو گا، تم خاطر جمع رکھو، میں کچھ روز بعد اپنے دوست شمس الدین کے ساتھ دوبارہ تیمور صاحب کے ہاں جاؤں گا، دیکھیں تو زرا وہ کیا جواب دیتے ہیں۔“

انہی دونوں جب محلے میں یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیلی کہ تیمور اپنے دونوں بچوں کے ساتھ اس آسمی کوٹھی (اندر ہیری کوٹھی) میں شُفت ہو گئے ہیں تو انہیں سخت تجہب ہوا، ان کے حلقے سے تیمور کی منطق نہیں اتر رہی تھی کہ آخر تیمور کو یہ کیا سوچی کر دے یہ جانے کے باوجود کہ وہ کوٹھی آسیب زدہ تھی، اچھا بھلا اپنا مکان چھوڑ کر ہاں شُفت ہو گئے تھے۔

محلے میں یہی چہ میگوئیاں ہوئے لگیں پھر جتنے منہ اتنی باتوں کے مصدق یہ انوایں بھی گردش کرنے لگیں کہ درحقیقت تیمور خود بھی سفلی علم کرتے ہوں گے، ورنہ انہیں کیا پڑی تھی کہ وہ جانتے بوجھتے یہ قدم اٹھاتے وغیرہ وغیرہ۔

ناصر نے کچھ لوگوں کو یہ کہتے بھی سنا تھا کہ تیمور صاحب کو کسی بزرگ نے یہ مشورہ دیا ہے۔

ہیں، تم آئندہ۔” ناصر کو تیمور کا لہجہ مل جیانے سامنے ہوا تھا، وہ خاموشی سے ان کے ساتھ چلتا ہوا اندر آگیا۔

ڈرائیکٹ روم خاصاً آرام دہ اور پہنچتی تھیں تھا۔

”بیٹھو بیٹا....! میں ابھی ساجد کو بھیجا ہوں۔“ وہ یہ کہہ کر ایک کمرے کی طرف بڑے۔ ناصر ایک صوفے پر بیٹھ گیا، اچانک تیمور جاتے جاتے رکے پھر پلت کر بولے۔ ”بیٹا....! تمہیں یہاں ڈر تو نہیں لگ رہا ہے؟“

ناصر مسکرا کر بولا۔ ”نہیں انکل....! بھلاڑنے کی کیا بات ہے؟“  
تیمور چلے گئے۔

تو ہوڑی دری گز ری تو ساجد نمودار ہوا مگر اس طرح کہ وہ اپنے دونوں ہاتھ ٹٹلنے کے سے انداز میں دھیرے دھیرے آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کی حالت دیکھ کر ناصر کو بڑا دکھ ہوا، وہ یک دم اپنی جگہ سے اٹھ کر ساجد کی طرف بڑھا۔

”ناصر....! تم.... اچھا ہوا آگئے، یار! میں گھر پڑا پڑا بہت بور ہو جاتا ہوں، آ جایا کرو  
تاں۔“ وہ ناصر سے ہاتھ مٹا کر بولا۔

اس اثنامیں تیمور بھی آگئے تھے، وہ بھی ناصر سے بولے۔ ”ہاں بیٹا....! آ جایا کرو، اس کا  
دل بہل جایا کرے گا۔“

ناصر، ساجد کو لئے صوف کی طرف بڑھا اور دونوں دوست بیٹھ کر ادھر ادھر کی باتیں  
کرنے لگے۔

تیمور دری بیٹھنے کے بعد اٹھتے ہوئے بولے۔ ”تم دونوں بیٹھ کر آرام سے باتیں کرو میں  
چائے بخواتا ہوں۔“

پھر جب وہ چلتے گئے تو ساجد نے سرگوشی میں اس سے پوچھا۔ ”کیا ابو چلے گئے؟“  
”ہاں....!“ ناصر نے بھی ہولے کہا۔

”یار ناصر....! مجھے اس پر اسرار عامل رنگاتی سے بڑا ڈر لگتا ہے تمہیں شاید معلوم نہیں کچھ  
روز پہلے ہی اس نے مجھے راستے میں پکڑا تھا اور چھڑا کر دھمکی دینے لگا تھا کہ اس عمل کو پورا کرو  
ورنہ جان سے مارڈا لوں گا۔“ ساجد نے دھیمی آواز میں ناصر کو بتایا۔  
”بے فکر رہو اب وہ تمہیں کبھی بھی جان سے مارنے کی حکایات نہیں دے گا۔“ وہ آہستگی

بدروج ۰ ۷۶  
تیمور کی بھی اس پر نگاہ پڑ چکی تھی، انہوں نے اس کے قریب لے جا کر کارروک دی تو ناصر  
نے ہرے احترام سے انہیں سلام کیا۔ وہ بڑی شفقت آمیزی سے سلام کا جواب دیتے ہوئے مسکرا  
کر بولے۔ ”کیا ساجد سے ملنے آئے تھے؟“ انہوں نے شاید دور سے ہی اسے کوئی کے گیٹ سے  
پلتے دیکھ لیا تھا۔

”مچ.... جی ہاں.... مگر....!“ ناصر کچھ کہتے کہتے رک گیا۔  
تیمور جیسے کچھ بھانپتے ہوئے کار سے ات آئے اور مسکرا کر بولے۔ ”تمہیں شاید شگفتہ نے  
اندر نہیں آنے دیا ہو گا؟“

ناصر کو ان کے روئے سے ذرا حوصلہ ملا تھا، لہذا اس نے اثبات میں اپنا سر ہلا دیا تو تیمور  
بڑی شفقت مسکراہٹ کے ساتھ اس کے کاندھے کو ہولے سے دبا کر بولے۔ ”بے دوقوف ہے وہ....  
آدمی مرے ساتھ بیٹھو گاڑی میں۔“ یہ کہہ کر وہ ڈرائیکٹ سیٹ پر جا بیٹھے۔

ناصر ان کے مہربان روئے پر حیران پریشان سا ان کی برابر والی سیٹ کا دروازہ کھول کر  
اندر بیٹھ گیا، کار آگے بڑھی پھر کوئی کے بیرونی گیٹ کے سامنے کھڑی ہو گئی، تیمور نے ہارن بھالیا  
گیٹ شگفتہ نے ہی کھولا۔

تیمور کا اندر لے آئے، شگفتہ نے اپنے باپ کے ساتھ ناصر کو بیٹھے دیکھا تو غصے سے سرخ  
ہو گئی مگر کچھ بولنی نہیں۔

تیمور اگریش سونچ آف کر کے نیچے ات آئے ساتھ ناصر بھی اتر آیا۔  
شگفتہ نے ناصر پر ایک لنفترت بھری نگاہ ڈالتے ہوئے باپ سے کہا۔ ”ابو....! آپ ہر  
ایرے غیرے کو اخaltaتے ہیں، کیوں لائے ہیں اسے یہاں؟“  
”نہیں بیٹی...! ببری بات، گھر آئے مہمان کے بارے میں ایسا نہیں کہتے۔“ تیمور نے  
ملائکت کے ساتھ اسے سر زنش کی۔

”ہم... مہمان...!“ وہ تصحیح آمیز لمحے میں یہ کہتی ہوئی اندر چل گئی۔  
ناصر نے اپنا سر جھکا کر تیمور سے کہا۔ ”انکل....! میں پھر آ جاؤں گا۔“ وہ یہ کہہ کر  
جانے لگا۔

تیمور نے اسے روک دیا۔ ”ٹھہر و....! اس کی بات کا برامت مانو بیٹا....! تمہیں معلوم  
پاری ان دونوں کیسی مصیبت کا شکار ہے، بلکہ اس کی وجہ سے تو ہم بھی پریشان

پھر تیور کے کہنے پر چائے بنا کر ایک کپ ناصر کی طرف ہڑھایا، ناصر نے ہولے سے  
”شکریہ“ کہ کر چائے کا کپ لیا۔  
ساجد نے اپنے باپ سے کہا۔ ”ابو....! آپ نے نادہ بدجنت عالیٰ رنگاتی مر گیا۔“  
”اچھا....! تمہیں کیسے پتہ چلا۔“ وہ قدرے چونک کر بولے تو اس نے ناصر سے سنی ہوئی  
ساری بات انہیں بتا دی۔  
”انکل....! آخر آپ لوگوں نے اس مصیبت سے چھکارا پانے کے لیے کچھ سوچا بھی ہے  
یا نہیں....؟“ ناصر نے تیور سے پوچھا۔

”ہاں بیٹا....! ہم ایک نیک بزرگ ناہلی والے بابا سے ملے تو ہیں اور انہوں نے ہی  
ہمیں یہ مشورہ دیا تھا کہ وہ آسمی مخلوق بہت خطرناک ہے، اسے ایک مرحلہ دار حکمت عملی کے تحت  
ہی ختم کرنا پڑے گا، اس کے لیے سب سے پہلے ناہلی والے بابا نے مجھے اس اندر ہیری کوٹھی میں  
رہا۔ اس اختیار کرنے کا مشورہ دیا ہے، دیکھیں اب آگے کیا کہتے ہیں؟ لیکن جب سے ہم یہاں  
آ کر آباد ہوئے ہیں، لوگوں نے ہم سے ملنا جانا بھی ترک کر دیا ہے، تم پہلے شخص ہو جو ہم سے ملنے  
آئے ہو۔“

”انکل....! آپ پریشان نہ ہوں، ان شاء اللہ آپ کی مصیبت ضرور دور ہو جائے گی اور  
اور میں بھی یہاں اپنے دوست ساجد سے ملنے کے لیے آتا رہوں گا۔“ ناصر نے تیور سے کہا  
اور غیر ارادی طور پر اس کی نظر جب ان کے قریب بیٹھی شفقت پر پڑی تو وہ اسے بڑی طنزی نظروں  
سے دیکھ رہی تھی۔

وہ ناصر سے پہلی بار مخاطب ہو کر بولی۔ ”نہیں....! ہمیں تمہاری مدد کی ضرورت نہیں ہے، تم  
جا کر اپنی دکان سنجالو۔“

ناصر خفیف سا ہو گیا پھر جیسے اس کی بات کا بر امناۓ بغیر کھڑے ہو کر تیور سے بولا۔ ”اچھا  
انکل....! اب میں چلتا ہوں۔“

”بیٹی....! بڑی بات ہے تمہیں ناصر سے ایسا سلوک زیب نہیں دیتا۔“  
ناصر کے جانے کے بعد تیور نے شفقت کوٹھکتے ہوئے کہا۔  
”ابو....! میں ناصر جیسے چھپوئے لڑکوں سے اچھی طرح واقف ہوں، یہ دوسروں کی  
کمزوریوں سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں، اگر کوئی ہم سے نہیں ملتا تو بے شک نہ ملے،  
میر پر کھدو۔“

بدروغ ۷۸  
سے بولا۔

”ساجد اس کی بات پر چونک کر بولا۔“ کیا مطلب....؟“  
”اس نے کہ وہ اب اس دنیا میں نہیں رہا۔“ ناصر نے بتایا۔  
اس کی بات سن کر ساجد بری طرح چونکا۔ ”لگ....کیا....وہ مر گیا؟“  
”ہاں....!“  
”مگر کیسے....؟“

اس کے پوچھنے پر ناصر نے اسے محقرہ بتایا۔  
”چلو اچھا ہوا ہماری جان چھوٹ گئی ورنہ ابو نے اسے پولیس کے حوالے کرنے کا ارادہ کر  
لیا تھا۔“ ساجد نے کہا۔  
”مگر ناصر کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔“  
”تم چپ کیوں ہو گئے ناصر....؟“ اس کی خاموشی پر ساجد نے پوچھا۔  
”یار....! میں سوچ رہا تھا کہ اب کیا کریں کیونکہ مجھے تو اس سے پوری امید تھی کہ وہ ضرور  
ایک نہ ایک دن تم لوگوں کو اس مصیبت سے نجات دلادے گا۔“  
”نہیں یار....! وہ کم بخت کسی اور ہی چکر میں تھا۔“ ساجد بولا۔ ”مجھے لگتا تھا کہ وہ  
ہمارے ذریعے اس بدروغ کو قابو میں کرنا چاہتا تھا تاکہ اسے اپنے منفی اور سفلی مقاصد کے لیے  
استعمال کرے۔“

”لیکن ساجد....! اب کیا ہو گا؟ تمہاری بہن کے سر سے یہ مصیبت کس طرح ٹالے گی، مجھے  
تمہارے حالات پر بہت افسوس ہوتا ہے۔“ ناصر نے ہمدردانہ لمحے میں کہا۔  
”ہاں یار....! واقعی ہم اس بدروغ کی وجہ سے بہت نگ آپکے ہیں، اس نے تو ہمارا جینا  
مال کر رکھا ہے، پہلے فائزہ باتی کو شفقت کے ہاتھوں زخمی کروا یا، پھر امی جان کو مردا یا اور.... اور....  
اس کے بعد.... مم....! مجھے بھی انداھا کر ڈالا۔“ یہ کہتے ہوئے ساجد کی آواز بھر آئی۔ ناصر دوستانہ  
انداز میں اس کے کاندھے کے گرد اپنا ایک بازو حائل کرتے ہوئے اسے تسلیاں دینے لگا۔  
اس اشام میں تیور بھی کپڑے وغیرہ بدل کر وہاں آگئے اور ان کے عقب میں شفقت بھی  
نمودار ہو گئی، اس کے ہاتھوں میں چائے کی ٹرے تھی جو اس نے خاموشی کے ساتھ درمیان میں رکھی  
میر پر کھدو۔“

ہمیں کسی کی ہمدردی کی ضرورت نہیں۔“ٹکفت سے نہ رہا گیا تھا اور بالآخر اس نے اپنے دل کا غبار نکال دیا۔

تیمور نے قدرے سنجیدہ لبجھ میں ٹکفت سے پوچھا۔ ”ناصر نے تم سے بھلاکس قسم کا چھپھور پن کیا ہے؟ میں ہی نہیں اسے سارا محلہ جانتا ہے وہ ایک شریف اور محنتی لڑکا ہے۔“  
”مگر ابو ہمیں کسی کی ہمدردی کی ضرورت نہیں ہے۔“ وہ بولی۔

تیمور کے دل و دماغ میں ہنوز ناہلی والے بابا کی نصیحت گونج رہی تھی لہذا وہ اس سے بولے۔ ”بیٹی.....! ہم لوگ اس وقت جن نازک حالات سے دوچار ہیں، ہمیں بعض کڑے فیصلے کرنا ہوں گے۔“ یہ کہہ کر انہوں نے ناہلی والے بابا کی نصیحت کے بارے میں اسے صاف صاف بتادیا کہ اس پر اسرار آتی مصیبتوں سے چھکارہ پانے کے لیے انہیں مرحلہ واران کے کہنے پر حرف بہ حرف عمل کرنا ہو گا اور کوئی ایسا گھرداماد ڈھونڈنا پڑے گا جو اس سے شادی کے بعد کوئی کی اوپری منزل کو آباد کرے۔

”تو ٹھیک ہے ابو....! کیا پھر ایک ناصر ہی رہ گیا ہے گھر داما دبنانے کیلئے....؟“ ٹکفت نے باپ کی ساری بات سننے کے بعد کسی قدر تکمیل سے کہا۔

”تو پھر اور کون شادی کرے گا ان حالات میں تم سے؟“ تیمور کو بھی بیٹی کی فضول صند پر غصہ آگیا مگر پھر بیٹی کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر انہوں نے خود پر قابو پایا اور بڑے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا۔ ”سوری بیٹا....! میں نے پریشانی میں تمہیں ڈاٹ دیا۔“

”کوئی بات نہیں ابو....!“ ٹکفت دوپٹے کے پلو سے اپنے آنسو پوپنچھتے ہوئے دھیرے سے بولی۔

”دیکھو بیٹی....! ہمیں حالات کے مطابق چلننا ہو گا اور پھر ناصر میں کیا برائی ہے فقط یہ کہ وہ تم سے کم پڑھا لکھا ہے مگر یہ کوئی اتنا بڑا عیب نہیں پھر تم اپنے حالات بھی دیکھو، ناصر کے دل میں ہماری مدد کرنے کا ایک جذبہ ہے، وہ نیک اور شریف لڑکا ہے اور محنتی بھی، پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ تم سب سے بہت محبت کرتا ہے، میرا دل کہتا ہے کہ تمہاری اس کے ساتھ اچھی زندگی گزرے گی، پلیز بیٹی! ہاں کر دو، ایسا نہ ہو کہ وقت گز رجائے۔“

ٹکفت سے اپنے باپ کی یہ حالت دیکھی نہ گئی۔ وہ ساری بات سمجھ رہی تھی اور اس وقت کو بھی کوئی رہی تھی جب اس منہوں آسیب نے ان کے گھر ڈریا ذال دیا تھا اور پھر آہستہ حالات

اس قد رخندوش ہوتے چلے گئے کہ وہ خود مجرم بن کر رہ گئی۔  
اب نوبت یا آگئی تھی کہ اسے ناصر سے شادی پر آمادہ ہونا پڑ رہا تھا۔ ٹکفت نے اسے اپنا نصیب جان کر بالآخر اقرار میں اپنا سر جھکا دیا۔

☆=====☆=====☆

ٹکفت کے اقرار کرنے کی دیر تھی کہ تیمور نے ناصر کے ماموں شفقت کے دوست شمس الدین سے ملاقات کر کے انہیں اشارہ دے دیا۔  
پھر کیا دیر تھی، چٹ میکنی پٹ بیاہ والی بات تھی۔  
ناصر اور ٹکفت کی شادی کر دی گئی لیکن بات کپی ہونے سے پہلے تیمور نے ناصر کو ہی نہیں بلکہ اس کے ماموں شفقت کو ساری باتوں سے آگاہ کرتے ہوئے اپنی مجبوری کے بارے میں بتا دیا تھا کہ شادی کے بعد ناصرا اور ٹکفت اس کوئی میں ہی رہیں گے، اس آسیب سے چھکارا پانے کے بعد دونوں کی مرضی ہو گئی کہ وہ کہیں بھی رہیں۔ شفقت اور ناصرا کو کوئی اعتراض نہ ہوا یوں یہ دوسری مرحلہ بھی خوش اسلوبی کے ساتھ طے پا گیا۔

ناصر، اپنی محبت کو پا کر خوشی سے نہال ہو گیا تھا، اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ اس کی شادی ٹکفت سے ہو گئی تھی۔ اس شادی میں بہت تھوڑے لوگوں نے شرکت کی تھی۔

دونوں کا کمر اکٹھی کی اوپری منزل میں سجادا گیا تھا، رات بارہ بجے کا وقت تھا اور ٹکفت نہیں نبھے جا رہے تھے جیسے اس کے ارمانوں کا خون کر دیا گیا ہو، وہ اپنے نصیب پر روری تھی، ناصر بھی کمرے میں نہیں آیا تھا مگر ٹکفت وہ واحد نبیاہتا لہن تھی جس کے دل میں اپنے مجازی خدا کے انتظار کی ذرا بھی بے چینی نہ تھی، اب کیا ہو سکتا تھا، وہ اس کی لہن بن چکی تھی، ناصرا اس کا شوہر تھا اور وہ اس کی بیوی....! اسے اب بہر صورت یہ رشتہ نباہنا تھا۔

وہ سر جھکائے آب دیدہ چہرے کے ساتھ گھری بنی بیٹھی تھی کہ معا دروازے پر آہٹ ہوئی۔ وہ بکھر گئی کہ اس کا دلہا یعنی ناصر اندر داخل ہوا ہے۔ نبیاہتا لہن کے فطری احساس تھے مارے شرم کے اس کا دل بے طرح دھڑکنے لگا، پھر قدموں کی چاپ ابھری، کوئی دھیرے دھیرے چلتا ہوا بیدی کی طرف بڑھ رہا تھا، اس کے بعد بیدی پر اس کی کھنڈ کر بیٹھنے کا احساس ہوا پھر ایک ہاتھ نے دھیرے سے اس کا زر کار گھونگھٹ ہٹایا اور اس کی ٹھوڑی پر ہاتھ لگا کہ چہرہ اوپر کیا۔

اڑنے لگ، گھبراہت اور پریشانی کے باعث اور کچھ ناصر کے بے سده وزن نے سیڑھیاں اڑتے ہوئے ان کے قدم لڑکھڑا دیئے میتھجہ ان کے پاؤں لڑکھڑا گئے اور پھر وہ اپنا توازن قائم نہ رکھ سکے اور سیڑھوں سے فٹ بال کی طرح گرتے لڑکتے قلابازیاں کھاتے ہوئے ناصر سمیت نیچے آ رہے۔

پھر چلی منزل کے فرش پر گرتے ہی ان کا سر کسی بخوبی شے سے ٹکرایا اور ان کا ذہن تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔

اب ایک طرف ناصر بولہاں اور بے ہوش پڑا تھا جبکہ دوسری طرف تیمور شدید زخمی بے سده پڑے تھے۔ ادھر پچھے جیران پریشان کھڑے ساجدنے لگی سیڑھوں سے کسی کو گرتے ہوئے بخوبی کر لیا تھا، وہ بے چارہ پریشان اور ہر اسال ہو گیا، وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے فضا کو ٹوٹا ہوا آگے بڑھا تو سب سے پہلے ناصر کے زمین بوس جسم سے ٹکرائے کر گرا تو سیدھا اپنے باپ پر آن پڑا۔ وہ انداھا ہونے کی وجہ سے یہ نہیں دیکھ پا رہا تھا کہ فرش پر پڑے یہ دبے سده وجود کس کے تھتا ہم اسے کچھ کچھ اندازہ ہو رہا تھا، اس نے ہندیانی انداز میں اپنی بہن کو آوازیں دینا شروع کر دیں۔

”شگفتہ...! شگفتہ...!“

اوپری منزل کے کمرے میں آنسو بھاتی ہوئی الہ نصیب شگفتہ نے جوابنے ناپینا بھائی کی ہر اس جیخیں نہیں تو وہ ٹھکلی، پھر حواس بانٹگی کے عالم میں کمرے سے نکل کر سیڑھوں تک آئی۔

جب اس نے ایک طرف اپنے شوہر ناصر اور دوسری طرف اپنے باپ تیمور کو بے سده اور زخمی پڑے پا یا تو حلق کے بل زور سے چلاتی ہوئی دو دو تین تین سیڑھیاں پھلانگتی نیچے اتری۔

”مشش... شگفتہ...! بہن گک... کیا ہوا... کیا ہوا... ابو کو...؟“ ساجدنے اپنی بہن کے چینخے اور روئے کی آوازیں نہیں تو گھبرا کر بولا۔ مگر شگفتہ اپنے ابو کو سنبھالنے کی کوشش میں بدستور روئے چلی جا رہی تھی۔

اس نے دیکھا اس کے ابو کی کپٹی سے مسلسل خون بہئے جا رہا تھا، وہ دہری پریشانیوں کے مارے ادھ موئی ہوئی جا رہی تھی۔

”شگفتہ...! آخر ہوا کیا ہے ابو کو...؟ تم بتاتی کیوں نہیں ہو؟“ ساجدنے روہانے لمحہ میں چلا کر کہا۔

ایسے موقعوں پر کسی بھی نویساہتا دہن کا دل مسروت و شادمانی سے لمبڑا ہوتا ہے لیکن شگفتہ کا دل نفرت کے شعلوں سے سلگ اٹھا، وہ یہ سمجھ رہی تھی کہ ناصر نے ان کی کمزوری سے خوب فائدہ اٹھایا ہے لہذا اس نے مسکراتا تو درکنار ایک عام نگاہ بھی اس پر نہیں ڈالی۔

لیکن پھر دوسرے لمحے اس نے سوچا کہ ناصر کو وہ بھی خوش نہیں رہنے دے گی، وہ اس کی جھکی ہوئی نگاہوں کوئی نولی دہن کی شرم سے تعبیر کرے لہذا اس نے یک دم آنکھیں کھول دیں۔

ان آنکھوں میں ناصر کے لیے نفرت کے شعلوں کے سوا کچھ نہ تھا مگر دوسرے ہی لمحے جیسے شگفتہ کی سانسیں سینے میں اکلنے لگیں، اس کے سامنے ناصر کا چہرہ نہیں تھا بلکہ وہ تو ایک مکروہ چہرہ تھا، وہ گھنٹا نا اور آسمی مخلوق کا بھیاںک چہرہ۔

اس نے ایک زوردار چیخ ماری اور ناصر کو پرے ڈکھل دیا، ناصر کے روپ میں وہ بھیاںک آسمی چہرہ اس کی طرف اپنی بغیر پوٹوں والی آنکھوں سے گھور مسکرا رہا تھا۔

شگفتہ اپنا صل دشمن اسے ہی صحیح تھی جس کی وجہ سے اسے آج یہ دن دیکھنے پڑ رہے تھے۔ بار بار ایک ہی طرح پر اسرار حالات سے گزرنے کے بعد انسان فطری طور پر عادی ہو جاتا ہے اور شگفتہ کا دل پہلے ہی نفرت کے احساس تلے بھرا ہوا تھا۔

بھی سب تھا کہ اب اس کے اندر خوف سے زیادہ اس نفرت انگیزی نے لے لی تھی، چنانچہ جیسے ہی وہ بھیاںک چہرہ ناصر کے روپ میں اس کی طرف اپنے کٹھے ہوئے ہونوں سے لبے لبے دانتوں کی نماش کرتا ہوا اسے دبوچنے کے لیے لپکا، شگفتہ نے کمال ہمت اور پھر تی سے بید سائید ٹیبل پر دھرے دو دھرے نصف بھرا شستہ کا بھاری جگ اٹھا لیا اور آؤ دیکھانہ تا ڈاپنی طرف بڑھتے ہوئے اس بھیاںک چہرے کے سر پر مار دیا۔

کرنے میں ایک تیز اور کرب ناک چیخ ابھری مگر یہ چیخ غیر انسانی مخلوق کی نہیں بلکہ اس کے دلہانہ ناصر کی تھی۔

وہ بے چارہ اپنا بولہاں سر تھامے فرش پر بے سده ہو کر لڑھک گیا۔

شگفتہ بھی اس صورت حال پر بری طرح متوضہ ہو گئی اور پھر ہندیانی انداز میں چینخے چلانے لگی۔

تیمور دوڑے دوڑے کمرے میں پہنچنے تو ناصر کو بولہاں فرش پر گرے پایا، وہ گھبرا گئے۔ پھر آنما فانما انہوں نے اسے اپنے کاندھے پر اٹھایا اور بھاگ بھاگ سیڑھوں سے نیچے

بلا آخروہ گرتی پڑتی شفقت کے مکان پر پہنچی اور اس کا دروازہ دھڑکنا شروع کر دیا،  
زاریں بعد شفقت آنکھیں ملتی ہوں اپنے اور وہ ازہ کھوان کر دیکھا تو بھوپنگ کارہ گیا۔

سامنے اس کی نوبیا ہتا بھو عروتی جوڑے میں بڑے ہی برے حال میں ہیکے ہوئے چڑے  
کے ساتھ کھڑی تھی۔

شفقت نے جلدی جلدی ساری بات بتائی۔ تب اس نے اپنے قریبی دوست شمس الدین  
کے گھر کا دروازہ لٹکھا تیا پھر دونوں دوست، شفقت کے ساتھ دوڑے دوڑے اندھیری کوٹھی پنچے۔  
شفقت نے اپنے اکتوتے بھاجنے ناصر کو اس حال میں دیکھا تو اس کے اوسان خطا  
ہو گئے۔

ان دونوں دوستوں نے کسی نہ کسی طرح ناصر اور تیمور کو ایک قریبی پرائیویٹ اسپتال  
پہنچایا، شفقت اور ساجد بھی ان کے ساتھ تھے۔

ناصر اور تیمور کو فوراً یہر جنسی آپریشن تھیز منقل کر دیا گیا۔

شفقت اور ساجد کو ریڈور میں ایک بیٹھ پر بیٹھے اپنے باپ کی زندگی نجع جانے کی دعا میں کر  
رہے تھے اور وہ سری طرف شفقت اپنے بھاجنے ناصر کے لیے دعا میں کر رہا تھا، اس کا دوست شمس  
الدین بار بار اس کا کاندھا تھپٹھا کر کے تسلیاں دیئے جا رہا تھا۔

”یارش.....! میرا ایک ہی بھاجا ہے، تو دعا کریا راسو ہنارب اسے حیاتی دے۔“ شفقت  
گلوگیر لبجھ میں اپنے دوست شمس الدین سے بولا۔

”حوصلہ کریا ر.....! اللہ ضرور ناصر بیٹے کو زندگی دے گا۔“ شمس الدین نے اس سے ازراہ  
تفصیل کہا۔

پھر ایک ناگواری نظر اس نے سامنے درافت میں پر بیٹھے ان دونوں بہن، بھائیوں شفقت اور  
ساجد پر ڈالی اور اپنے دوست سے بولا۔ ”اوے شفقت....! میں نے تجھے سمجھا بھی تھا کہ اس  
منہوں لڑکی سے اپنے بھاجنے کا بیاہ نہ کر، اس پر آسیب ہے، پر ٹوپیں مانا۔“

”ہاں یا ر.....! میں نے تیری بات نہ مان کر بہت بڑی غلطی کی ہے۔“ شفقت اپنے  
آن سوؤں کو پوچھتے ہوئے گلوگیر لبجھ میں بولا۔ ”پر یا ر.....! ناصر مانتا ہی نہیں تھا، اس پر عشق کا  
بھوت سوار تھا۔“

”میری مان اب بھی وقت ہے، اپنے بھاجنے سے اس منہوں لڑکی کو طلاق دلوادے ورنہ  
عوامل نے شفقت کو تاریک اور ویران سڑک پر دوڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔“

شفقت نے لرزیدہ لبجھ میں اسے بتایا۔ ”س..... ساجد.....! ابو یثیر ہیوں سے گر کر بری  
طرح زخمی ہو گئے ہیں.... میرے خدا، اب کیا کریں، میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔“ یہ کہہ کر وہ  
پھوٹ پھوٹ کر رودی۔

اب تو ساجد کے بھی ہوش اڑ گئے۔ شفقت نے اسے منظر بتا دیا تھا کہ کس طرح اس کے ابو  
بے ہوش ناصر کو اسپتال پہنچانے کے لیے اسے کاندھوں پر اٹھائے تھے میںھیں اترتے ہوئے گرے  
تھے، ساجد شدید بے بی محسوں کرنے لگا، اسے آج اپنی ”محبوبی“ کا بری طرح احساس ہو رہا تھا  
اور وہ کچھ نہیں کر پا رہا تھا۔

”بھائی.....! ہمیں کچھ کرنا ہوگا، ابو کا خون بہت تیزی سے بہہ رہا ہے۔“ شفقت نے گلوگیر  
لبجھ میں کہا۔

ساجد بولا۔ ”بہن.....! ایسا کرتے ہیں کہ باہر نکل کر حیچ دپکار کرتے ہیں مجھے یقین ہے کہ  
لوگ ہماری مدد کو آ جائیں گے۔“

پھر دونوں بہن، بھائی یا ارادہ کر کے کوٹھی سے باہر اندر ہیری سڑک پر آ گئے۔  
انہوں نے مدد کے لیے چنخا شروع کر دیا لیکن کوئی بھی ان کی مدد کے لیے نہ آیا، چند لوگ  
اکٹھے تو ہوئے مگر جب شفقت نے انہیں پریشانی کی اصل وجہ بتا دی تو وہ بھی کتر اکر کھک لئے۔  
اب تو یہ دونوں اور بھی پریشان ہو گئے۔

”بھائی.....! اب کیا ہوگا، کوئی ہماری مدد نہیں کر رہا... ابو بہت زخمی ہیں۔“ شفقت نے  
رندھے ہوئے لبجھ میں ساجد سے کہا۔

وہ بے چارہ ناپینا کیا کرتا، وہ خود دوسروں کاحتاج ہو کر رہ گیا تھا، مگر اس کے ذہن میں فوراً  
ایک خیال آیا اور وہ بولا۔ ”شفقت بہن.....! ہمیں فوراً ناصر بھائی کے ماموں شفقت کے گھر کا رخ  
کرنا چاہئے، وہ ضرور ہماری مدد کریں گے، ان کا گھر بھی زیادہ دور نہیں ہے۔“

شفقت کو بھائی کی بات معقول لگی۔

”لیکن بھائی.....! تم ادھر ہی رہو، میں دوڑ کر جاتی ہوں۔“ شفقت نے کہا اور پھر بھائی کے  
جواب دینے سے پہلے ہی وہ شفقت کے گھر کی طرف دوڑ پڑی جواب اس کا سرال تھا۔  
نصف سے زائد رات کا وقت، تاریکی اور حشت کا عالم.... اس پر مسترد ایہ مصیبت.... ان  
عوامل نے شفقت کو تاریک اور ویران سڑک پر دوڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔

”مگر وہ ہے کہاں.... ماموں.... مجھے لے چلو اس کے پاس۔“ ناصر بے قرار ہو گیا۔  
اس اشناع میں دو عوروں پولیس والے اندر داخل ہوتے، ان میں ایک ورثی کے اعتبار سے  
سب انسپکٹر نظر آتا تھا۔

شفقت نے اپنے دوست شمس الدین کے مشورے پر ناصر سے کہا۔ ”بیٹے.... اپلے پولیس  
کو اپنایاں لکھوادے پھر گھر چلتے ہیں، شفقت بھی وہیں ہے۔“ پھر وہ سب انسپکٹر سے بولا۔ ”انسپکٹر  
صاحب....! آپ بیان لے لیں۔“

”ہاں بھی کیا ہوا تھا تمہارے ساتھ....؟“ سب انسپکٹر نے سمجھدے لجھے میں ناصر کی طرف  
دیکھ کر پوچھا تو ناصر ذرا تذبذب کا شکار ہو گیا۔ وہ کیسے بتاتا کہ اس کی بیوی شفقت نے اسے اس حال  
تک پہنچایا تھا۔

اڑھر اپنے بھائی کو متذبذب پا کر شفقت نے بڑی چالاکی کے ساتھ اپنے بھائی ناصر  
سے کہا۔ ”انسپکٹر صاحب کو صاف تباہے کیونکہ یہ بات چھپ نہیں سکتی، اس طرح ہم مزید  
مصیبت میں نہ پڑ جائیں.... شفقت بیٹی کا کیا قصور....؟ یہ تو اس آسیب کی کارستانی ہے۔“  
سادہ لوح ناصر اپنے ماموں کی باتوں میں آگیا اور اس نے سب انسپکٹر کو ساری بات تجھ  
بتا دی کہ کس طرح اچاہک اس کی بیوی شفقت نے اسے زخمی کر دیا تھا۔

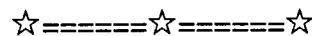
”لیکن انسپکٹر صاحب....! اس میں میری بیوی کا کوئی قصور نہیں ہے، وہ بے چاری کی  
آسیب کا شکار ہے۔“ ساری بات بتانے کے بعد ناصر نے شفقت کا دفاع کرنا چاہا۔  
سب انسپکٹر جس کا نام بشیر علی تھا، طنزیہ لجھے میں بولا۔ ”ناصر....! تمہاری بیوی پر کوئی  
آسیب و اسیب نہیں ہے، وہ پاگل ہے، اسے اگر بہت پہلے تیمور صاحب پاگل خانے میں داخل  
کروادیتے تو وہ اس کی بات مرتی، نہ اس کا بھائی ساجد انداھا ہوتا اور نہ ہی خود تیمور صاحب  
ہلاک ہوتے۔“

”اگر.... کیا....؟ انکل....؟ کیا ہوانہیں....؟“ ناصر لیکھت ہر اس لمحے میں بولا۔  
شفقت اور شمس الدین نے پہلے ہی سب انسپکٹر بشیر علی کو ساری پٹی پڑھا دی تھی اس لئے وہ  
کوئی جواب دیئے بغیر ناصر کا بیان لینے کے بعد چلا گیا۔  
بعد میں ناصر کو پتہ چلا کہ تیمور کا انتقال کیسے ہوا تھا۔  
اوھر شفقت کو اس بات کا اچھی طرح اندازہ ہو چکا تھا کہ اس کا بھانجا ناصر، شفقت کو کسی

جس طرح اس نے اپنے گھر والوں کو بھی کہیں رکھا ہے، ایک دن یہ تجھے اور تیرے  
بھائی بھی کو بھی اپاٹ جائے گی۔“ شمس الدین کے بے رحم اور سفاک تھمرے پر شفقت بری  
طرح کا نپ گیا۔

خاصی دیر بعد آپریشن تھیڑ سے ڈاکٹر برآمد ہوا اور اس نے یہ اندوہ تاک خبر دی کہ تیمور خون  
زیادہ بہنے کی وجہ سے انتقال کر گئے ہیں، جبکہ ناصر کی حالت خطرے سے باہر ہے۔  
شفقت اور ساجد کو ہیسے سکتے ہو گیا۔

پھر جب ایک اسٹریچر پر تیمور کی لاش باہر کو ریڈور میں لاٹی گئی تو دونوں بھائی، بھائی باپ کی  
لاش سے چٹ کر دھڑائیں مارے رونے لگے۔



ناصر کی پیشانی میں پورے بارہ نائکے لگے تھے، اسے وارڈ میں منتقل کیا جا چکا تھا، اسے  
جب ہوش آیا تو اس نے اپنے قریب ماموں اور ان کے دوست شمس الدین کو بیٹھے پایا۔ بھائی کو  
ہوش میں آتا دیکھ کر شفقت اس پر جھک گیا اور ازرا و محبت اس سے دعا سیئے انداز میں بولا۔ ”اللہ کا  
شکر ہے بیٹے تجھے ہوش آگیا۔“

ناصر نے جب اپنی نبی نویلی دہن شفقت کو وہاں نہ پایا تو بے چین ہو گیا، اسے اب رفتہ رفتہ  
یاد آنے لگا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا، وہ اس بات پر مستحب اور پریشان ہو رہا تھا کہ آخر شفقت  
نے اسے دیکھ کر مارے دہشت کے چیخ کیوں ماری تھی اور پھر یہ دم اس پر شیشے کا جگ دے مارا  
تھا، وہ اس سے ناراض نہ تھا، سمجھ گیا تھا کہ یہ سارا چکر اس آسیب کا تھا جس نے اس کی بیوی شفقت کو  
ہی نہیں بلکہ اس کے پورے گھر والوں کا جینا دو بھر کر کھا تھا۔

ہوش میں آتے ہی اسے اپنی پیشانی پر درد کی نیسمیں سے اٹھتی محسوس ہوئیں جس پر بینڈ بج  
بندھی ہوئی تھی تاہم اس نے اپنے زخم کی نیسمیں کی پروادہ کئے بغیر اپنے ماموں سے بڑی بے قراری  
کے ساتھ اپنی بیوی شفقت کے بارے میں استفسار کیا۔

”ماموں....! اشش.... شفقت کہاں ہے....؟ وہ ٹھیک تو ہے ناں؟“  
اسے کیا معلوم تھا کہ اس بے چاری کے ساتھ کیسی قیمت گز رچکی تھی۔  
شفقت نے قدرے ناگواری سے کہا۔ ”شکر کرتیری جان فی گئی ورنہ تو اس منہوس نے تجھے  
مارہی ڈالا تھا۔“

ماں کو قتل کیا اور اب میرے بھائی کو بھی قتل کرنے لگی تھی۔“  
تینگزی کو اس کی بات پر سخت طیش آگیا اور وہ غصیل نظرؤں سے شفقت کو گھوڑتے ہوئے  
بولی۔ ”شفقت صاحب....! آپ فرمایہاں سے نکل جائیں۔“  
”ٹھیک ہے، میں دیکھ لوں گا تم دونوں کو۔“ شفقت کو بھی غصہ آگیا اور وہ حمکی دینے  
والے انداز میں اٹھ کر چلا آیا۔

گھر پہنچا تو ناصر نے سب سے پہلے اپنے ماموں سے اپنی بیوی شفقت کے بارے میں  
پوچھا۔ ”ماموں....! شفقت کہاں ہے؟ وہ نہیں آئی ابھی تک....؟“  
”وہاب کبھی نہیں آئے گی، تم اسے اب بھول جاؤ۔“ شفقت نے سرد لبجھ میں کہا۔  
ناصر کو اس کی بات پر یقین نہیں آیا۔ وہ یک دم پر یہاں ہو کر بولا۔ ”ماموں....! یہ آپ کیا  
کہہ رہے ہیں، شفقت میری بیوی ہے، وہ مجھے چھوڑنہیں سکتی، میں خود جا کر اسے لاوں گا۔“  
وہ بستر سے اٹھنے کا تو شفقت نے اسے منع کرتے ہوئے سفید جھوٹ بولا۔ ”میری بات  
سنو پہلے، میں اسے لینے گیا تھا اس نے یہاں آنے سے انکار کر دیا۔“  
”نہیں....! وہ انکار نہیں کر سکتی، اس نے مجھ سے شادی کی ہے، میں اس سے محبت کرتا  
ہوں۔“ ناصر وہاں ہو گیا۔

شفقت جانتا تھا کہ شفقت نے اپنے مرحوم باپ تیمور کے دباؤ میں آکر ناصر سے شادی کی  
تھی لیکن وہ اس بات پر یہاں تھا کہ اس کا کماڈ پوت بھانجا جو اس کے بڑھاپے کا واحد سہارا تھا،  
وہ کسی صورت بھی شفقت کا خیال اپنے دل سے نہیں نکال سکتا لہذا اس نے بڑی مکاری سے کہا۔  
”ناصر....! ٹو ابھی آرام کرتیرے سر کے نائے کھل نہ جائیں، میں دوبارہ اندھیری کوٹھی جا کر شفقت  
کو ایک بار پھر منانے کی کوشش کرتا ہوں۔“

”نہیں ماموں....! میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا، مجھے یقین ہے وہ میرے ساتھ چلی  
آئے گی۔“ ناصر نے بچتی سے کہا۔  
شفقت نے اسے پکارتے ہوئے کہا۔ ”دیکھو بیٹا! تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے، میں  
نے کہا نامم فکر مت کرو، میں اسے سمجھا بھا جا کر لے آؤں گا، اسے آنا پڑے گا کیونکہ وہ تمہاری  
بیوی ہے۔“  
ماموں کی مکاری پر ناصر نے مجرماً چپ سادھہ لی۔

صورت طلاق نہیں دے گا کیونکہ وہ اس سے بے اندازہ محبت کرتا تھا، لہذا اس نے ایک دوسرا  
طریقہ بنایا۔  
وہ شفقت کو پاگل خانے بھیجے کی تیاری کر چکا تھا اور ناصراں حقیقت سے لاعلم تھا۔

☆=====☆

ناصر کو اپستال سے ڈسپارچ کر دیا گیا تھا تاہم اسے ڈاکٹر نے پندرہ دن آرام کرنے کی  
تائید کر دی تھی اور سولہویں روز تاکہ کھلونے کے لیے بلوایا تھا۔  
شفقت اپنے بھائی ناصراں کوٹھی میں لے جانے کی بجائے اپنے گھر لے آیا تھا  
اور پھر وہ اسی وقت اندھیری کوٹھی جا پہنچا تھا۔ شفقت اپنے نایمنا بھائی ساجد کے ساتھ واپس اندھیری  
کوٹھی آگئی تھی۔

شفقت نے دونوں بہن، بھائیوں سے پہلے رسماً تیمور صاحب کی اندوہناک موت کا  
افسوں کیا پھر سپاٹ لبجھ میں شفقت سے بولا۔ ”بیٹی....! میں تم سے ایک درخواست کرنے آیا تھا،  
میں سمجھتا ہوں ناصر نے تم سے شادی کر کے اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی کی تھی اور اب اسے  
اپنی ضد کی سزا مل گئی، شکر ہے کہ وہ تمہارے ہاتھوں مرتے مرتے بچا۔“  
”انکل....! آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟“ شفقت نے قدرے بیزاری سے پوچھا۔ اس وقت  
اس کا بھائی ساجد بھی اپنی بہن شفقت کے قریب ہی بیٹھا تھا۔

شفقت نے ہولے سے ٹھکنکھار کر فوراً ہی مطلب کی بات پر آتے ہوئے کہا۔ ”میں صرف  
اتنا چاہتا ہوں کہ تم ناصرا کا بھیچا چھوڑ دو۔“  
اس کی بات سن کر شفقت نے بھی تلخی سے کہا۔ ”مجھے بھی کوئی شوق نہیں ہے اس کے ساتھ  
زندگی بر کرنے کا۔“

بہن کی بات پر ساجد نے اسے ٹوکتے ہوئے کہا۔ ”شفقت....! یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ وہ تمہارا  
شوہر ہے۔“ پھر وہ شفقت سے مخاطب ہو کر بولا۔ ”انکل....! آپ غلط بات ملت کریں، ناصر نے  
میری بہن سے اپنی مرضی سے شادی کی ہے، آپ کون ہوتے ہیں دونوں کو جدا کرنے والے؟“ نہ  
چاہتے ہوئے بھی ساجد کے لبجھ میں تلخی عود کر آئی تھی۔

شفقت نے اس کی بات کا برا مانتا ہوئے کہا۔ ”تم آنکھوں سے ہی نہیں بلکہ عقل کے  
بھی اندر ہے ہو، کیا تم اپنی پاگل اور جنونی بہن کے بارے میں نہیں جانتے؟ جس نے پہلے تمہاری

کرے گا اور یہ بھی تو سوچوں کے انتقال کے بعد ہماری کفالت کس طرح ہوگی؟ ہمارے پرانے والے بائیت سے کرایہ آ جاتا ہے تو گزر بمرہقی رہتی ہے، اگر ہم ہاں شفقت ہو جائیں گے تو آدمی کا یہ لگابند حاصلہ بھی نٹ جائے گا اور پھر یہ کوئی بھی بھی اب ہماری ملکیت ہے بھلا یہاں کون کرائے پر ہے گا۔“

”تو کیا ہم پھر اپنی جانوں سے ہاتھ دھونٹیں؟ بھائی....! تم نے دیکھا نہیں یہاں آ کر بھی ہم اس شیطانی مخلوق کے شر سے محفوظ نہ رہ پائے۔“ شفقت نے رفت آمیز لمحے میں کہا۔

”شفقت! اس میں تمہاری ہی غلطی ہے، ہم نے آج تک ایک اہم بات پر غور کیا ہی نہیں ہے۔“ ساجد نے کی خیال لمحے میں کہا۔

شفقت چوک کر بولی۔ ”کون ہی بات....؟“

”دیکھو، میں نے آج تک پیش آنے والے ان سارے پُرسار و اقدامات کا بڑی باریک بینی سے جائزہ لیا ہے بالآخر میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ بدروج اپنے اندر آتی طاقت نہیں رکھتی جتنی کہ اس کی دہشت ہے، وہ اچانک گھر کے کسی قربی فرد کے روپ میں اپنے بھیانک چہرے کے ساتھ نمودار ہو جاتی ہے اور تم پر غیر ارادی اور فوری رو عمل کے تحت خوف آمیز جنون چڑھ جاتا ہے اور تم اس بدروج پر نظری رو عمل کے تحت فوراً حملہ کر دیتی ہو، میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر تم ایسے موقع پر خود پر ادا پنے اعصاب پر قابو کھو تو پھر دیکھتے ہیں وہ کیا کرتی ہے۔“

ساجد کی بات شفقت کے دل کوئی تھی چنانچہ اس نے تائید کیا۔ ”شاید تم ٹھیک کہتے ہو بھائی....! ایں....لیکن میں کیا کروں بھائی....؟“ اصل بات یہ ہے کہ پہلے میں اسے دیکھ کر خوف زدہ ہو جایا کرتی تھی مگر اب ایسا نہیں ہوتا، اب جب بھی اس بھیانک مخلوق کا چہرہ اچانک میرے سامنے آتا ہے تو میرے اندر خوف سے زیادہ طیش آمیز جنونی کیفیات طاری ہونے لگتی ہیں اور بے اختیار میرا دل چاہتا ہے کہ اس پر حملہ کر دوں۔“

”یہی تو وہ بدروج چاہتی ہے کہ تم جنون میں آ کر اس پر حملہ کر دو اور وہ اپنے نہ موم مقاصد میں کامیاب ہوتی رہے۔“ ساجد نے یہ دم کہا، پھر اسے یاد دلاتے ہوئے مزید بولا۔ ”تم ذرا انتہائی حالات پر غور کرو، سب سے پہلے تم نے فائزہ باجی پر اسی طرح حملہ کیا تھا اور ان کا چہرہ بگاڑ ڈالا تھا، اس کے بعد جب وہ بدروج اپنے اصل بھیانک چہرے میں اسی جان کے روپ میں ظاہر ہوئی، تو تم نے ان کے پیٹ میں جھپری اتار دی، اس کے بعد اپنے شوہر ناصر....!“

شفقت تو ویے بھی اس مخوس کوئی کارخ نہیں کرنا چاہتا تھا اس لئے وہ وہاں جانے کی مجاہدی سیدھا متعلقہ تھا نے جا ہنپا اور انپکٹر بشیر علی کے کمان بھرنے لگا۔

☆=====☆

اندھیری کوئی میں اب دونوں بہن، بھائی اکیلے رہ گئے تھے، ان کی بڑی بہن فائزہ دوسرے شہر بیاہی ہوئی تھی، وہ اپنے شوہر عثمان کے ساتھ اپنی اپنے ساتھ لے جانا چاہتی تھی مگر یہ دونوں نہیں مانے تھے۔ اگرچہ اس انکار میں زیادہ دخل شفقت کا ہی تھا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ وہ اپنی بڑی بہن فائزہ کو ایک مرتبہ بیری طرح خیز کرچکی ہے حتیٰ کہ اس بے چارکی کی شادی بھی کھٹائی میں پڑ گئی تھی اس لئے وہ نہیں چاہتی تھی کہ دوبارہ کسی کے لیے مصیبت بنے جبکہ ساجد بھی اپنی مصیبتوں کی ماری بہن شفقت کو چھوڑنا نہیں چاہتا تھا، اس کی کوشش تھی کہ کسی طرح شفقت اپنے شوہر ناصر کے پاس چلی جائے مگر شفقت اپنے نایباً بھائی کو تنہا چھوڑنے پر رضامند نہ تھی۔ دونوں بہن، بھائی اس وقت بہت پریشان تھے اور پھر تیم و سیکر ہونے کے بعد تو وہ اور بھی ہر اسال سے ہو گئے تھے مگر انہوں نے حوصلہ نہیں ہا راتھا، یوں دونوں نے ایک دوسرے کا سہارا بن کر اس شیطانی مخلوق کو نیست و نابود کرنے کا عزم صمیم کر رکھا تھا۔

”ساجد....! میرا خیال ہے اب ہمیں اس مخوس کوئی کو خیر باد کہہ کے اپنے پرانے مکان میں شفقت ہو جانا چاہے،“ شفقت نے کی خیال کے تحت بھائی سے کہا۔

ساجد بھی اب انہی خطوط پر سوچ رہا تھا، وہ گومو سے لمحے میں بولا۔ ”دل تو میرا بھی یہاں رہنے کو نہیں چاہتا شفقت....! لیکن ابوکی نصیحت یہی تھی کہ اگر اس شیطانی مخلوق کو فاکے گھاٹ اتارنا ہے تو ہمیں ادھر ہی مستقل ڈیرہ جانا ہو گا، کیا تم بھول گئیں تاہلی والے بابا کو.... درحقیقت انہوں نے ہی تو ایکواں بات کی تلقین کی تھی۔“

”..... بھا....! سارب ہم دونوں اس شیطانی مخلوق سے بھلاکس طرح مقابلہ کر سکتے ہیں؟“ شفقت نے قدرے متواں۔ ”میں.....“

ساجد کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ ”میرا خیال ہے میں نادر اے بابا سے جا کر ملتا ہو گا اور انہیں تازہ ترین صورت حال سے آگاہ کرنا ہو گا، وہ ضرور ہماری مدد کریں گے۔“

”انہوں نے اب تک کیا کیا ہے؟ المٹا ہمارے ابو...!“ شفقت کا لجہ رنده گیا۔

ساجد نے اسے دلائل دیتے ہوئے کہا۔ ”دیکھو بہن! ہمت نہ ہارو، اللہ ہماری ضرور مدد

میں کہا۔

”تو اچھا ہوا، اس میں تمہارا بھی فائدہ ہے ورنہ اب اپنے باپ کے بعد تمہاری باری آتا تھی۔“ شفقت نے طنزیہ کہا۔

ساجد دل مسوں کر رہا گیا اور ملجنیا نہ لجھے میں بولا۔ ”خدا کے لیے ہماری مدد کرو، میری بہن بے قصور ہے، وہ مر جائے گی۔“

”پولیس اسے کوئی سزا نہیں دے گی صرف پاگل خانے لے جائے گی جو اس کا اصل ٹھکانہ ہے، یہ کام اگر تیمور صاحب اپنی زندگی میں پہلے ہی کر لیتے تو آج زندہ ہوتے۔“ شفقت نے بے رحمی سے کہا۔

ساجد غم و غصے کے مارے جمع پڑا۔ ”شفقت صاحب....! اللہ کے عذاب سے ڈر، مجھے ناصر سے ملنے دو، میں اس سے بات کرنا چاہتا ہوں۔“

ادھر اندر ناصر صحن میں پچھی چار پائی پر لیٹا ہوا تھا، اس نے ساجد کی آواز سنی تو بمشکل چار پائی سے اٹھا اور باہر آگیا۔ ساجد کو دیکھتے ہی وہ اس کی جانب لپکا اور پریشانی سے بولا۔ ”کیا ہوا ساجد....! تم یہاں....؟“

اپنے بہنوئی ناصر کی آواز سن کر اس نے اسے ساری بات تباہی۔ ناصر نے جب یہ سنا کہ اس کی محبوب بیوی شفقت کو پولیس گرفتار کر کے لے گئی ہے اور وہ بھی اس کے ماموں اور محلے والوں کی ایماء پر تو وہ غصے سے سرخ ہو گیا۔

پھر وہ ایک ناگواری نظر انے ماموں پر ڈالنے ہوئے ساجد کو تسلی دے کر بولا۔ ”تم فکر نہ کرو ساجد....! آؤ میرے ساتھ، میں ابھی تھانے جاتا ہوں اور دیکھتا ہوں پولیس شفقت کا کیا بگاڑتی ہے۔“

شفقت اپنے بھائی کو بڑا رہ گیا مگر ناصر، ساجد کو سہارا دیئے اپنے ساتھ لئے متعلق تھانے کی طرف بڑھ گیا۔

☆=====☆

شفقت کی حالت بہت غیر ہو رہی تھی، اسے تھانے لا کر لاک آپ کر دیا گیا تھا لیکن شفقت کو خود سے زیادہ اپنے بھائی ساجد کی فکر ہو رہی تھی کیونکہ وہ ناپینا تھا۔

شفقت نے لاک آپ میں چینخا چلانا شروع کر دیا مگر وہاں اس کی داد فریاد سننے والا کوئی نہ تھا،

”بس کرو بھائی....! خدا کے لیے بس کرو، مجھے اب ہوں آتا ہے ان ساری باتوں کو یا، کرتے ہوئے۔“ شفقت کیکہ دم روہا نے لجھے میں قدرے چلا کر بولی اور ساجد اپنادل مسوں کر رہ گیا۔

فرادیر گزری کے کال بیل بھی۔

”میں دیکھتی ہوں۔“ یہ کہہ کر شفقت اٹھنے لگی ساجد بھی انھیں کھڑا ہوا۔ ”میں بھی چلتا ہوں۔“ دونوں بہن، بھائی باہر گیٹ تک آئے۔

”کون ہے....؟“ شفقت نے گیٹ کے قریب پہنچ کر قدرے بلند آواز سے کہا۔

”دوراوازہ کھلوبی بی....! باہر پولیس کھڑی ہے۔“ ایک کرخت آواز ابھری اور دونوں بہن، بھائی پریشان سے ہو گئے۔

ساجد دیکھ تو نہیں سکتا تھا مگر انپکٹر بشیر علی کی آواز سن لی تھی۔ ”یہ.... یہ.... یہ آپ.... مم.... میری بہن کو کس جرم میں گرفتار کر رہے ہیں۔“ اُس نے پرتوشیں لجھے میں پوچھا۔

انپکٹر نے طنزیہ لجھے میں کہا۔ ”بڑے بھولے بادشاہ بن رہے ہو جیسے آپ جانتے ہی نہیں، کیا حالت کر دی ہے تمہاری بہن نے اپنے شہر کی.... وہ بے چارہ مرتے مرتے بچا ہے۔“

”دلل.... لیکن انپکٹر صاحب....! وہ ایک انتہائی ردعمل تھا، ناصر تو ساری حقیقت جانتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا تھا اور وہ یہ بھی اس نے شفقت کے خلاف تو کوئی بیان نہیں دیا تھا ہے، ہی پرچہ کٹوایا۔“

”اس نے تو نہیں کٹوایا پرچہ لیکن اس کے ماموں شفقت نے پرچہ کٹوایا ہے اور محلے والے بھی یہی چاہتے ہیں کہ تمہاری اس پاگل بہن کو فوراً پاگل خانے داخل کرا دیا جائے جہاں اس کا علاج ہو سکے، بے فکر ہو اسے کوئی سزا نہیں ہو گی۔“ یہ کہہ کر اس نے لیدیز پولیس کو اشارہ کیا۔

انہوں نے شفقت کو پولیس وین میں سوار کر دیا۔ ساجد بے چارہ چھٹا چلاتا رہ گیا مگر پولیس وین جا چکی تھی۔

ساجد اپنی لانھی سنجھا لے کوئی سے نکلا اور سیدھا ناصر کے گھر پر پہنچا۔ اس وقت دکان پر اس کا ماموں شفقت بیٹھا تھا، اس نے ساجد کو دیکھ کر بر اسم منہ بنا یا پھر اسے آواز دے کر بولا۔ ”کیا بات ہے....؟“

”وہ.... پپ.... پولیس میری بہن کو گرفتار کر کے لے گئی ہے۔“ ساجد نے روہا نے لجھے

سب بہرے ہن گئے تھے، پاگل خانے بھیج جانے کے تصور سے ہی اسے ہول آرہاتھا اور وہ بچ مجھ پاگل سی ہو رہی تھی، بالآخر بچ مجھ کر مٹھاں ہو گئی اور اس کا گلا بیٹھ گیا، ناچار وہ سیلن زدہ دیوار سے لک کر بیٹھ گئی۔

ادھر نا اور ساجد تھا نے پہنچے۔

انپکٹر بشیر علی نے خشمگین نظروں سے دونوں کی طرف دیکھا۔

”انپکٹر صاحب....! آپ نے میری بیوی شفقت کو کس جرم میں گرفتار کیا ہے؟“ ناصر نے انپکٹر بشیر علی کی خشنماں نظروں سے مرعوب ہوئے بغیر کہا۔ شفقت کی محبت نے اسے غمہ بنا دیا تھا۔ اس کے سوال پر انپکٹر بشیر علی اپنی ابھری ہوئی تو نہ کو سنبھالتا ہوا اٹھا اور ہاتھ میں پکڑے سیاہ روں کو اس کے قریب پہنچتے ہوئے سر پر بندگی پی پر کھکھراستہ اسیہ انداز میں بولا۔ ”اس جرم میں جو تمہاری پیشانی سے ظاہر ہے۔“

”لیکن اس میں شفقت کا کوئی قصور نہیں، میں اس کی خفانت دیتا ہوں۔“ ناصر بے خوفی سے بولا۔

انپکٹر بشیر علی نے کرخت لجھ میں کہا۔ ”تمہاری خفانت نہیں چل سکتی، تمہارے ماموں اور محلے والوں نے یہ پورٹ لکھوائی ہے کہ اس پاگل اور جنونی لڑکی کو فوراً گرفتار کر کے پاگل خانے بھیج دیا جائے۔“

”میں اس کا شوہر ہوں، میں خود اس کا اعلان کرواؤ گا، آپ اسے چھوڑ دیں۔“ ناصر نے احتجاج کیا۔

مگر انپکٹر بشیر علی اپنی بات پر اڑا رہا، ساجد نے بھی انپکٹر بشیر علی کی منت سماجت کی مگروہ سنگدل اپنی بہت پر مقام رکھا۔

ناصر اور ساجد اس بھیر صورت حال پر پریشان ہو گئے، انہوں نے انپکٹر کو حکمی بھی دی کہ وہ عدالت میں جائیں گے مگر پھر بھی اس پر ذرا بھی اثر نہ ہوا۔

بالآخر ناصر نے شفقت سے ملاقات کرنے کی درخواست کی جو مان لی گئی۔

پھر جب ناصر اور ساجد کو لاک آپ تک لاایا گیا تو ناصر اپنی محبوب بیوی شفقت کی حالت زار دیکھ کر دل موس کر رہ گیا۔ شفقت اسے اور اپنے بھائی کو دیکھ کر فوراً اپنی۔

پھر سلاخ دار دروازے پر آ کر ناصر سے روہانے لجھ میں بولی۔ ”دن.... ناصر.... ام۔“

مجھے یہاں سے نکال لو.... یہ.... یہ لوگ مجھے پپ.... پاگل خانے میں داخل کرنا چاہتے ہیں، میں تو.... میں توجیتے جی مر جاؤں گی۔“ وہ رہو رہی تھی۔

ناصر اپنی محبوب بیوی کی آنکھوں میں آنسو دکھ کر پاگل سا ہو گیا، دھڑا اور کرب کی اذیت ناک لہرنے اسے تڑپا کر کھدا یا پھر وہ اسے تسلی دیتے ہوئے بولا۔ ”شفقت....! تم بالکل پریشان مت ہونا، میں عدالت جاؤں گا اور تمہیں ضرور بھائی دلاؤں گا۔“

شفقت کو اپنے شوہر کی بات پر ڈھارس تو ہوئی لیکن پھر اپنے نایبنا بھائی ساجد کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”مل.... لیکن.... ناصر، ساجد کا کیا بنے گا؟ یہ تو ہے چارہ دیکھ بھی نہیں سکتا میرے بغیر....!“

”شفقت....! تم میری فکر مرت کرو، میرا اللہ مالک ہے۔“ ساجد نے اسے تسلی دی۔

ناصر، شفقت کے آنسوؤں سے لبریز چہرے کو محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے اس کے سلاخوں پر رکھے ہاتھوں کو پیار سے تھامتے ہوئے بولا۔ ”شفقت....! تم ساجد کی فکر نہ کرو، میں اس کے ساتھ ہوں، میرا لقین کرو میں تمہیں یہاں سے نکال کر ہی رہوں گا، اس مصیبت کے وقت میں تم دونوں کو تھاں نہیں چھوڑوں گا، یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔“

شوہر کی بات نے شفقت کا دل پکھلا کر کھدا یا، اسے اب اپنے روئے پر شرمندگی ہونے لگی جو اس نے اب تک اس کے ساتھ روا رکھا تھا، آج اسے احساس ہو رہا تھا کہ ناصر اپنی اس سے سچی محبت کرتا ہے، وہ تعلیم یافتہ نہ سہی لیکن ایک وفا شعار، بہادر اور سچی محبت کرنے والا ساتھی اور ہمدرم ثابت ہوا تھا، آج پہلی بار اس کے دل میں بھی اپنے شوہر کے لیے محبت کا دیا روش ہوتا محسوس ہوا تھا چنانچہ وہ نگاہیں جھکا کر ناصر سے معموم لجھ میں بولی۔

”ناصر.... ام.... مجھے معاف کر دینا، مم.... میں نے تمہیں غلط سمجھا۔“

ناصر کا دل خوشی سے بلیوں اچھنے لگا، اس کے بعد وہ دونوں اسے تسلی تشقی دے کر واپس چلے آئے۔

اندھیری کوٹھی پہنچ کر دونوں نے سر جوڑ کر یہ پروگرام بیانیا کہ عدالت کا دروازہ کھنکھلایا جائے۔ ساجد کی اس بارے میں یہ رائے تھی کہ عدالت کا معاملہ ذرا المباڑ جائے گا البتہ اگر کسی بڑے اور ذمہ دار پولیس افسر سے ملاقات کی جائے تو زیادہ بہتر ہو گا۔ یہ تجویز ناصر کو پسند آئی۔ وہ رات دونوں دوستوں نے ساتھ گزارنے کا ارادہ کیا۔ ناصر کو اپنے ماموں شفقت سے

لیے کرے سے باہر گیا ہو بھر طور اس نے لیئے لیئے پوچھا۔ ”تم کہاں گئے تھے؟“  
”واش روم گیا تھا۔“ اسے ناصر کی آواز سنائی دی۔ جانے کیوں اسے ناصر کا بھج بدل لے اس  
محوس ہونے لگا پھر دوبارہ ناصر کی آواز سنائی دی۔

”آس اساجد....! اذرا اور چل کر بالکوئی میں ٹھلتے ہیں، یہاں گھنی ہو رہی ہے، کم بخت  
نیند بھی تو نہیں آ رہی، ذرا دل بھل جائے گا تو آ کر سونے کی کوشش کریں گے۔“ ساجد اس کی بات  
سن کر اٹھ کھڑا ہوا۔

اگر ساجد یکھنے کے قابل ہوتا تو اسے ناصر کی بجائے ایک بے ربط ساسایہ نضا میں لہر اتا ہوا  
نظر آتا اور دوسرا سے بستر پر گھری نیند سویا ہوا ناصر بھی دکھائی دے جاتا۔ نضا میں معلق اس پر اسرار  
ہیولے کا چھرہ کسی تیز واث کے بلب کی طرح روشن تھا جو انہیں مکروہ اور ڈراؤ کتا تھا، یا اس بدروج  
کا خوفناک چھرہ تھا جو اس کے خاندان کی ازی اور جانی دشمن تھی مگر ساجد بے چارہ تو خود نامینا تھا، وہ  
بدروج کے دھوکے میں آ گیا، وہ کمرے سے باہر آ گیا۔

وہ بدروج ناصر کی آواز میں بدستور ساجد سے باقیں کرتے ہوئے اس کے ہمراپ تھی،  
وہ اس طرح اسے راہ سمجھاتی ہوئی اپنے پیچھے آنے پر مجبور کر رہی تھی، اور ساجد کو اس بات پر  
حیرت بھی ہو رہی تھی کہ آخر ناصر اسے سہارا دینے کی کوشش کیوں نہیں کر رہا۔ تب اسے ناصر کی  
آواز سنائی دی۔

”ساجد....! میری آواز پر چلتے رہو، درحقیقت میں چاہتا ہوں کہ تم بغیر سہارے کے بھی  
چلنے کی کوشش کرو۔“

ساجد اس کی بات پر بے اختیار سکردا یا۔ وہ بدروج، ساجد کو لئے جب خاصی بلندی پر پہنچی  
تو ساجد نیشنیں جان سکتا تھا کہ اس بالکوئی کا یہ زینہ آگے سے اکھڑا ہوا تھا اور اس کی بجھ نیچ تاریک  
خلات تھا۔

نینا ساجد دھیرے دھیرے زینے چڑھتا ہوا جب اس تاریک خلامیں اپنا پاؤں رکھنے لگا تو  
اچانک اسے عقب میں نیچے سے ناصر کی تیز چلاتی ہوئی آواز سنائی دی۔

”ساجد....! رک جاؤ.... آگے قدم مت بڑھانا زینہ ٹوٹا ہوا ہے ورنہ نیچ گر جاؤ گے۔“  
ساجد اس آواز پر دم بخود رہ گیا اور فوراً رک گیا، اسے حیرت ہوئی کہ ناصر تو اس کے  
آگے آگے زینے طرکرہ تھا پھر نیچے سے ناصر نے کس طرح اسے پکارا تھا۔

نفرت ہو گئی کیونکہ وہ جان چکا تھا کہ یہ سب اسی کی وجہ سے ہوا تھا میں سب تھا کہ جب شام گئے  
تک ناصر گھرنے پہنچا تو شفقت کا تھا تھا۔ بھائیج سے اس کی محبت اپنی جگہ لیکن حقیقت یہ تھی کہ وہ  
ناصر کو اپنے بڑھا پے کا سہارا سمجھتا تھا، دکان بھی تقریباً ہی سنبھالتا تھا، بھائیج کے سوا اور اس کا دنیا  
میں کوئی نہ تھا چنانچہ جب شام گئے ناصر نہ لوٹا تو وہ سمجھ گیا کہ اس کا بھانجا ناراض ہو کر ضرور اپنے  
برادر بنتی ساجد کے ہاں چلا گیا ہو گا لہذا دکان بند کر کے سیدھا انہیں کوئی جا پہنچا لیکن ناصر  
نے اس کے ساتھ جانے سے صاف انکار کر دیا۔

شفقت نے اس کی بہت منت ساحت کی لیکن ناصر نہ مانا، البتہ اس نے یہ شرط رکھی کہ جب  
تک شفقت رہنیں ہو جاتی، وہ اس کے ساتھ گھر نہیں جائے گا۔ ناچار شفقت کو اکیلے ہی لوٹا پڑا۔  
شفقت نے سوچا کہ ابھی نینا یا جوش ہے بعد میں خود ہی گھر آ جائے گا۔

☆=====☆=====☆

ناصر اور ساجد ایک ہی کمرے میں سوئے ہوئے تھے، ان پریشان کن حالات میں دونوں  
کی ہی آنکھوں سے نیند کو سوں دور تھی، شفقت کی پریشانی اپنی جگہ تھی لیکن جیسے رات گھری اور  
تاریک ہونے لگی تھی، ان کے اندرانہ جانے خوف نے بھی سر اٹھانا شروع کر دیا تھا، دونوں الگ  
الگ بستروں پر دراز تھے۔

رات دے پاؤں سرک رہی تھی، ہر سو خاموشی کا راجح تھا، دم بخود سما محول دھڑکتا ہوا  
محوس ہو رہا تھا، کمرے میں زیر پا ورکا بلب روشن تھا۔

نہ جانے کب ناصر کی آنکھ لگ گئی اور گھری نیند میں ڈوب گیا جبکہ ساجد کو ابھی تک نیند کا ذرا  
سما جھونکا بھی نہیں آیا تھا۔

اس کی بے نور آنکھیں کھلی ہوئی تھیں، اچانک جانے کیوں اس کا دل کیبارگی کسی انه جانے  
خوف سے دھڑکا اور وہ اپنے اندر ایک عجیب و غریب سی بے چینی محوس کرنے لگا، اس نے لیئے  
لیئے ہوئے سے ناصر کو پکارا مگر جواب نہ ملا تو وہ سمجھ گیا کہ ناصر گھری نیند میں ڈوب چکا ہے۔

معا بلکی ہی آہست ابھری، وہ نہ کھا پھر قدموں کی بلکی ہی چاپ ابھری، اسے یوں محوس ہوا  
جیسے کوئی اس کی چارپائی کے قریب آ رہا ہو۔

”لک.... کون....؟“ اسے ناصر کی آواز سنائی دی۔ وہ حیران ہوا کہ ابھی تھوڑی درپیلے  
ہی اس نے ناصر کو پکارا تھا پھر اسے فرآ خیال آیا کہ ہو سکتا ہے ناصر اس وقت پانی وغیرہ پینے کے

پاگل خانے کی نظم اعلیٰ ایک ادھیر عمر کی کالی اور موٹی سی عورت تھی، یہ بڑی خرانٹ عورت تھی، اس کا نام تسلیم ٹھا، دیگر عنیت میں خواتین کے علاوہ دو عدد مرد گیت کیپر لین چوکیدار بھی تھے۔

شگفتہ کو جس کمرے میں رہا شکا ایک ”کونا“ ملائخا، وہاں ایک جھلنگ کی چار پائی پہنچی ہوئی تھی، اس پاگل خانے میں بیشتر زندگی میں خستہ حالت میں نظر آتی تھیں۔

کچھ نسبتاً بہتر حالت میں اور آرام دہ کشادہ کمرے بھی تھے مگر یہاں وہ پاگل عورتیں اور لڑکیاں رہتی تھیں جو دوسری عورتوں کی طرح لاوارث نہ تھیں، ان کے خاندان کے افراد نے ”دلاء“ کرنیں نہیں نسبتاً بہتر جگہ میسر کروادی تھی۔

جس کمرے میں شگفتہ تھی، اس کی حالت تو انتہائی خستہ تھی، اس میں شگفتہ کے علاوہ تین مزید پاگل عورتیں بھی تھیں، ان میں دو تو خاصی ادھیر عمر کی نحیف اور ان کی حالت بھی نہایت خستہ ہو رہی تھی، میلے کچلے پھٹے پرانے کپڑے، کچھڑی سے بال، ان کی صورتیں بڑی ڈراؤنی تھیں۔

وہ دونوں ایک طرف بیٹھیں خود سے عجیب عجیب انداز میں بڑ براتے ہوئے باتیں کر رہی تھیں، جبکہ تیسرا عورت نسبتاً بہتر حالت میں تھی، اس کی عمر زیادہ نہ تھی، پینتیس کے پیٹے میں تھی، وہ ایک کونے میں چار پائی پر خاموش بیٹھی ہوئی تھی، اس کے نقش بھی جاذب نظر تھے اور رنگ بھی صاف تھا، شگفتہ بغور اس کی طرف نکلے جا رہی تھی، جانے کیوں شگفتہ کو یہ احساس ہونے لگا کہ یہ عورت پاگل ہرگز نہ تھی۔

وہ عورت بھی شگفتہ کی طرف خاموش نگاہوں سے دیکھے جا رہی تھی، شگفتہ اپنا سر گھنٹوں میں دیپے سک سک کر رونے لگی تھی۔

معاں کے سر کو کسی نے دھیرے سے چھوتا تو اس نے اپنا سر اٹھا کر دیکھا، وہی عورت اس کے قریب کھڑی تھی، وہ بھی اس کی طرح خاصی غم زدہ نظر آ رہی تھی۔

”مت رو بیٹی.....! کیا فائدہ اپنا جی بلکان کرنے کا۔“ وہ بڑی ملامت سے بولی۔

شگفتہ اپنا دکھ بھول کر حیرت زدہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ اس عورت کے چہرے پر بلکی سی مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں ہمدردی کی چمک..... وہ اس کے قریب چار پائی پر بیٹھ گئی۔

”آ..... آپ.....؟“ شگفتہ امکنے ہوئے کہتے کہتے رکی۔

وہ عورت اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے دھیرے سے بولی۔ ”ہاں.....! مجھے بھی تمہاری

حقیقت یہ تھی کہ ناصر کی اتفاق سے کسی کھلکھلے پر آنکھ کھل گئی تھی، وہ جا گا تو اس نے ساجد کو بہترے نائب پایا، وہ چمدی سے اٹھ کر کرے سے باہر آیا تو یہ دیکھ کر دیل گیا کہ ساجد باکوئی کا ایک ایسا زینہ طے کر رہا تھا جو اوپر سے ٹوٹا ہوا تھا۔

اگر ناصر اسے بروقت آواز دے کر ہوشیار نہ کر دیتا تو یقیناً نابینا ساجد کافی بلندی سے نیچے جا گرتا۔ ساجد کے رکتے ہی ناصر جلدی جلدی زینے طے کرتا ہوا اس کے قریب پہنچا اور ساجد کو تھام لیا۔

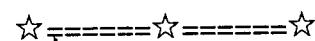
”یہ تم کیا کر رہے تھے ساجد.....؟ کیا پاگل ہو گئے ہو؟“ ناصر نے اسے سرزنش کی۔

ساجد حیرت سے بولا۔ ”تم ہی تو مجھے یہاں تک لائے تھے۔“

”کیا....؟“ ناصر دم بخوردہ گیا اور پھر ساجد نے اسے ساری بات بتا دی تھی۔

تب ناصر نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ ”اللہ کا شکر ہے کہ میں بروقت پہنچ گیا، یہ ساری کارستانی اس بدروج کی ہی ہو سکتی ہے، آدمیرے ساتھ.... ذرا منجل کر۔“ یہ کہہ کر ناصر اسے تھامے دھیرے دھیرے نیچے اترنے لگا۔

شیطانی ٹلوں کا وہ بھی انک چہرے والا پر اسرار سایہ غائب ہو چکا تھا۔ ساجد موت کے منہ میں جانے سے بال بال بچا تھا۔



شگفتہ کے چینخے چلانے اور متنیں سما جتیں کرنے کے باوجود اسے پاگل خانے میں داخل کر دیا گیا تھا، یہاں کے عبرت انگیز ماحول کو قریب سے دیکھ کر ہی الہ نصیب شگفتہ کا بہت ای جگہ اسے جیل سے زیادہ بھی انک معلوم ہو رہی تھی، مختلف پاگل عورتوں کے قیقہے لگانے، کبھی بین کرنے اور با آواز بلند ہنسنے کی بے ہمگم آوازوں کے شور سے اس کے دماغ کی ریگس پھٹے کے قریب ہونے لگیں، وہ بڑی طرح اعصاب زدہ ہو رہی تھی، اسے پورا یقین تھا کہ اگر وہ چند روز بھی ادھر رہی تو یہ فوج پاگل ہو جائے گی۔

پاگل خانے کی عمارت بہت سالخورده تھی یہی حالت اندر بننے کا بک نما کردن کی تھی۔

یہ صرف عورتوں کا پاگل خانہ تھا، یہاں ہر عمر کی پاگل عورتیں تھیں، جوان لڑکیاں، ادھیر عمر عورتیں تھیں کہ بوڑھیاں بھی تھیں۔

ہر کمرے میں چار چار عورتوں کو رکھا ہوا، بلکہ اس نگہ و تاریک کمرے میں ٹھوٹا ہوا تھا،

طرح زبردستی یہاں پاگل خانے بھیج دیا گیا ہے۔“  
اس کی بات سن کر شفقت کوڑا حوصلہ ہوا اور اس نے پوچھا۔“آ... آپ کو کیسے علم ہوا کہ میں  
پاگل نہیں ہوں؟“

وہ عورت عجیب سے انداز میں مسکرائی اور بولی۔“جس طرح تمہیں میرے بارے میں  
اندازہ ہوا۔“

“میں نے تو آپ سے کچھ نہیں کہا کہ آپ....!“ شفقت کچھ کہتے کہتے رک گئی پھر جانے  
کیوں خفت سے انداز میں مسکرا دی۔

“میرا نام زینت ہے تمہارا نام....؟“ وہ عورت اپنا نام بتاتے ہوئے مستفسر ہوئی۔

“شفقت... شفقت ناصر۔“

“شادی شدہ ہو؟“

“ہاں....!“

“ناصر نام ہے اس کا؟“

“ہاں....!“

“کیا اس نے تمہیں یہاں....؟“

“نن... نہیں وہ تو بہت اچھے ہیں، مجھ سے بڑی محبت کرتے ہیں۔“ شفقت یک دم بولی۔

“تو پھر تم یہاں کیسے؟ اچھی بھلی ہو۔“

اس کی بات سن کر شفقت نے ایک دراگنیز آہ بھری اور مغموم لمحہ میں بولی۔“یہ بہت لمی  
کہانی ہے، کیا کرو گی سن کر۔“

“اپنا دکھ کہہ دینے سے اندر کا بوجھ ہلاکا ہو جاتا ہے، میں بھی تمہیں اپنی دردناک کہانی  
سناوں گی۔“ وہ عورت جس نے اپنا نام زینت بتایا تھا، بولی۔“لیکن تم خود کو سنبھالو تو سہی، اسی  
طرح اگر حوصلہ ہار بیٹھو گی تو گھٹ گھٹ کمر جاؤ گی، مجھے دیکھو پورے چھ ماہ سے یہاں قید ہوں،  
دکھ تو ہوتا ہے لیکن میں نے ہمت نہیں ہاری، جب میرے بچوں نے مجھے زبردستی یہاں داخل کروایا  
تھا تو مجھے ایسا لگتا تھا جیسے میں ایک پل بھی یہاں زندہ نہیں رہ پاؤں گی، بلکہ پھر میں نے سارے دکھ  
درد کو بالائے طاق رکھ دیا اور سوچا کہ یہی تو میری جان کے دشمن چاہتے ہیں کہ میں یہاں گھٹ گھٹ  
کمر جاؤں، تب پھر میں نے خود کو سنبھالا اور حالات کا جرأت مندی سے مقابلہ کرنے کا سوچا۔“

وہ اتنا کہہ کر چپ ہو گئی۔

شفقت نے قدر یہ حرمت سے پوچھا۔“آپ کو آپ کی اولاد نے یہاں بھیجا ہے؟“  
“ہاں....! لیکن وہ میری اولاد نہیں ہے، میرے شوہر کے بچے ہیں... مم... مگر مجھے دکھ تو  
اس بات کا ہے کہ مم... میں نے تو انہیں سگی ماں کی طرح پالا تھا اور کبھی سوتیلی ماں کا سا برتاؤ نہیں  
کیا، لیکن پھر جیسے ہی میرے شوہر امان اللہ کی آنکھیں ہمیشہ کے لیے بند ہوئیں تو مجھے پاگل، جنونی  
اور ذہنی سریضہ قرار دلوں کریے ہاں داخل کر دیا گیا۔“ زینت اپنی رو میں کہتی جا رہی تھی گویا اس طرح  
اپنابار ہلکا کرنا چاہ رہی ہو۔“لیکن اب مجھے اس کا غم نہیں ہوتا کیونکہ یہ سارا دوست کا چکر ہے، مجھے  
یقین ہے کہ اگر ان حالات میں میری اپنی سگی اولاد بھی ہوتی تو وہ بھی یہی کرتی، لیکن اب میرے  
دل و دماغ میں ان کے لیے نفرت بھرگئی ہے، میں بھی انہیں ان کے مقصد میں کامیاب نہیں ہونے  
دوں گی۔“ اتنا تباکر وہ خاموش ہو گئی۔

شفقت نے دیکھا اس کا چہرہ طیش اور نفرت کی آگ سے سرخ ہو گیا تھا، آنکھوں سے  
چنگاریاں سی پھوٹ لری تھیں، پہلی بار شفقت کو احساس ہوا کہیں یہ واقعی پاگل تو نہیں...؟  
“تم بتاؤ تمہارے ساتھ کیا ظلم ہوا تھا؟“ زینت نے اپنے اچانک خود پر قابو پاتے ہوئے شفقت  
سے پوچھا۔

پھر جب شفقت نے اپنی پر اسرار اور دوست ناک داستان سائی تو زینت، شفقت کی عجیب و  
غیریں اور ناقابل یقین داستان سن کردم بخوبی رہ گئی۔

پھر لکھت زدہ لمحہ میں بولی۔“کک... کیا واقعی تھے.... تم پر کسی جن کا سایہ ہے؟“  
“ہاں....! لیکن صرف مجھ پر نہیں، بلکہ میرے سارے خاندان کا دشمن ہو گیا ہے وہ، مجھے تو  
اب اپنے بھائی ساجد کی فکر ہو رہی ہے، وہ بے چارہ تو دیکھ بھی نہیں سکتا، پتہ نہیں اس کا کیا ہو گا؟“  
بھائی کے ذکر پر وہ سک پڑی۔

زینت اسے تسلی دیتے ہوئے بولی۔“ حوصلہ رکھو شفقت...! اللہ بہتر کرے گا، تمہاری  
خوفاں داستان سن کر تو میرے رو نکلنے کھڑے ہو گئے ہیں، ویسے شکر کر تمہارا شوہر ناصوت سے پچی  
محبت کرتا ہے، وہ چین سے نہیں بیٹھے گا اور ضرور تمہیں یہاں سے نکلا کر رہے گا۔“ اتنا کہہ کر وہ ذرا  
تحمی پھر بولی۔“ میرا شوہر امان اللہ بھی مجھ سے بہت محبت کرتا تھا، اس نے مرنے سے پہلے اپنا  
سب کچھ میرے نام کر دیا تھا، اسے شاید یہ ذر تھا کہ اس کے مرنے کے بعد سوتیلی اولاد کہیں مجھے

وہ دوستانہ انداز میں اس کا گال جھوکر شوٹی سے بولی۔ ”خاصی سمجھدار ہو، تم سے دوستی خوب نہیں گی، تم نے بالکل ٹھیک کہا شگفتہ....! لیکن ان چاروں نے مجھے اس قدر پریشان اور حواس باختہ کرڈا تھا کہ میں ان کی اصل سازش جان ہی نہ پائی تھی، وہ چار تھے اور میں ایکی.... روزانہ منہ ماری ہوتی، مجھے بری طرح طعن و تشیع کا نشانہ بنایا جاتا تھا، مجھے اس قدر زور دیج اور پریشان کر کے رکھ دیا تھا کہ مجھ پر، ہسر یائی دورے پڑنے لگے، میں پاگلوں کی طرح جھینیں مار مار کر بے ہوش ہو جاتی، میرے ہاتھوں بیلی، مشتاق رخی بھی ہوئے تھے لیں پھر کیا تھا مجھے ایک دن یہاں پہنچا دیا گیا، یہاں اس سے زیادہ بدتر حالات تھے، اگر میں بروقت ہوش مندی سے کام نہ لیتی تو مجھ پاگل ہی ہو جاتی لیکن اب میں نے ان چاروں سازشی بہن، بھائیوں سے بدل لینے کا پاک تھیہ کر لیا ہے۔“ وہ اتنا بتا کر چب ہو گئی۔

شگفتہ نے اس کے حالات کے پیش منظر میں اپنا تجویہ کیا تو اسے ذرہ برا بھی فرق نہ محسوس ہوا، شفقت نے بھی اس کے خلاف بھی سازش کرنے کی کوشش کی تھی کہ وہ اس طرح اسے پاگل خانے پہنچا کر ہمیشہ کے لیے اسے ناصر سے جدا کرنا چاہتا تھا۔  
یوں زینت اور شگفتہ جلد ہی آپس میں گھل مل گئیں۔

زینت کا خیال تھا کہ صرف ایک بار وہ یہاں سے نکل جائے تو اپنا زیادہ موثر طریقے سے دفاع کر سکے گی۔ کم و بیش بھی خیال شگفتہ کا بھی تھا۔  
یوں دونوں نے ایک رات فرار ہونے کا پروگرام بنایا۔

دوران گفتگو زینت نے شگفتہ کو ایک اور لرزہ خیز حقیقت بھی بتائی تھی جسے سن کر شگفتہ تھی جان سے کاپ اٹھی۔ زینت نے اسے اس پاگل خانے کی منتظم اعلیٰ کے بارے میں بتایا تھا کہ وہ بہت خراست اور ظالم عورت ہے، اس کے بڑے بڑے لوگوں سے تعلقات ہیں اور کوئی بعد نہیں کہ وہ سازشی ٹولوں سے ”لین دین“ بھی کرتی ہو لہذا اب یہاں سے نکلنے کا ایک بھی طریقہ ہے یعنی فرار....!

دونوں کو اب رات کا انتظار تھا، رات کے کھانے میں انہیں باسی روٹی اور ٹلکی والی گئی تھی گویا یہ بھی کوئی جیل خانہ ہو، شگفتہ نے توہا تھنک نہ لگایا تھا، زینت نے بھی براۓ نام چند لئے زہر مار کر لئے تھے۔

رات ٹھیک تو بچے تمام کمروں کے دروازوں کو باہر سے لاک کر دیا جاتا تھا، جو خطرناک

در بدر اور خاک برسنہ کر دے، لیکن باوجود اس کے وہ چاروں اپنی سازش میں کامیاب ہو گئے، آئے روز مجھے شگفتہ کرنے لگے، بری طرح ستاتے تھے مجھے، اٹھ سیدھے اور گندے گندے اڑامات میرے سر پر ٹھوپتے رہتے اور مجھے پاگل ساینا ڈالا، وہ بھی چاہتے تھے کہ میں رجھ پاگل ہو جاؤں اور وہ لوگ مجھے پاگل قرار دے کر یہاں بھیج دیں لیکن....!“ وہ اتنا کہہ کر کی۔ شگفتہ نے دیکھا، اس کے ہونٹوں پر بڑی زہر خند مکراہت ہتھی۔ ”وہ لوگ اب بھی پوری طرح اپنی سازش میں کامیاب نہیں ہو پائے ہیں، ان کا وکیل مجھے ذہنی مریضہ قرار دینے کے بعد میرے شوہر کی ساری دولت و جائیداد، تھیا کر مشتاق، اظہر، نعم و اور بیلی کے نام کروادے لیکن جب وہ یہاں آ کر یہ دیکھنے کے لیے آتے ہیں کہ میں واقعی پاگل اور بیلی کے ذہنی مریضہ ہو چکی ہوں یا انہیں تو انہیں اس وقت سخت مایوسی ہوتی ہے کہ جب مجھے وہ بالکل بھلا چنگاڈ کیھتے ہیں، اب وہ چاروں اس بات کے منتظر ہیں کہ میں اس ماحول میں رہ کر رجھ پاگل ہو جاؤں تاکہ مجھے عدالت کے سامنے حاضر کر کے میرے پاگل ہونے کی حتمی تصدیق کی جاسکے۔ اس لئے اب میں خود کو سنبھال رکھتی ہوں، لیکن اس گھنٹن زدہ ماحول میں رہتے ہوئے کبھی کبھی مجھے یہ خوف ہوتا ہے کہ میں کہیں رجھ پاگل ہی نہ ہو جاؤں۔“ اتنا بتا کر زینت کی آنکھوں میں بھی آنسو مڈ آئے۔ شگفتہ کو اس کی دکھ بھری داستان سن کر بہت افسوس ہوا تھا۔ بظاہر دونوں کا مسئلہ ایک ہی تھا، زینت کو اس کی سوتیلی اولاد اپنے نہ موم مقاصد کی خاطر پاگل قرار دینے پر تھی ہوئی تھی، جبکہ شگفتہ کے شوہر کا ماموں شفقت اسے پاگل قرار دے کر اپنے بھائی ناصر کو اس کی زندگی سے ہمیشہ کے لیے نکالنا چاہتا تھا۔

شگفتہ نے پوچھا۔ ”تو کیا آپ کے شوہر نے اپنا سب کچھ ہی آپ کے نام کر دیا تھا؟“  
”نہیں....! اس نے اپنی اولادوں کے نام ان کا حصہ کر دیا تھا، مجھے بھی حصہ دیا تھا لیکن چاروں بچوں کا حصہ میری کوئی میں موجودگی سے مشروط رکھا تھا کیونکہ شوہر کے کاروبار اور کوئی میں میرا بھی حصہ تھا، میں کاروبار بھی سنبھالی تھی۔“ زینت نے بتایا۔

”پھر ان چاروں کو ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا جبکہ ان کا حصہ انہیں مل چکا تھا۔“ شگفتہ بولی۔  
زینت نے زہر خند مکراہت سے کہا۔ ”وہ لاچی ہیں، میرے حصے پر بھی ان کی نظر تھی، مجھے تو ان سے جان جانے کا خوف ہونے لگا تھا۔“

”کمال ہے جب آپ کو اپنا حصہ مل چکا تھا تو آپ کو اپنا دفاع کرنا چاہئے تھا، کوئی اچھا دکیل کر سکتی تھیں۔“ شگفتہ نے اپنی فہم و فراست کے مطابق پوچھا۔

”وہ آگئی۔“ دروازے پر ابھرنے والی آہست زینت نے بھی سن لی تھی اور بے اختیا اس کے منہ سے سرگوشی ابھری تھی۔

”کون آگئی....؟“ شگفتہ نے ہولے سے پوچھا۔ ابھی اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ اچانک کمرے کا دروازہ تھوڑا سا واہا اور ایک سانوں کی اوہیزہ عمر عورت اندر داخل ہوئی۔ وہ زینت کی طرف دیکھ کر بولی۔ ”جلد نکلو۔ راستے صاف ہے۔“

”آؤ شگفتہ....! جلدی کرو۔“ زینت نے حیران پریشان اسی شگفتہ سے کہا اور پھر وہ دونوں اس عورت کے ساتھ باہر نیم تاریک کو ریڈور میں آگئیں۔ اب وہ دونوں اس سانوں عورت کے ساتھ تیز قدم چلتی ہوئی پاگل خانے کی عمارت سے باہر آگئیں۔

باہر تاریکی تھی، سامنے ایک ذیلی سڑک تھی۔ گیٹ سے باہر آ کر وہ اوہیزہ عمر عورت زینت سے بولی۔ ”اب میرا کام ختم مگر اپنا وعدہ یاد رکھنا میں پرسوں تمہارے ہاں آؤں گی۔“

”ہاں.... ہاں.... بہن....! میں اپنا وعدہ پورا کروں گی، تم پرسوں میرے ہاں آ جانا، میں تمہیں مایوس نہیں کروں گی اور تمہارا یہ احسان بھی بھی نہیں بھولوں گی۔“ زینت نے اس سے ممنونیت بھرے لبجے میں کہا اور پھر زینت نے شگفتہ کا ہاتھ تھاما اور اسے لئے تیز تیز قدموں کے ساتھ آگے تاریکی میں چل گئی۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی میں شارع پر آگئیں مگر سڑک دور تک دیوان تھی، کوئی اکاڈمیک ڈرک یا پرانی یویٹ کا رزنائی سے گزر جاتی اور اور اطراف کا سکوت لمحہ بھر کو تھرا اٹھتا۔

”بہن....! آگرہم کہاں جا رہے ہیں؟“ شگفتہ نے پوچھا۔ وہ قدرے متوضہ سی نظر آ رہی تھی۔

زینت نے جواب کہا۔ ”اپنے گھر...!“

وہنی مریضا کیسی تھیں، انہیں آہنی زنجروں سے باندھا ہوا تھا۔ شگفتہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ بندر دروازوں سے کس طرح باہر نکلا جائے گا کیونکہ اب ان کے کمرے کا بھی دروازہ باہر سے بند کر کے لاک کر دیا گیا تھا۔

کمرے میں موجود باقی دو پاگل عورتیں بھی اپنی اپنی چار پائیوں پر سوئی ہوئی خراٹے لے رہی تھیں، زینت کے چہرے پر مضطربانہ جوش متریٹھ تھا۔

شگفتہ نے قدرے پریشانی سے سرگوشی میں زینت سے کہا۔ ”آخر ہم کس طرح یہاں سے فرار ہوں گے.... کمرے کا دروازہ تو باہر سے بند ہے؟“

اس کے سوال پر زینت کے ہونٹوں پر اسرار بھری مسکراہٹ ابھری اور اس نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور شگفتہ نے چپ سادھی مگر جانے کیوں وہ بے چینی محسوس کرنے لگی۔

رات دبے پاؤں سرک رہی تھی، کمرے کی روشنیاں گلی کر دی گئی تھیں البتہ کمرے کی سلاخ دار کھڑکی سے کوریڈور میں ہونے والی روشنی کی مدھم کرن اندر آ رہی تھی۔

اچانک دروازے پر آہست سن کر شگفتہ بری طرح ٹھکنی۔

☆ ===== ☆

”لیکن وہاں تو تمہاری سوتیلی اولاد دوبارہ تمہیں پاگل خانے...“ شگفتہ نے دانتہ اپا جملہ ادھورا چھوڑا۔

زینت زرخند مسکراہٹ سے بولی۔ ”اب وہ ایسا ہرگز نہیں کر سکتے کیونکہ اب میں ان کی گناہی سازش سے اچھی طرح واقف ہو چکی ہوں۔“

شگفتہ چپ، یہ۔

وہ دونوں سڑک کنارے چلی جا رہی تھیں، رات اپنے نصف پہر میں داخل ہو چکی تھی۔

شگفتہ نے پریشان ہو کر ہانپی ہوئی آواز میں پوچھا۔ ”تمہارا گھر کہاں ہے...؟ کیا ہم پیدل پہنچ پائیں گے؟“

”گھر تو میرا دور ہے لیکن ریلوے اسٹیشن قریب ہے، وہاں سے ضرور ہمیں کوئی نیکی میں جائے گی، کیا تم تھک گئی ہو؟“ زینت نے پوچھا۔

”نہیں....! ایسی تو کوئی بات نہیں۔“ شگفتہ نے ہولے سے مسکرا کر کہا لیکن اسے بار بار یہ خیال پریشان کر رہا تھا کہ زینت کی سوتیلی اولاد اسے دوبارہ پاگل خانے والوں کے حوالے کرنے کی کوشش کر سکتی تھی، چنانچہ اس نے تجویز دیتے ہوئے کہا۔ ”میرا خیال ہے آپ جلد بازی سے کام لے رہی ہیں، اگر آپ اپنے گھر جانے کی بجائے میرے ساتھ چلیں تو زیادہ بہتر ہو گا۔“

اس کی بات پر زینت نے چلتے چلتے اس کی طرف دیکھا اور رک گئی پھر چند لمحے نیے سوچتے ہوئے بولی۔ ”بات تو تمہاری ٹھیک لگتی ہے، دراصل مجھے صبح ایک وکیل سے ملاقات کرنا تھی، میرا خیال ہے کہ اپنے گھر جانے سے بہی بہتر رہے گا کہ پہلے تمہارے ہاں چلا جائے پھر اس کے بعد صبح ہوتے ہی میں اپنے وکیل سے رابطہ کر کے اس سے مشورہ کروں گی۔“

یہ فیصلہ کرنے کے بعد دونوں ریلوے اسٹیشن کے قریب پہنچ گئیں، شاید کوئی ٹرین آئے والی تھی، باہر احاطے میں چند یہیکیاں نظر آئی تھی، زینت نے ایک نیکی والے سے کرایہ طے کیا اور پھر دونوں عقیبی سیٹ پر برا جان ہو گئیں، نیکی آگے بڑھ گئی۔

شگفتہ نے اپنے محلے کا پتہ بتایا تھا، نصف گھنٹے بعد نیکی اس کے محلے میں داخل ہوئی اور شگفتہ کے بتائے ہوئے اشارے پر ڈرائیور نے نیکی اندر ہیری کوٹھی کے سامنے روک دی۔

زینت کے پاس کچھ رقم تھی، اس نے کرایہ ادا کر کے اسے فارغ کیا۔

شگفتہ اپنے گھر آ کر بہت خوش تھی، اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ کاں بنیل پر انگلی رکھ دی،

دوسری بار کاں بنیل بجانے پر دروازہ جس نے کھولا تھا، اسے دیکھ کر شگفتہ خوشی کے مارے کھل اٹھی، وہ ناصر تھا، اس کا شوہر جو اسے دل دجان سے چاہتا تھا۔

شگفتہ کو اصل خوشی اس بات کی تھی کہ ناصر نے اپنے وعدے کا پاس کیا تھا اور اس کے ناپیہا بھائی ساجد کو تباہ نہیں چھوڑا تھا۔

”دشش.... شگفتہ.... تم.... اس وقت.... آؤ.... آؤ۔“ وہ حرمت خوشی کے ملے بلط تاثرات سے بولا، پھر زینت کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ ”یہ خاتون کون ہیں؟“

”اندر تو آنے دو پہلے، بتائے دیتی ہوں۔“ شگفتہ نے کہا۔

ناصر نے فوراً انہیں راستہ دیا۔ شگفتہ، زینت کو لئے اندر داخل ہو گئی جبکہ ذرا دیر بعد ناصر بھی گیٹ بند کر کے اندر کمرے میں آگیا، جہاں شگفتہ اور زینت ایک صوفے پر برا جمان ہو گئی تھیں۔

”کیا ساجد سور ہا ہے؟“ شگفتہ نے ناصر سے اپنے بھائی کے بارے میں پوچھا۔

ناصر نے اثبات میں سر ہلا دیا پھر ایک نگاہ زینت پر ڈالنے کے بعد شگفتہ سے قدرے پریشانی سے بولا۔ ”شگفتہ....! تمہیں اچانک یہاں پا کر خوشی بھی ہو رہی ہے اور حرمت بھی.... تم ٹھیک تو ہونا.... وہ کم جنت تھانیدار بتارہ تھا کہ تمہیں پاگل خانے چھج دیا گیا ہے۔“

”ہاں....! شکر کر کوئہ میں ان کی مدد سے فرار ہو کر یہاں تک آں پہنچ ہوں۔“ شگفتہ نے ایک گھری سانس لے کر کہا اور پھر ناصر کو ساری بات بتادی، زینت کے بارے میں بھی اسے تفصیلاً آگاہ کر دیا۔

ناصر نے بغور شگفتہ کی باتیں سنیں پھر زینت کی طرف دیکھ کر ممنون یہجہ میں بولا۔ ”آپ نے واقعی ہم پر احسان کیا ہے، بہن جی....! اب فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، میں سب سنجھاں لوں گا۔“

ناصر کی بات سن کر زینت نے اس سے کہا۔ ”ناصر بھائی....! خطہ ابھی سر سے ملانہیں ہے، میں اور شگفتہ دونوں ہی تقریباً ایک ہی قسم کی سازش کا شکار ہوئے ہیں، ہم دونوں کو ہی سوچی سمجھی اور گھری منصوبہ بندی کے بعد زبردستی پاگل خانے میں داخل کر دیا گیا تھا لیکن میں نے فیصلہ کیا تھا کہ ٹھیج ہوتے ہی میں اپنی ایک بچپن کی گھری سیکھی کے ہاں جاؤں گی، وہ بہت اچھی وکیل ہیں، مجھے امید ہے کہ وہ ہماری ضرورت مدد کرے گی۔“

ناصر نے کہا۔ ”وہ تو ٹھیک ہے لیکن میرا خیال ہے شگفتہ کو اب کسی وکیل کی ضرورت نہیں

ورنہ تم دونوں کو تیور صاحب کی موت کے فوراً بعد ہی مجھ سے ملنا چاہئے تھا، خیر.... جو ہوا مجھے اس کا رنج ہے، تیور نے شاید اپنی بیٹی شنگھنہ کو میری پار پر صحیح کرنے کے پار ہو دیا اسیم پات نہیں تھی کہ جب بھی اس کا بدروج سے سامنا ہو تو وہ خود پر قابو رکھے، کیونکہ ابھی اس کے اندر وہ طاقت نہیں ہے کہ وہ خود سے کوئی گھل کھلا سکے، پھر میں نے ایک تعویذ بھی دیا تھا، اس کے ہوتے ہوئے کیا جال کہ وہ بدروج تم لوگوں کا کچھ بگاڑ سکے، وہ تعویذ اب کہاں ہے؟“ بیانے پوچھا۔

ساجد نے پریشان ہو کر کہا۔ ”بابا....! اس کا تو ہمیں علم نہیں، دراصل ہم چند نوں سے پے در پے کچھ ایسے پریشان کن حالات کا شکار ہیں کہ ہمیں اس کی طرف دھیان ہی نہیں رہا۔“

اس کی بات سن کرنا تالی والے بیانے کہا۔ ”تم لوگوں کی انی بدو حواسیوں اور پریشانیوں سے وہ بدروج ہر بار فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتی رہتی ہے کیونکہ اس کا مقصد یہی ہے کہ وہ تم سب کو اس قدر پریشان اور حواس باختہ رکھے کہ تم اس کی ہلاکت کا کوئی سامان نہ کر پاؤ۔“

”مگر بابا....! اب ہمارے لئے آپ کی کیا صحیح ہے، اب تو میرے ابو بھی اس دنیا میں نہیں رہے، خود میں بھی نا بینا ہو گیا ہوں، شفقتہ بہن کو الگ پولیس والے نک کرتے رہتے ہیں، اس بے چاری کو قوانینوں نے پاگل خانے پہنچا کر ہی چھوڑا، وہ تو بھلا ہواں نیک عورت کا جس نے میری بہن کو کسی نہ کسی طرح پاگل خانے سے فرار کر دیا، مگر وہ پریشانی اب بھی ختم نہیں ہوئی ہے، وہ دونوں اب کسی وکیل سے مشورہ کرنے کے لیے گئی ہوئی ہیں، آپ ان کی کامیابی کے لیے دعا کریں۔“

”اللہ انہیں اپنے مقصد میں ضرور کامیاب کرے گا۔“ بیانے جلالی لجھ میں کہا۔ ”لیکن تمہیں اس سیکھر مسئلے پر زیادہ توجہ دینی چاہئے، اس بدروج کی تاریخ اور اس کا ماضی اس قدر قدیم ہے کہ مجھے روزانہ اس کی آگاہی حاصل کرنے کے لیے بڑی جانشنازی کے ساتھ چل کشی کرنا پڑتی ہے، راتوں کو جاگ جاگ کر وظائف پڑھتا ہوں لیکن اتنی عرق ریزی اور محنت کے باوجود ہمارے لئے بھی ”دلی ہنوز دور است“ وائی بات ثابت ہوئی ہے یعنی ہمیں بھی محض مرحلہ وار اور بہت تھوڑی جانکاری مل پائی ہے، جس سے تم لوگ اندازہ لگا سکتے ہو کہ یہ بدروج کس قدر مہ اسرار ہے لیکن ہمیں اللہ کی ذات پر پورا بھروسہ ہے، وہ ہمیں اس غبیث روح کو نیست و نابود کرنے کی ضرورتوں فیق اور طاقت عطا کرے گا جو کمزور اور بے گناہ انسانوں کے لیے وہاں جان بنی ہوئی ہے، مگر ہمارے لئے بھی پریشانی کی اصل وجہ تھی ہے کہ ہمارا علم کا مل تو ہے مگر اس کی رفتار

رہی، میں اپنے ماموں کو سمجھا دوں گا۔“

”یہ تمہاری بگوئی ہوگی۔“ زینت نے نہایت سنبھیگی سے کہا۔ ”مگر نہ نہیں تھی اپنے مہ اسرار حالات کے بارے میں آگاہ کر دیا ہے، اس کے ہاتھوں نہ صرف تم مضر و بہت ہوئے تھے بلکہ اور بھی بہت سے لوگ ہوئے ہیں، جن میں ان کی والدہ بھی اپنی جان سے ہاتھ دھوٹی بھی ہیں حالانکہ میر اعمالہ اتنا زیادہ حساس نویعت کا نہیں ہے، مگر شفقتہ کے خلاف جرم ثابت ہو چکا ہے اور یقیناً تھا نے میں اس کا ریکارڈ بھی مع گواہوں کے موجود ہو گا، درحقیقت مجھے اپنے سے زیادہ شفقتہ ہی کی فکر ہے، ہمیں ضرور کچھ سے ملنا ہو گا۔“

اس کی بات سن کر شفقتہ نے ناصر سے کہا۔ ”ناصر....! زینت بہن نھیک کرہ رہی ہیں، ہمیں اپنے دفاع کے لیے ضرور کچھ سے کچھ کرنا چاہئے۔“

شفقتہ کے اصرار پر ناصر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اگلے دن یہ لوگ صحیح بیدار ہو گئے، ساجد اپنی بہن کو پا کر بہت خوش ہوا، زینت نے بھی ساجد سے ملاقات کی، وہ ساجد سے پانچ سال بڑی تھی، اسے ساجد کی حالتِ زار پر بہت افسوس ہوا تھا، وہ سوچنے لگی کہ ابو بھی اس بے چارے کی عمر ہی کیا ہے، جوانی میں ہی بے چارہ نا بینا ہو گیا تھا۔

بہر طور ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہو کر یہ لوگ سر جوڑ کر بیٹھ گئے اور یہ فیصلہ کیا کہ شفقتہ اور زینت توکیل صاحبہ کی طرف روانہ ہو جائیں گی جبکہ ناصر اور ساجد تالی والے بابا سے جا کر ملاقات کریں گے کیونکہ انہیں بھی تازہ صورت حال سے آگاہ کرنا ضروری تھا۔

چونکہ یہ چاروں بیک وقت عجیب و غریب حالات کا شکار تھے، اس لئے ان مختلف حالات پر تقابو پانے کے لیے یہ لازمی تھا کہ بیک وقت الگ الگ ستون پر عمل پیرا ہوں لہذا شفقتہ اور زینت کو ایک لیکسی میں روانہ کرنے کے بعد ناصر اور ساجد بھی تالی والے بابا سے ملنے کے لیے روانہ ہو گئے۔

☆=====☆

وہ دونوں تالی والے بابا کے پاس پہنچے اور جب انہیں ساری صورت حال سے تفصیل آگاہ کیا تو انہیں تیور کی اندوہناک موت پر بہت رنج ہوا، پھر وہ چند ثانیے کی پُر سوچ خاموشی کے بعد چھٹے لجھ میں بو لے۔ ”شاہید تم لوگوں کو بھی تک حالات کی نزاکت اور خطرناکی کا اندازہ نہیں ہے

واں اس بدروح کا ناپاک مردہ وجود فن ہے اور ہماری کوشش یہ ہے کہ اس بدروح کو واپس اس کے ملن تک جانے پر مجبور کیا جائے، اس کوئی کوآباد کرنے کا ایک اہم مقصود ہمارا یہی ہے کہ اس کا مدفن محفوظ رہے، جب تک ہم اس بدروح کو واپس اس کے مدفن تک محصور نہ کر دیں۔ ”وہ اتنا بتا کر خاموش ہو گئے۔

ساجد نے قدرے بے چینی سے پوچھا۔ ”بابا....! اس کے بعد کیا پھر ہمیشہ کے لیے ہماری اس بدروح سے جان چھوٹ جائے گی؟“

”ہاں....! مگر ایک حد تک۔“ بابا نے کہا پھر خود ہی بتانے لگے۔ ”فی الحال اتنا بھی ہو جائے تو سمجھو نصف سے زیادہ کامیابی حاصل ہو جائے گی یہیں....! اس کے بعد یہیں ایک اور کٹھن عمل کرنا پڑے گا تا کہ وہ ہمیشہ کے لیے عالم بزرخ میں چلی جائے۔“

”بابا....! آخر پر سب کس طرح ممکن ہو گا؟“ ناصر نے پوچھا۔

بابا بتانے لگے۔ ”سردست یہیں اتنا ہی اشارہ ملا ہے کہ یہیں سب سے پہلے اس بھادر اور نیک انسان کی روح سے رابطہ کرنا ہو گا، جس نے اس شیطان کو ہلاک کیا تھا، وہ یقیناً اس بدروح کے ماضی سے واقف ہو گا نیز اس کے پاس یقیناً ایسی طاقت ہو گی جس کی بناء پر اس نے ایک طاق تو شیطان کو موت کے گھاث اتارتا ہے، میں نے بہت کوشش کی کہ اس نیک روح سے رابطہ ممکن ہو سکے مگر افسوس کہ یہیں اب تک ناکامی ہوئی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہیں اتنا معلوم ہوا کہ ”بھیراں“ نامی ایک گاؤں ہے جہاں وہ نیک اور بھادر ہستی پیدا ہوئی اور وہیں اس کی قبر بھی ہے، اس نیک اور بھادر انسان کا نام بھی یہیں معلوم ہو چکا ہے، بھادر زمان شاہ نام تھا اس کا....! اس شیطان کا خاتمہ کرنے کے بعد وہ بے چارہ اپنی زندگی بھی ہار بیٹھا تھا، اس لئے لوگوں نے اسے ”شہید نیک شاہ“ کے خطاب سے نوازا، اگرچہ اس خوفناک اور خوزری زد اعلیٰ کوئی سو برس بیت چکے ہیں اور بیشتر لوگ اس واقعہ کو ہی نہیں بلکہ ”شہید نیک شاہ“ کو بھی دھیرے دھیرے فرماوش کرنے لگے ہیں، یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ شہید نیک شاہ اور اس کے ماضی سے متعلق جانے والے کیا بھی اس گاؤں میں موجود ہوں گے، ہو سکتا ہے یہیں یہ خوفناک داستان چلی آری ہو اور کوئی واقف ہو..... بھر حال....!“ بابا نے چند لمحے توقف کیا پھر اصل بات کی طرف آتے ہوئے بولے۔ ”بھیراں نامی وہ گاؤں شاہ پور کے جنوب میں واقع ہے، چونکہ بھادر زمان شاہ کا تعلق تیور صاحب کے خاندان سے تھا، اس لئے اب تیور صاحب کی اولاد ہی اس بدروح کا خاتمہ کر سکتی

بہت سُست ہے، اس سے خدشہ ہے کہ جب تک ہم پوری طرح آگاہی حاصل کر سکیں تو اس بدروح کو کل کھلانے کا موقع ملتا رہے گا لیکن اگر تم لوگ ہوش مندی اور بھادری کا مظاہرہ کرو تو تم ازکم اتنا ضرور ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے عزم میں ناکام رہے اور ادھرتبا تک ہم اس کی پوری طرح اصلیت جان سکیں۔“ تاہلی والے ببا اتنی صراحت کرنے کے بعد ذرا خاموش ہوئے۔

ناصر نے پہلی بار لب کشائی کرتے ہوئے کہا۔ ”بابا....! تیور صاحب تو اب اس دنیا میں نہیں رہے، آپ اب ہماری رہنمائی کریں، ہم آپ کی بہایات اور نصیحتوں پر حرف بہ حرف عمل کرنے کی کوشش کریں گے، آپ نے اب تک اپنی طویل ریاضتوں سے کچھ نہ کچھ تو اس بدروح کی حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کی ہوگی، آخر وہ کس طرح نابود ہو گی؟“

تاہلی والے ببا بولے۔ ”ان شاء اللہ ایسا جلد ہو گا۔“

”آمین....!“ ساجد اور ناصر نے زر لب دعا سیئے کہا۔ پھر ناصر کو اچانک کچھ یاد آیا اور اس نے دوبارہ پوچھا۔ ”بابا....! آپ نے تیور صاحب کو اندر ہیری کوئی میں رہائش اختیار کرنے کا مشورہ بھی دیا تھا، اس کی کوئی خاص وجہ تھی؟“

”ہاں....! یہ بہت ضروری تھا۔“ بابا نے قدرے گونجدار آڈاز میں کہا۔ ”میں نے تو ان سے یہ بھی کہا تھا کہ اوپری منزل بھی غالی نہیں وہی چاہئے، اس کوئی کو پوری طرح آباد رہنا چاہئے، اسے دیران نہیں کرنا ہے، وہاں زندگی کی گہما گہما اور چلپ چلپ ہونی چاہئے۔“

ان کی بات سن کر ساجد نے کہا۔ ”لیکن بابا....! اس شیطانی روح نے تو وہاں بھی ہماری زندگی اجیرن کر کے رکھ دی تھی حتیٰ کہ اب کو بھی اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑے۔“

”اس میں بھی شکفتہ کا ہی قصور تھا۔“ بابا نے فوراً کہا۔ ”حالانکہ میں نے اچھی طرح یہ بات سمجھائی تھی کہ جب بھی وہ بدروح اپنے خبیث اور ڈرائے نے روپ میں ظاہر ہو تو خود پر قابو پانے کی کوشش کی جائے، خوف جب عروج پر پہنچ جاتا ہے تو جون کی صورت اختیار کر لیتا ہے، اور انسان کو ہشریائی دورے پڑتے ہیں جو اپنے لئے اور دوسروں کے لیے بھی خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں۔“

”ٹھیک ہے بابا....! ہم سے غلطی ہو گئی، اب ہم اس بات کا آئندہ خیال رکھیں گے، آپ یہ بتائیں کہ اب ہم کیا کریں؟“ ناصر نے پوچھا۔

بابا ایک گہری سانس لے کر بولے۔ ”اس اندر ہیری کوئی کوئی آباد کرنے کا اہم مقصد یہ ہے کہ

ساری تفصیل بغور سننے کے بعد ایڈ و کیٹ خالدہ نے مسکرا کر زینت سے کہا۔ ”ارے بھتی میں تو سمجھی تھی کہ کوئی پیچیدہ اور مشکل کیس ہو گا یہ تو سیدھا سادا عام سماکیس ہے۔“

”بھتی تمہارے لئے تو سادہ اور آسان کیس ہو گا مگر ہمارے لئے تو دریسر ہے، اب اس کا حل بھی بتاؤ۔“ زینت نے بھتی دوستانہ بے تکفی سے کہا۔

وہ بولی۔ ”میں بھتی کسی اچھے سے میڈی یکل اپیٹیشن اور ایک سائیکل ٹرست سے تم دنوں کے میڈی یکل سرٹیفیکیٹ کا بندوبست کئے دیتی ہوں، قصہ ختم...!“

اس کی بات سن کر زینت اور شفقت کوڑا ڈھارس ہوئی اور وہ مطمئن نظر آنے لگیں، لیکن بھر ایڈ و کیٹ خالدہ نے پُر سوچ لجھ میں زینت سے کہا۔ ”شفقت کا معاملہ تو زیادہ سمجھنے نہیں ہے کیونکہ اس کا شوہر اس کا پورا پورا ساتھ دے رہا ہے لیکن زینت....! تمہارے لئے یہ صورت حال خطرناک بھتی ہو سکتی ہے کہ تم اپنے شوہر کی وفات کے بعد اپنی سوتیلی اولاد کے درمیان رہو اور بقول تمہارے وہ سب تمہاری جان کے دشمن بن چکے ہیں، ان حالات میں تمہیں وہاں ان کے ساتھ ہرگز نہیں رہنا چاہئے۔“

اس کی بات سن کر زینت بھتی کچھ سوچنے پر مجبور ہو گئی پھر بولی۔ ”تم ہی بتاؤ....! پھر میں کیا کروں؟ کہاں جاؤں....؟ نقد حصہ تو میرے اکاؤنٹ میں جمع ہو چکا ہے جبکہ کوئی میں بھتی میرا حصہ ہے، میں اس سے بھی دستبردار ہونے کو تیار ہوں لیکن میں اپنے مرحم شوہر کا پورا کاروبار سنبھالے ہوئے ہوں، وہ کروڑوں کا کاروبار ہے، میرے شوہرنے اسے دن رات ایک کر کے ترقی کی منزل تک پہنچایا ہے، چونکہ میں نے ایک بی اے کر کھا تھا اور تھوڑی بہت سوچھ بوجھ رکھتی تھی، اس لئے میرے شوہرنے مجھے کاروبار میں لگا دیا اور مجھے عہدہ بھی دے دیا تاکہ میں باقاعدہ طریقے سے کام کر سکوں، یہ بھی حقیقت ہے کہ انہوں نے اس سے پہلے اپنے دو بیٹوں مشتاں اور اظہر کو کاروباری سوچھ بوجھ سمجھانے کی کوشش کی تھی مگر وہ ایک نمبر کے ہدھرام نکلے، انہوں نے بالکل دچکی نہ لی جس کا انہیں آخری وقت تک دکھتا، اگرچہ مشتاں اور اظہر بیاپ کے ساتھ دفتر جایا کرتے تھے مگر امان اللہ کو جلد ہی ان کی نا انبالی اور عدم دچکی کا احساس ہو گیا تھا، انہوں نے خود مجھ سے انتہائی مایوسی کے عالم میں کہا تھا کہ ان کے دنوں بیٹے بالکل نکلے ہیں، وہ اس کے مرنے کے بعد کاروبار کو مزید ترقی دینا تو کجا اس کی موجودہ ساٹ کو بھی برقرار رکھنے کی البتتی نہیں رکھتے تھے، البتہ وہ مجھ سے بالکل مطمئن تھے، اب تم بتاؤ خالدہ کہ میں کاروبار سے کیسے الگ ہو سکتی ہوں؟“ وہ

ہے، اور وہ بدر جو بھتی اس نے شہید نیک شاہ کے سارے خاندان سے انتقام لے رہی ہے، یہ سلسلہ نہ جانے کتنی نسلوں تک اچلے گا، بھتی سبب تھا کہ اس بدر جو نے اپنے دشمن شہید نیک شاہ کی سلسلہ اور خاندان سے بعلق رکھنے والے اب تک نو خاندانوں کو اپنے انتقام کی بھیث چڑھا دیا ہے اور تیمور کے خاندان کا دسوال نمبر ہے اور بد قسمی سے وہ اس خاندان کو بھتی اپنے ازلی انتقام کا ناشانہ بنا چکی ہے، اس نے اب اس شیطان کی بدر جو کا خاتمہ بھتی صرف اس خاندان کا کوئی بھادر فرد کر سکتا ہے، لہذا اب ساجد یا شفقت کو بھیراں نا می گاؤں جا کر اس شہید نیک شاہ کی قبر تلاش کر کے اسے وہاں حاضرات کا عمل کرنا ہو گا، اب اس کی نیک روح ہی اس بدر جو کے خاتمے کے بارے میں ہمیں آگاہ کر سکتی ہے، بس اب بھتی ایک آخری صورت ہے اب تم جانو اور تمہارا کام.... ہمارا کام یہاں ختم ہوا۔“ ناہلی والے ببا اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے۔

ساجد نے یک دم پوچھا۔ ”بابا....! مگر یہ حاضرات کا عمل ہمیں کون بتائے گا؟“

جو بابا بانے کہا۔ ”اس میں کسی خاص مشکل عمل کی ضرورت نہیں صرف باوضو ہو کر شہید نیک شاہ کی قبر کے پاس بیٹھ جانا اور تم بارا پسے اس نیک مقصد کے بارے میں قدرے بلند آواز سے ان کا نام لے کر انہیں آگاہ کرنا، آگے تمہارا کام آسان ہو جائے گا، مگر یاد رکھنا یہ کام صرف تم یا تمہاری بھن شفقت ہی کر سکتی ہے، اب جاؤ اور حتی جلد ممکن ہو سکے یہ کام کر ڈالو۔“ اتنا کہہ کر ناہلی والے ببا دوبارہ آنکھیں موندے عبادت الہی میں مصروف ہو گئے۔ ساجد اور ناصر وہاں سے واپس آگئے۔

☆ ===== ☆

زینت، شفقت کے ساتھ اپنی جس دوست وکیل کے پاس پہنچی تھی، اس کا نام ایڈ و کیٹ خالدہ تو فیض تھا، وہ بینیتیں چالیس سالہ ایک دبگ خاتون نظر آتی تھی، اسے دکالت کی پریکش کرتے ہوئے اگرچہ سات آٹھ برس ہی ہوئے تھے لیکن اس کے کریڈٹ میں خاصے پیچیدہ اور مشکل کیسوں کی کامیابیاں تھیں، اس نے اب تک بے داغ پیشہ و رانہ زندگی گزاری تھی، اس کا شوہر توفیق احمد ایک ایماندار اور فرض شناس پولیس انسپکٹر تھا۔

بہر طور وہ اپنی پرانی اور بچپن کی سیکلی زینت کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔

زینت نے اسے اپنے اور شفقت کے گیئر مسئلے کے بارے میں تفصیل سے آگاہ کر دیا، اور شفقت کے کہنے پر اس نے شفقت سے متعلق پہ اسرار حالات کو حذف کر دیا تھا۔

اتا بتا کر خاموش ہو گئی۔

ایڈو وکیٹ خالدہ نے چند ثانیے پر سوچ خاموشی کے بعد پوچھا، ”تمہارے شہر امام، اللہ کا کس طرح انقلاب ہوا تھا؟“

”وہ بھارت کے مریض تھے، انہیں ایک روز بھارت اٹھ کر اتھا ہوا تھا، یہ دوسرا ایک تھا جس سے وہ جانش نہ ہو سکے تھے۔“ زینت نے مغموم لمحہ میں بتایا۔

”اوہ.... اویری سید....!“ ایڈو وکیٹ خالدہ نے گلہ تاسف ادا کیا پھر بولی۔ ”اب تم ایک کام کر سکتی ہو، روپے پیسے کی تھیں کمی نہیں ہے، تم کاروبار سنگھاتی رہو بالستہ اپنی رہائش فوراً الگ کر لو، یہی ایک بہتر طریقہ ہے۔“

”ہاں....! تمہاری یہ بات ٹھیک لگتی ہے....!“ وہ کچھ کہتے کہتے رکی۔

ایڈو وکیٹ خالدہ اس کی ادھوری بات کا مطلب سمجھتے ہوئے مسکرا کر بولی۔ ”تم فرمات کرو زینت امان....! اگر تمہیں تمہاری سوتیل اولاد تنگ کرنے کی کوشش کرے تو مجھے بتادینا، یہ میرا کارڈ ہے، اس میں میرے آفس کے میلیون نمبر کے علاوہ میرے ذاتی موبائل کا نمبر بھی ہے۔“ یہ کہتے ہوئے ایڈو وکیٹ خالدہ نے ایک وزینگ کارڈ اسے تھاڈایا۔

ٹھوڑی دیر بعد اس نے اپنے اثر و رسوخ کے ذریعے فوری طور پر اپنے ریمارکس کے ساتھ شگفتہ اور زینت امان کو الگ الگ میڈیا یکل سری ٹیکٹ کا بندوبست بھی کرادیا، علاوہ ازیں اس سے پہلے محض خانہ بھی کے لیے ان دونوں سے ایک وکالت نامے پر دستخط بھی لے لئے۔

”خالدہ....! تم نے تو آج دوستی کا حق ادا کر دیا، میں کس منہ سے تمہارا شکریہ ادا کروں؟“ زینت نے بڑے منون لمحہ میں اس سے کہا۔

وہ مسکرا کر بولی۔ ”شکریہ کی کوئی بات نہیں، دوستی کے ناتے کم از کم اتنا تو میرا فرض بنتا تھا۔“

”اچھا انپی فیس بتا....! بھی تو میرے پاس میں نہیں ہیں کیونکہ میں تو پاگل خانے سے فرار ہو کر سیدھی تمہارے پاس آئی ہوں۔“

”رہنے والے بھی فیس....! پہلے تم اپنی الگ ہائش کا انتظام کرو اور کاروبار سنگھالو اور ہاں، تمہیں اب مختار رہنے کی ضرورت ہے، میں اپنے شوہر توفیق احمد سے بھی کہلوادوں گی تاکہ پولیس تم دونوں کو دوبارہ تنگ نہ کرے۔“

اس کے بعد شگفتہ اور زینت واپس اندر ہی کوٹھی لوٹ آئے، وہاں ساجد اور ناصران سے  
زور بڑی پہلے ہیں ہاتھ دے اے بابا۔ میں میں میں کر لاؤ۔ آج تھے۔

ان چاروں نے ایک دوسرے کو اپنی اپنی کارگزاریوں سے آگاہ کر دیا۔  
ساجد نے کہا۔ ”اب ناہلی والے بابا کی ہدایت کے مطابق ہمیں سب سے پہلا کام یہ کرنا  
ہو گا کہ اوپری منزل کو آباد کرنا ہو گا۔“

”لیکن اس آسیبی کوٹھی میں کون فیبلی رہنے کو تیار ہو گی؟ بالفرض محل دور پرے کی کوئی فیبلی  
رضا مند ہو بھی گئی تو مجھے پورا یقین ہے کہ وہ بدروج اپنے شیطانی روپ میں آکر انہیں بھی ستائے  
گی اور کرانے داروں کو بھاگنے پر مجبور کر دے گی، جس طرح اس سے پہلے ہوتا آیا ہے۔“ شگفتہ  
نے کہا۔

زینت امان بولی۔ ”لو یہ کوئی مسئلہ ہے، میں جو ہوں، ویسے بھی میرے لئے یہاں رہنا  
زیادہ مناسب ہو گا، میں نے شگفتہ کو اپنی بہن بنالیا ہے اور پھر تم لوگ بھی میرے حالات سے  
واقف ہو، میں اوپری منزل میں رہ لیتی ہوں لیکن صرف اس شرط پر کہ میں اس کا باقاعدہ کرایہ ادا  
کروں گی۔“

ساجد، زینت کو دیکھتے تو نہیں سکتا تھا لیکن اس کے کانوں کو زینت کی متزمم آواز بہت بھلی گئی  
تھی، اسے زینت کے دکھ کا بخوبی علم تھا۔

ادھر شگفتہ نے زینت سے کچھ کہنا چاہا تو ناصر بول پڑا۔ ”چلواب یہ مسئلہ بھی زینت بہن کی  
وجہ سے حل ہوا، اب ہمیں اصل مسئلے کی طرف توجہ دینی چاہئے، ہمیں ناہلی والے بابا کی ہدایت کے  
مطابق فوراً بھیراں ناہی گاؤں کی طرف نکلنا ہو گا۔“

”ناصر بھائی....! یہ کام ہم دونوں انجام دیں گے۔“ ساجد نے فوراً کہا۔

شگفتہ اس سے بولی۔ ”بھائی....! تم ادھری رہنا، میں اور ناصر اس میں نہیں۔“  
ناصر نے کہا۔ ”اب تم دونوں بہن، بھائی مشورہ کر لو آپس میں کہ کون میرے ساتھ جائے گا  
کیونکہ تم دونوں میں سے کسی ایک کو میرے ساتھ چلانا ہو گا۔“

اب مسئلہ یہ تھا کہ اگر ساجد ناصر کے ساتھ جاتا ہے تو زینت اور شگفتہ گھر میں ایکیں ہوتی  
ہیں، اس پر مستزاد، زینت کو اپنے دفتر بھی جانا ہوتا اور یقیناً اس کی واپسی شام گئے ہوتی۔  
اگر ساجد رہتا تو بھی یہ مسئلہ تھا کہ وہ بے چارہ ناپینا تھا، اگرچہ وہ کہیں باہر آ جاتا تو نہیں سکتا تھا

پہلے وہ تھکا وٹ اور نیند بھی محسوس کر رہی تھی مگر اب تو جیسے نینداں کی آنکھوں سے کوسوں دور ہو چکی تھی، اسے جانے کیوں بے چینی سی بھی محسوس ہو رہی تھی۔

اچانک اسے ایک ہلاکا ساحل کا محسوس ہوا یوں جیسے کسی نے بید کو زور سے ہلایا ہو، یہ جھٹکا اس قدر واضح تھا کہ زینت اسے اپنے ہم پر بھی محول نہیں کر سکتی تھی، وہ گھبرا کر اٹھ چکی۔

معاہدی دوبارہ جھٹکا لگا اور پھر تو جیسے بید یوں مسلسل ہلے لگا جیسے زلزلہ آگیا ہو، زینت بھی یہی سمجھی تھی لیکن پھر اس نے دیکھا کہ زلزلے میں تو دیواریں اور آس پاس پڑی دیگر اشیاء بھی تھر کئے لگتی ہیں تو اسے اچھنا ہوا اور پھر دوسرے ہی لمحے اس نے اپنے بید کو دھیرے دھیرے فضائیں اٹھتے دیکھا، اب تو زینت کو جیسے سکتہ ہو گیا اور اس کی ساعتوں میں بدروج والی کہانی گو نہیں لگی۔

خوف کے باعث وہ تھر تھر کا پنچے لگی، وہ پینے سے شرابوں ہو گئی اور سر ایسہ نگاہوں سے دامیں باعیں دیکھنے لگی، مگر اسے کوئی نظر نہ آیا، مارے دہشت کے اس سے چینا بھی نہیں جا رہا تھا کہ کم از کم بید پر سے ہی چھلانگ لگا دیتی۔ بید کو جیسے کسی غیر مریٰ قوت نے فضائیں معلق کر رکھتا تھا اور پھر اچانک جیسے اسے چھوڑ دیا گیا۔

ایک دھماکے سے بھاری بھر کم بید دوبارہ زمین پر آ رہا، اس بار زینت کے حلق سے غیر ارادی سی جیچ خارج ہو گئی اور وہ تیزی سے بید پر سے اچھل کر دروازے کی طرف دوڑی، وہ بڑی طرح خوف زده اور اس سے زیادہ بدحواس ہو رہی تھی، پھر اس نے جیسے ہی کمرے کا دروازہ ہکھلا تو سامنے اسے ایک سرتاپا سفید لٹھنے کے کفن میں ملفوظ شخص کھڑا نظر آیا مگر وہ شخص نہ تھا، وہ تو کوئی بھی ایک چہرہ تھا اسی بھیا کمک اور شیطانی مخلوق کا چہرہ..... بغیر پوٹوں والی بڑے بڑے ابرو والی ڈیلوں کی سرخ انگارہ آنکھیں....ناک کی جگہ دوسرا خ، ہونٹ کئے ہوئے اور دو بڑے بڑے دانت جھانک رہے تھے، دوشاخہ زیبان بھی سانپ کی طرح لپ لپا رہی تھی۔

زینت کا جیسے دل دھڑکنا بھول گیا، وہ دم بخود کھڑی، پھٹی پھٹی دہشت زدہ نظروں سے اس کفن پوش بھیا کمک انسان کو تکے جا رہی تھی۔

اسی وقت اس بھیا کمک کفن پوش مخلوق نے غرا کر زینت سے کہا۔ ”اپنی زندگی چاہتی ہو تو یہاں سے چلی جاؤ درنہ جان سے چلی جاؤ گی۔“ اس کے ساتھ ہی وہ بھیا کمک چہرے والی مخلوق غائب ہو گئی، مگر اب زینت اپنے آپ میں کہاں تھی، اس کا دماغ ماؤف ہونے لگا اور پھر دوسرے بید پر لیٹتی تھی اور دونوں ہاتھ سینے پر تھے مگر اسے جانے کیوں نہیں آ رہی تھی، حالانکہ اس سے

لیکن گھر کے اندر خود کو سنبھال سکتا تھا مگر اس بدروج کا دھڑکا لگا رہتا اور پھر زینت اور ساجد کی کوئی میں تنبا موجو گی کہ بھی۔ ملکا ناٹے اچھی نہیں ہے سڑکیتے، چنانچہ چند رور نزدیک اس سونق و بچار تین لگ گئے۔

اس دوران زینت نے دفتر آنا جانا شروع کر دیا تھا، ایڈو و کیٹ خالدہ اور اس کے پولیس اسپکٹر شوہر تو قیض احمد کی وجہ سے پولیس کا مسئلہ بھی حل ہو گیا تھا۔

زینت ایک روز ایڈو و کیٹ خالدہ اور اس کے پولیس اسپکٹر شوہر تو قیض کے ہمراہ اپنی کوئی جا کر اپنا سارا ضروری سامان سیست کر اندر ہیری کوئی میں شفت ہو چکی تھی۔

زینت اب ان میں گھل مل گئی تھی، یہاں وہ خود کو بھی ایک فیملی ممبر ہی تصور کرنے لگی تھی۔ ادھر نا صر نے بھی ناراضی کے باوجود اپنے ماموں شفقت کو تہانہ چھوڑا تھا، وہ ان کی اب بھی دکان سنبھالتا تھا اور رات کو گھر آتا تھا۔

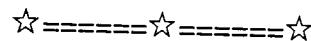
زینت شام چھسات بجے تک گھر پہنچ جاتی تھی، رات کا کھانا یا لوگ سب اکٹھے ہی کھایا کرتے تھے، نصف گھنٹے بعد چائے اور باتوں کا دور چلتا، گفتگو کا حور بھیراں نامی گاؤں کی طرف رو گئی ہی ہوتا، زینت کو بدروج سے ذرا بھی دلچسپی نہ تھی، پچی باتیں یہ تھی کہ اسے آج تک یقین ہی نہیں آیا تھا کہ کوئی بدروج ان کے خاندان کے خون کی پیاسی ہو رہی تھی مگر زینت ساجد کی وجہ سے بیٹھی رہتی تھی اور شامل گفتگو رہتی تھی۔

اسے یہ بانکا بھیلانو جوان اچھا لگتا تھا، بھی دلی کیفیت ساجد کی بھی ہو رہی تھی۔ اس روز رات کو حسب معمول زینت اور پری منزل میں اپنے کمرے میں سونے کے لیے آئی تو ٹھنک گئی، کمرے کی تی روشن تھی اور دروازہ بھی تھوڑا کھلا ہوا تھا، اس نے سوچا کہ ہو سکتا ہے وہ دن میں دروازہ کھلا اور لائٹ جلی چھوڑ گئی ہو گی الہادوہ کمرے میں داخل ہوئی، شب خوابی کا لباس پہنانا اور بید پر دراز ہونے سے پہلے اس نے لائٹ آف کرنے کے لیے سونچ بورڈ کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اسے حیرت کا شدید جھککا لگا، لائٹ کا سونچ آف تھا مگر بتی جل رہی تھی۔

”کمال ہے بیٹن تو آف ہے مگر یہ لائٹ کیسے جل رہی ہے؟“ وہ حیرت سے بڑی بڑی۔ ”شاید سونچ خراب ہو گا۔“ یہ سوچ کر اس نے بیٹن آن کر کے دیکھا تو لائٹ آف ہو گئی۔ وہ خود ہی ہنس دی اور بید پر آ کر لیٹ گئی۔ کمرے میں زیر و پاور کا سبز بلب روشن تھا۔ زینت پشت کے بل بید پر لیٹتی تھی اور دونوں ہاتھ سینے پر تھے مگر اسے جانے کیوں نہیں آ رہی تھی، حالانکہ اس سے

یوں اندر ہی اندر پل کے پل تیار ہونے والی منصوبہ بندی کی موقع کامیابی کے احساس  
تلے پر اختیار اس کے لبوں سے بڑا ہٹ ابھری۔

”اوہ...! مجھے تو اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہئے بھرپور فائدہ...! کیونکہ وہ بدر جو  
بہر حال میری دشمن نہیں ہے اور نہ ہو سکتی ہے، کیونکہ میں تیمور کے خاندان یا شہید نیک شاہ کے  
خاندان سے بہر حال کوئی تعلق نہیں رکھتی ہوں۔“ یہ سوچ کر اس کی آنکھوں میں یک ایک  
مُہ اسرار چمک ابھری تھی۔



زینت نہاد ہو کر نیچے آئی، ناشتے کی میز پر سب موجود تھے، زینت نے دانتہ رات والے  
خوفناک واقعہ کسی سے ذکر نہ کیا تھا، ناشتے کے دوران، ہی یہ پروگرام ملے پا گیا کہ بھیرال نامی  
گاؤں والی ہم کو اب تھمی شکل دے دینی چاہئے۔ زینت بھی یہی چاہتی تھی، چنانچہ اس نے بھی اس  
بات پر زور دیا کہ ناصر اور ساجد کو فوراً بھیرال گاؤں کی طرف نکل جانا چاہئے، ہی بات شفقت کے  
تہاں شام تک گھر رہنے کی تو اس سلسلے میں اس نے بھی تجویز پیش کی کہ اسے ہر روز اپنے ہمراہ دفتر  
لے جایا کرے گی۔

چنانچہ یہ مسئلہ حل ہوتے ہی اگلے دن علی الصباح ناصر اور ساجد گاؤں کے لیے نکل گئے۔  
وہ دونوں ایک ٹرین کے ذریعے رات آٹھ بجے شاہ پور پہنچے، یہاں سے بھیرال جانے کے لیے  
انہیں ایک دوسرا گاڑی پکڑنی تھی جو ریل کار تھی۔

یریل کار شاہ پور رات بارہ بجے پہنچتی تھی چونکہ لوکل ٹرین تھی اس لئے پورے تمیں گھٹتے  
لگاتی تھی۔

ساجد اور ناصر نے جب شاہ پور کے اسٹیشن پر اتر کریمہ معلومات حاصل کیں تو انہوں نے اپنا  
سر پکڑ لیا، یعنی پورے چار گھنٹے انہوں نے ریل کار کی آمد کا انتظار کرنا تھا۔ سردی بھی کڑا کے کی پڑ  
رہی تھی، اگرچہ دونوں نے موسم کی مناسبت سے گرم کپڑے پہن رکھ تھے مگر اس کے باوجود ٹھنڈرا  
دینے والی رات کی سردی نے ان کی رگوں میں دوڑتے ہوئے خون کو بر فاب بنادیا تھا۔

وینگ روم پر بھی نہ جانے کیوں تلااپڑا ہوا تھا، یا ایک چھوٹا سا اسٹیشن تھا۔ ”ناصر بھائی...!  
چار گھنٹے کا انتظار تو خاصا طویل ہو جائے گا کیوں نہ کوئی لاری یا سافرو گین دکھی جائے۔“ ساجد  
نے سردی سے ٹھنڈرتے ہوئے کہا۔

ہی لمحے وغیرہ کا کرو ہیں ڈھیر ہو گئے۔

جانے کتنی دیر بعد جب اس کی وoba رہ آنکھ کھلی تو اس نے خود کو ہنوز اپنے کمرے کے  
دروازے کی چوکھت پر ہی بے سدھ پڑے پایا، چند ثانیے تو اسے کچھ یاد ہی نہ آیا کہ اس کے ساتھ  
ہوا کیا تھا، مگر پھر جب وہ اٹھ کر کھڑی ہوئی اور بیٹھ پر آ کر بیٹھی تو اسے چکر سا آنے لگا، اس نے بیٹھ  
سا یہ نیل پر دھرے پانی سے بھرے گل کو گلاس میں الٹ کر چند گھونٹ پانی پیا تو اسے رفتہ رفتہ  
یاد آنے لگا اور ایک بار پھر اس کے دل و دماغ پر خوف کا غلبہ طاری ہونے لگا، اس کی آنکھوں کے  
سامنے اس بھیا کم کفن پوش کا مکروہ چہرہ گردش کرنے لگا۔

”اُف خدا یا...! کس قدر خوفناک اور ڈراوتا چہرہ تھا۔“ وہ سراسیمہ انداز میں زیرِ لب  
بڑا ہوئی۔ اس وقت پسیدہ محروم دار ہونے لگا تھا مگر ابھی باہر انہیں اس پھیلا ہوا تھا اور ہر سو خاموشی  
کا راجح تھا، وہ حیرت سے سوچنے لگی کہ اس ساری ہڑبوٹگ میں ابھی تک کوئی بھی اس طرف متوجہ  
ہوا تھا۔

زینت فطرتا ہو شیار اور حاضر دماغ عورت تھی، وہ دلیل بھی تھی، اگرچہ اس خوفناک صورت  
حال پر وہ دہشت زدہ ضرور ہو گئی تھی مگر اب وہ کسی عجیب اور گہری اسرار بھری سوچ میں مستغرق ہو  
گئی تھی، اسے چونکہ شکافتہ کی زبانی اور ان لوگوں کے ساتھ چند دن رہتے ہوئے ان پر اسرار حالات  
اور اوقاعات کے بارے میں علم ہو چکا تھا لیکن بھی بات تھی کہ اسے یقین نہ آیا مگر اب اس نے  
اپنی آنکھوں سے اس بدر جو کو دیکھا تھا جس نے اسے دھمکایا تھی تھا۔

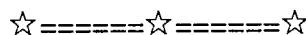
حقیقت یہ تھی کہ زینت کا اب اپنی سوتیلی اولاد سے دل کھٹا ہو چکا تھا جنہوں نے اس کے  
خُسن سلوک کا بدلہ یہ دیا تھا کہ اسے پاگل خانے پہنچا دیا تھا جو ایک سوچ سمجھے منصوبے کے تحت ہوا  
تھا، زینت اب انہیں اس گھناؤنی سازش کا مزہ چکھانا چاہتی تھی نیز اس نے کہنے کو توانی دو دیک  
خالدہ سے کہا تھا کہ اسے کوئی کی بھی پروانہیں مگر در حقیقت وہ کوئی سے بھی دستبردار نہیں ہونا چاہتی  
تھی، وہ جانتی تھی کہ اگر اس نے اپنی سوتیلی اولاد کو من توڑ جواب نہ دیا یا ان کا مقابلہ نہ کیا تو وہ ایک  
دن اسے کاروبار سے بھی الگ کر دیں گے۔ چنانچہ زینت کے شاطر دل و دماغ میں پکھا اور ہی  
کھپڑی پکنے لگی تھی۔ وہ جیسے جیسے اس پر غور کرتی جا رہی تھی، ویسے دیسے اس کے اندر ایک زبردست  
تحریک پیدا ہونے لگی تھی اور پھر اگلے ہی لمحے اس کے لبوں پر ایک پُر اسرار مکراہٹ کھیل گئی جیسے  
وہ اندر ہی اندر کسی تیجے پر پہنچ پکچی ہو۔

دیکھنے سے قاصر تھا کہ اس کے ہمراہ ناصر تھا یا غیر مرئی بدروج.... پلیٹ فارم پر چند مسافروں کی جہے سے بدروج نے خود کو غائب کر رکھا تھا مگر وہ بدستور ساجد کے کام میں ناصر کی آواز میں سرگوشی کرتی ہوئی اسے پلیٹ فارم کے باہر ریلوے ٹریک کی طرف لئے جا رہی تھی، سامنے سے ریل کار کا نجٹ ان پانی اپنی چمنی سے دھواں چھوڑتا چکھ... چکھ کرتا چلا آ رہا تھا۔

بدروج ساجد کو ناصر کی آواز میں پکارتی ریلوے لائن کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی۔ پھر جیسے ہی چکھ چکھ کرتی ریل قریب آنے لگی، بدروج نے ناصر کی آواز میں ساجد کو آگے بڑھنے کا کہا، اب وہ ناپینا ساجد کو پڑی کے درمیان لے کر چل رہی تھی۔

ساجد نے بھی اگر چہ ریل کا شور سن لیا تھا مگر وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ ریل دور ہے کیونکہ وہ ناپینا تھا ریل گاڑی ابھی پلیٹ فارم میں داخل نہیں ہوئی تھی تاہم اس کی رفتار خاصی تھی اور پھر ساجد اور ریل گاڑی کا فاصلہ بھی محض چند فٹ کا رہ گیا تھا۔

ناپینا ساجد اپنی موت سے بے خبر چلا جا رہا تھا، ریل کا رکانجمن قریب آتا جا رہا تھا، انہیں ڈرائیور اب زور زور سے ول بھی دے رہا تھا مگر ساجد یہی سمجھ رہا تھا کہ وہ ناصر کے ساتھ الگ راستے پر چلا جا رہا ہے۔



یہ ساجد کی خوش قسمتی تھی کہ ریل کا رکی آمد سے پلیٹ فارم پر مسافروں کی خاصی تعداد اکٹھی ہو گئی تھی اور شور و شغب سے ناصر کی نیک اسی وقت آنکھ کھلی تھی جب ساجد کو وہ بدروج، ناصر کی آواز میں بہکا کر اپنے ساتھ ریلوے ٹریک کی طرف لے جا رہی تھی۔ ناصر ہر بڑا کراکرا اٹھا، وینگ روم کی لائٹ آچکی تھی، ناصر نے جو ساجد کو وہاں نہ پایا تو پریشان ہو گیا، وہ جلدی سے پلیٹ فارم کی طرف دوڑا، دا میں با کمی دیکھا پھر جس طرف سے ریل کا رکنے انجمن کی روشنی آرہی تھی، وہاں اس نے ساجد کو عین پڑی پر چلتے دیکھا، اس کی روح فنا ہو گئی۔

وہ پاگلوں کی طرح مسافروں کو پرے دھکلیتا ہوا مختصر سے پلیٹ فارم کو طے کرنے کے بعد ساجد کے قریب پہنچا، ادھر ریل کا رکانجمن ڈرائیور ول پر ول دیئے جا رہا تھا۔

عین اس وقت جب انجمن گرجتادھاڑتا ساجد کے سر پر آن پہنچا تو ناصر نے بروقت حست لگائی اور ساجد کو گیدتا ہوا دوسرا طرف کی خالی پڑی پر جا پڑا، ریل کا روندنا تی ہوئی ان کے بالکل قریب سے گزرنے لگی۔

ناصر بولا۔ ”میرے ذہن میں بھی یہ بات تھی مگر ہم آدمی رات کے بعد بھیراں گاؤں پہنچ کر کریں گے کیا...؟ وہاں ہمارا کوئی جانے والا تو ہے نہیں، نابندہ ملے گا۔ بندے کی ذات، کہ کسی سے پوچھ پاچھ کرسائے کا ہی پتہ معلوم کریں، یہاں کم از کم پلیٹ فارم پر تو موجود ہیں ناں... گاڑی آئے گی تو صبح سے پہلے پہنچ کر تھوڑا بہت وقت وہیں اٹھیں میں کاٹ کر آگے بڑھ جائیں گے۔“

”مگر وینگ روم تو کھلوانے کی کوشش کر لینی چاہئے ہمیں۔“ ساجد نے پریشان کن بیزاری سے کہا۔

ناصر بولا۔ ”ہاں....! آؤ کوشش کر کے دیکھتے ہیں۔“ وہ دونوں اٹھیں ماسٹر کے پاس پہنچے مگر وہ اپنے کوارٹر میں تھا، گاڑی آنے کے وقت پر ہی وہ آتا تھا جب ناصر نے عملے کے کسی فرد کی مٹھی گرم کر کے وینگ روم کھلوایا۔ وینگ روم زیادہ کشادہ نہ تھا بہر حال غنیمت تھا۔

مختصر سافر نیچر بے ترتیب پڑا تھا، ایک آتشدان بھی تھا جو سر دھما، ناصر اور ساجد وہاں موجود کر سیوں پر برآ جان ہو گئے، فقط ایک ٹیوب لائٹ روشن تھی، محض وہ کی بھر ماڑھی مگر یہاں بہر حال سردی کا زور کم تھا، وہ دونوں ریل کار کے منتظر تھے، کریں آرام دھیں، دونوں تھکے ہوئے بھی تھے، پشت گاہ سے سڑک کر بیٹھ لے تو ان کی آنکھ مل گئی۔

کافی دیرگز رگی، گاڑی کے آنے کا وقت ہو گیا کہ اچانک کرے کی لائٹ آف ہو گئی اور ہر طرف گھری تاریکی چاہی۔

ایسے میں وینگ روم کا دروازہ ہلکی چرچاہت سے کھلا اور ایک بھی انک چہرے والی بدروج سفید لٹھے کے کفن میں ملبوس اندر داخل ہوئی، وہ اپنی بغیر پوٹوں والی آنکھوں سے ناصر اور ساجد کو باری گھورنے لگی پھر ساجد کے قریب آ کر اس کے کٹے ہوئے ہونٹوں سے نوکیلے دانت کر یہہ انگیز جھلک دکھانے لگے، وہ مسکرا رہی تھی پھر اس نے ساجد کے کام میں سرگوشی کی، لب والہ بن اصر کا ہتھا۔ ”ساجد.... ساجد....! اٹھوڑین آنے والی ہے۔“

ساجد ہر بڑا کر جاگ گیا پھر آنکھیں ملتا ہوا وہ باہر نکلا، وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ ناصر اس کے ہمراہ چل رہا ہے مگر حقیقت یہ تھی کہ وہ بدروج اس کے ساتھ ساتھ چلتی ہوئی پلیٹ فارم تک آگئی۔ ناصر ہنوز اندر وینگ روم میں ہی گھری نیند سور ہا تھا، گاڑی واقعی پہنچنے والی تھی، ساجد یہ

ساجد اور ناصر کے جانے کے بعد وہ رات تو زینت سے گزر گئی پھر اسی طرح دوسری رات بھی بغیر کسی پُر اسرار واقعہ کے گزر گئی اور بدرودج دوبارہ نہ آئی۔ شکفتہ اور زینت اب دونوں ایک ساتھ ہی کمرے میں سویا کرتی تھیں۔

تیسرا رات.... لگ بھگ ایک بجے کے بعد زینت اپنے بیڈ پر لیٹی بدرودج کی منتظر تھی، شکفتہ البتہ گھری نیند سوری تھی، وہ اس کے برابر میں ہی لیٹی ہوئی تھی، دونوں اوپری منزل کے ایک کمرے میں سوئی ہوئی تھیں۔

کمرے میں مدھم روشنی پھیل ہوئی تھی، ماحول میں ٹھکا دینے والا دم خود مکوت طاری تھا، دل دھڑکا دینے والی ایک عجیب سی ہولناک خاموشی طاری تھی، زینت کو اچاک پھرو یہی ہی پُر اسرار بے چینی کا احساس ہونے لگا جیسی اسے اس رات محسوس ہوئی تھی، جب وہ بدرودج اچاک نازل ہوئی تھی، جانے کیوں یکا اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا اور اسے اپنا حلق بھی سوکھتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

دفعہ اس کی ٹھنڈی ہوئی نگاہوں کے سامنے سیاہ رنگ کا دھبہ ابھرا جس نے آنا فانا بھیاں ک شکل اختیار کری، زینت کا خوف کے مارے جیسے دل دھڑکنا بھول گیا، یہ وہی کریبہ اور بھیاں ک صورت بدرودج تھی جسے وہ کچھ دن قبل دیکھ بھی تھی تاہم اس نے بڑی مشکل سے اپنے خوف اور اپنی لرزش پر قابو پایا اور کشکل اٹھ کر بیٹھ پریٹھی۔

”تو نے ابھی تک میری بات کیوں نہیں مانی، کیا بے موت مرنا چاہتی ہے؟“ وہ بھیاں ک صورت بدرودج غرا کر بولی۔ اس کی بغیر پوٹوں والی آنکھیں زینت کو خونخواری سے گھورے جا رہی تھیں۔

زینت نے تھوک انگلا اور بمشکل اس سے مخاطب ہو کر بولی۔ ”..... دیکھو... بت... تم اگر میری ایک مدد کرو تو میں تمہاری ہربات مانے کو تیار ہوں گی۔“  
”کیسی مدد...؟“ بدرودج نے غرا کر پوچھا۔

”مم... میرے کچھ دشمن ہیں بت... تم میری طرف سے انہیں اس قدر خوف زدہ کر دو کہ وہ میری کوئی چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہو جائیں اور میری ان سے جان بھی چھوٹ جائے کیونکہ وہ میری جان کے دشمن بن چکے ہیں۔“  
اس کی بات سن کر بدرودج کے کٹے ہوئے بدہیت ہونٹوں سے کریبہ دانتوں کی جھلک

گرنے سے دونوں کو معمولی چوٹیں آئی تھیں مگر شکر تھا کہ ناصر نے اپنی جان خطرے میں ڈالی کر ساجد کو بچا لیا تھا، ساجد بھی اپنے چارہ پر بیٹاں ہو گیا تھا۔

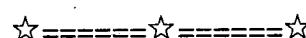
ذرا دیر بعد جب ریل کا گزر گئی اور پلیٹ فارم پر جا کھڑی ہوئی تو ناصر، ساجد کو لے جلدی جلدی پلیٹ فارم کی طرف بڑھنے لگا۔ ساجد نے اسے ساری بات بتائی۔ ناصر سمجھ گیا کہ یہ کارستانی اسی بدرودج کے سوا کسی کی نہیں ہو سکتی تھی۔

”ساجد.... تمہیں اب بہت مختاطر رہنے کی ضرورت ہے۔“ ذرا دیر بعد جب وہ بوگی میں سوار ہوئے تو ناصر نے اسے سختی سے تاکید کی۔

ساجد روہانسا ہو کر بولا۔ ”ناصر بھائی....! تم نے آج مجھے مرتبہ مرتبے بچالا لیکن میں کیا کروں، ناپینا ہوں، میں سمجھتا تھا کہ تم مجھے پلیٹ فارم کی طرف لے جائے ہو۔“

”دیکھو...! میری بات غور سے سنو، وہ بدرودج جانی پہچانی آواز میں تمہیں صرف بہا کسکتی ہے، تمہیں چھوٹیں سکتی جبکہ میں تمہیں چھوٹا ہوں اور تمہیں بازو سے کپڑہ کر سہارا دیتا ہوں، بس تم اس واضح فرق کو ہن میں رکھا کرو، ٹھیک ہے....؟“ ناصر نے اسے سمجھایا اور ساجد نے ہولے سے اثبات میں اپنا سر بلادیا۔

گھنٹے بھر بعد ریل پھر چل پڑی۔



زینت کو پورا یقین تھا کہ وہ بدرودج اسے دوبارہ دھمکانے کے لیے ایک بار پھر ظاہر ہو گی۔ اگرچہ خوف زدہ بھی تھی کہ کہیں اس کی دھمکی پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے وہ بدرودج اسے کسی قسم کا جانی نقصان نہ پہنچا دے لیکن پھر ساجد اور ناصر کی زبانی تاہلی والے بابا کی یہ بات یاد آتے ہی کہ وہ بدرودج ابھی طاقتور نہیں ہوئی ہے تاہم وہ بعض حالات میں محض ڈراؤنے مناظر کا نہارا لے کر انہیں خوف زدہ کرنے کے علاوہ بہا کا ضرور سکتی ہے چنانچہ یہ خیال آتے ہی اس کے دل کو سچھتی ہوئی۔

زینت نے اب اس بدرودج سے بذات خود ملاقات کرنے کا فیصلہ کیا تھا، ایک انوکھا اور خطرناک فیصلہ.... وہ اس سے مخاطب ہونا چاہتی تھی، اس سے بات کرنا چاہتی تھی مگر ایک بدرودج سے یوں ہمکلام ہونا بھی بڑے دل گردے والی بات تھی، اس کے لیے زبردست قوت ارادی، حوصلے، جرأت اور بہادری کی ضرورت تھی۔ زینت نے اس کے لیے خود کو ہنی طور پر تیار کر لیا تھا۔

میں تبدیل ہو کر غائب ہو گئی۔

انگے دن نے زینت نے شفقت سے کہا۔ ”شفقت...! میں اب اپنے لہرجانا چاہی ہوں ورنہ میری سوتیلی اولاد میرے حصے پر بھی قابض ہو جائے گی۔“

شفقت کو اس کی بات پڑھیرانی ہوئی، وہ پریشان ہو کر بولی۔ ”مم... مگر زینت بہن...!“ میں اکیلی یہاں کیسے رہوں گی؟ ساجد اور ناصر تو آجائیں پھر تم چلی جانا۔“

اس کی بات سن کر زینت مسکرا کر اسے پکارتے ہوئے بولی۔ ”تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں تمہیں اس آسمی کوٹھی میں تنہا چھوڑ کر چلی جاؤں گی، ہرگز نہیں...! میں تمہیں بھی اپنے ساتھ لے جاؤں گی۔“

”لیکن ساجد اور ناصر کو تو آیینے دو پھر کوئی فیصلہ کر لیں گے۔“ شفقت نے کہا۔ ”ند جانے انہیں کتنے روز لگ جائیں واپس آنے...! بہن تک تو پتہ نہیں کیا ہو جائے گا۔“ زینت نے کہا۔ ”لیکن تمہیں پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے، ہم ہمیشہ کے لیے تو اس کوٹھی کو خیر بانہیں کہہ رہے ہیں، ہم یہاں بھی آتے رہیں گے اور جب ساجد اور ناصر لوٹ آئیں گے تو تم دوبارہ یہاں آجانا...!“

شفقت بے چاری کیا جواب دیتی، ناچار اس نے چب سادھی تاہم وہ زینت کے اس اچانک فیصلے پر کچھ پریشان اور بے چینی ہو گئی۔

زینت صبح اسے لے کر اپنے دفتر پہنچی اور پھر چند گھنٹے دفتر میں بیٹھنے کے بعد وہ شفقت کو لے کر سہ پھر چار بجے اپنی کوٹھی کی طرف روانہ ہو گئی۔

زینت کے استعمال میں اپنے شوہر کی کار تھی جبکہ ایک کار ان کی اولاد کے زیر استعمال تھی۔ زینت کی کوٹھی شہر کے ایک پوش علاقے میں تھی، کوٹھی بہت عالیشان اور خوبصورت تھی، شفقت کی تو آنکھیں پھیل گئیں، باہر کی بیج دھیج سے زیادہ اندر کی شان و شوکت نے شفقت کو دنگ کر کر کھو دیا تھا۔

کوٹھی میں اس وقت زینت کے تینوں سوتیلیے بیٹے مشتاق، اظہار اور نیم کے علاوہ سوتیلی میں بھی موجود تھے، وہ اس وقت ایک کمرے میں سر جوڑے اپنی سوتیلی ماں کے خلاف نئی سازش کے تاروں پوڈ بننے میں مشغول تھے۔ اس کے پاگل خانے سے نکلنے کے بعد سے وہ بہت پریشان تھے، پھر انہوں نے دیکھا کہ اب وہ بالکل آزاد ہو چکی ہے نہ صرف یہ بلکہ وہ ایک بار پھر کاروبار بھی

اہمی، وہ مسکراتی تھی جبکہ زینت یہ سمجھی کہ وہ اس سے ناراض ہو گئی ہے، وہ بدرودح اس سے بولی۔

”ٹھیک ہے لیکن تمہیں بھی پھر میرا ایک کام کرنا ہوگا۔“

زینت کو ذرا حوصلہ ہوا اور وہ خوش ہو کر بولی۔ ”مم... مجھے منظور ہے کہ تمہارا کون سا کام مجھے کرنا ہوگا؟“

”اگر تم میرا ساتھ دیتی رہو تو تم بہت فائدے میں رہو گی، بولو منظور...؟“ بدرودح نے کہا۔

”ہاں... ہاں... مجھے منظور ہے، تم جو کہو گی، میں وہی کرنے کو تیار ہوں۔“ زینت نے جلدی سے کہا۔ ”میں چاہتی ہوں کہ میں اتنی طاقتور بن جاؤں کہ میرے دشمن میری طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھنے کی جرأت نہ کر سکیں۔“

”ہاں...! ایسا ہی ہو گا نہ صرف یہ بلکہ اگر تم میرا ساتھ دیتی رہو تو دیا میں کوئی بھی تمہارا کچھ نہیں بجاڑ سکتا، دولت اور شہرت تمہارے پیروں کی خاک بن جائیں گی پھر تم دیکھنا کہ میں تمہیں کہاں سے کہاں پہنچا دوں گا۔“

”ہاں... ہاں... میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ جو میں چاہوں، وہ ہو جائے مگر میں سب سے پہلے اپنے دشمنوں سے چھکارا پانا چاہتی ہوں۔“ زینت نے کہا۔ بدرودح سے مخاطب ہونے کے بعد اس کا خوف کم ہونے لگا تھا۔

اس کی بات سن کر بدرودح نے کہا۔ ”میں تمہارے حالات سے اچھی طرح واقف ہوں، تم اپنے گھر چل جاؤ پھر دیکھنا میں کیا کرتا ہوں۔“

”وہ... وہ... تو ٹھیک ہے مم... مگر... شفقت...! اس کی ذمداری میرے سر پر ہے، میں اسے یہاں تھا تو نہیں چھوڑ سکتی۔“ یہ بات اس نے قدرے ڈرتے ڈرتے کہی تھی کیونکہ وہ جاتی تھی کہ بدرودح کو اس خاندان سے خداواسطہ کا یقین تھا۔

مگر اس نے دیکھا کہ وہ بدرودح غصے میں آنے کی بجائے سرد لہجے میں بولی۔ ”تم شفقت کو اپنے ساتھ اپنی کوٹھی میں لے جائی ہو۔“

زینت خوش ہو گئی پھر اس نے پوچھا۔ ”لیکن تمہارا کون سا کام مجھے کرنا ہوگا؟“ بدرودح کے دانتوں کی کریبہ چھلک ایک بار پھر ابھری اور جو دن خوف کی پھریتی محسوس ہوئی، پھر بدرودح نے سنسناتی آواز میں کہا۔ ”یہ میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا، پہلے تم اپنے دشمنوں سے چھکارا پالو۔“ اتنا کہنے کے بعد وہ بدرودح سیٹے سیٹے دوبارہ سیاہ دھبے

ہاتھ پکڑے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی، پھر کسی میں بھی اسے روکنے کی جرأت نہ ہو سکی، وہ چاروں بیٹی کی سمت پیکر کر رہا گئے۔

زینت، شگفتہ کے ساتھ جیسے ہی اپنے کمرے میں پہنچی تو اچانک اس کی سوتیلی بیٹی بلی زندگی میں بھی اندرا خلی ہوئی، اس کا چہرہ غصے سے لال بھجوکا ہو رہا تھا، وہ زینت کے بالکل قریب پہنچ کر طیش میں بولی۔ ”تمہیں پولیس کو یہاں بلانے کی کیا ضرورت تھی، ہم تمہاری طرح بے عزت لوگ نہیں ہیں کہ یہاں پولیس....!“ ابھی اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ زینت نے غصے سے دانت بھیج کر ایک زنانے وال پھٹر اس کے گال پر سید کر دیا۔

چٹا خ کی زور دار آواز ابھری اور بیلی کی آنکھیں احساسِ ذات اور مارے طیش کے پھیل کر رہ گئیں، اس کے سان و گمان میں بھی نہ تھا کہ یہ ڈرپوک سی عورت ایسی جرأت بھی کر سکتی ہے۔ زینت نے غصے سے پھکتے ہوئے لبجھ میں اس سے کہا۔ ”سن لیا میرا جواب....؟ اب دفعہ ہو جاؤ یہاں سے۔“

بیلی اپنے مضروب گال کو سہلاتے ہوئے اسے نفرت اگیز نظریوں سے گھورتے ہوئے غرا کر بولی۔ ”ہوں....! تم پھر بھی ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتیں ناگن....! ہم دیکھ لیں گے کہ تمہارے اندر کتنا زہر ہے۔“ یہ حملی دینے کے بعد وہ غصے سے اپنا پاؤں پھٹکتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

زینت کے چہرے پر زہری مل مکراہٹ عود کر آئی تھی، البتہ اس صورت حال نے بے چاری شگفتہ کو خاصا پریشان سا کر دیا تھا۔ وہ تفکر ہو کر زینت سے بولی۔ ”زینت....! تم نے ابھی یہاں آ کر بہت غلطی کی ہے، ان چاروں بہن، بھائیوں کے عزائم بہت خطرناک نظر آتے ہیں۔“ اس کی بات سن کر زینت نے زہر خند مکراہٹ سے کہا۔ ”شگفتہ....! تم بالکل فکر مت کرو، میں اب ان چاروں سے اچھی طرح نہیں گی۔“

ایک گھنٹے بعد اسپکٹر توفیق چند پولیس والوں کے ساتھ وہاں آپنچا، اس نے زینت کا بیان لینے کے بعد اس کے سوتیلے بیٹوں مشتاق، اظہر، نیم کوخت الفاظ میں سرزنش کی اور بھر زینت کو تلی شغفی دینے کے بعد چلا گیا۔

پولیس کے جاتے ہی مشتاق نے زینت سے واضح لفظوں میں کہہ دیا کہ دہ اس خوش فہمی میں نہ رہے کہ پولیس اس کے ساتھ ہے، وہ مگر مچھوں کے ساتھ دریا میں زیادہ دیرینک نہیں رہ سکتی، اسے اپنا الگ بنو بست کرنا ہی پڑے گا۔

سنjalنے کے قابل ہو گئی، لیکن آج جب ان چاروں نے اسے ایک اجنبی لڑکی کے ساتھ کوئی میں قدم رکھتے دیکھا تو ان کی پریشانی اب تسویش میں بدلتی ہے۔

وہ چاروں دندناتے ہوئے اس کے پاس پہنچ اور سب سے پہلے بڑے میٹے مشتاق نے نہایت بد تیزی اور غصیلے لبجھ میں ماں سے کہا۔ ”تم....! تم یہاں کیوں آئی ہو.... اور.... یہ کون ہے؟“ مشتاق نے شگفتہ کو تحریر آمیز نظریوں سے گھورتے ہوئے پوچھا۔

مشتاق اور اس کے دیگر بھائی بہنوں کا خیال تھا کہ ان کی سوتیلی ماں اب بھی پہلے کی طرح ان سے دب جائے گی اور دم تک نہ مار سکے گی اور حقیقت بھی بھی تھی کہ زینت ان چاروں سے ذرا دش تھی، وجہ ظاہر ہے بھی تھی کہ شوہر کے انتقال کے بعد وہ عدم تحفظ کا شکار ہونے لگی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ سوتیلی اولاد کی سازشیں بھی عروج پر پہنچ گئی تھیں، جس کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ زینت کو پریشان کر کے قبضی مریضہ بنا کر زبردستی پاگل خانے بھجوادیا تھا مگر اب زینت کو حالات نے بہت کچھ سکھا دیا تھا جنچا پہنچا باب وہنی زینت کے روپ میں یہاں آئی تھی۔

بڑے میٹے کے خار کھائے لب و لبجھ پر اس نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے غصے سے کہا۔ ”پہلے اپنا الجہد درست کر و پھر مجھ سے بات کرنا، سمجھے تم...؟“ یہ کہہ کر وہ شگفتہ سے بولی۔ ”آؤ شگفتہ....!“

پھر وہ دونوں آگے بڑھنے لگیں تو اظہر نے آگے بڑھ کر اس کا راستہ روک لیا اور سرد لبجھ میں بولا۔ ”تم یہاں نہیں رہ سکتیں۔“

زینت نے ایک جلتی سلگتی نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی پھر اپنے پرس سے موبائل فون نکال کر اسپکٹر توفیق احمد کا نمبر پہنچ کیا، رابطہ ہونے پر وہ ایک تیز اور جھپٹتی ہوئی نگاہ اظہر اور نیم پر ڈالتے ہوئے بولی۔ ”انسپکٹر توفیق....! میں زینت اماں بات کر رہی ہوں، آپ کی مسزا یہ ووکیٹ خالدہ کی سیلی.... میں اس وقت اپنی کوئی میں موجود ہوں اور میری سوتیلی اولاد نے پھر مجھے بد معافی دکھانی شروع کر دی ہے، پلیز آپ ذرا تشریف لے آئیں۔“

دوسری طرف سے اسپکٹر توفیق کی بُر جوش آواز ابھری۔ ”آپ بے فکر ہیں، میں ابھی پہنچتا ہوں۔“

”بہت بہت شکریہ انسپکٹر صاحب....!“ زینت نے منونیت بھرے لبجھ میں کہا اور موبائل آف کرتے ہوئے اپنے پرس میں رکھا، اس کے بعد وہ ان چاروں پر استہزا یہ نگاہ ڈال کر شگفتہ کا

ذرگذرا ساگیا، اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اسے کیا جواب دے؟ تاہم ساجد نے جلدی سے کہا۔ ”چاچا جی....! بات دراصل یہ ہے کہ اس گاؤں کے قبرستان میں ہمارے ایک عزیز شہید نیک شاہ کی قبر ہے، بس وہاں فاتحہ پڑھ کر آج ہی آج واپس لوٹ جائیں گے، اگر آپ ہمیں سیدھا ہیں پہنچا دیں تو بڑی مہربانی ہو گی آپ کی۔“

یکے والا ساجد کی بات سن کر چونکہ پڑا پھر عجیب سی حیرت سے بولا۔ ”لگ.... کیا تم بابا شہید نیک شاہ کے عزیز ہو....؟ شاوا بھی شادا.... یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے، پورا گاؤں ان کا مرید ہے، آپ تو بڑے معزز لوگ ہو، بسم اللہ جی۔ بسم اللہ جی....!“ وہ یک دم عقیدت و احترام سے سرشار ہو گیا اور نہایت اکساری کے ساتھ دونوں ہاتھوں سے باری باری ساجد اور ناصر سے بڑی گرم بخشی سے ہاتھ ملا یا۔

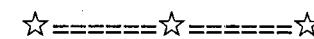
دونوں بے چارے حیران و پریشان سے ہو گئے۔  
یکے والا بولا۔ ”تیسی ہن فکر نہ کرو جی، میں تانوں دوڑے چوہدری جبار خان دے ڈیرے لے چڑھا اول۔“ یہ کہہ کر اس نے یکے کی رفتار تیز کر دی۔

ناصر اور ساجد اب جھن آمیز سوچ میں پڑ گئے، ان سے یہ فصلہ نہیں ہو یا رہا تھا کہ وہ اب کیا کریں، تاہم انہیں احساس ہوا تھا کہ انہیں یہ بات ابھی ظاہر نہیں کرنی چاہئے تھی، یوں ناٹھی والے بابا کی فصیحت کے مطابق یہ بات راز میں نہیں رہ سکتی تھی۔ دونوں نے آپس میں سرگوشی کرتے ہوئے صلاح مشورہ کیا اور پھر یکے والے کو رکنے کا کہا، ناصر نے فوراً جیب سے کرایہ نکال کر اسے ادا کیا اور پھر ساجد کو سہارا دے کر نیچے اتر آیا، یکے والا۔ ”ارے.... ارے۔“ کرتارہ گیا مگر ناصر اور ساجد تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے کچھ گھروں کی قطاروں میں غائب ہو گئے۔

ذر آگے جا گرنا صرنے ساجد سے کہا۔ ”ساجد....! تمہیں یہ بتانے کی کیا ضرورت تھی اس کیے والے کو.... اس طرح تو سارا گاؤں ہمارے پیچے پڑ جائے گا، کیا تم بھول گئے کہ نہیں یہ کام نہایت رازداری کے ساتھ کرنا ہو گا۔“

ساجد نادم ہو کر بولا۔ ”ہاں ناصر بھائی....! واقعی مجھ سے بڑی غلطی ہو گئی، لیکن اب کیا کریں....؟ یہاں تو کوئی سرائے بھی نہیں.... ہم کہاں جائیں گے؟“  
ناصر مکرا کر بولا۔ ”تم نے یہاں کون سارا ہنا ہے ساجد....! ناٹھی والے بابا نے حضرات کا جو عمل بتایا ہے، وہ آج کے آج مکمل کر کے صبح تر کے لوٹ جائیں گے اور بس....!“

مگر زینت نے اس کی دھمکی کی کوئی پرواہ نہیں کی۔  
شگفتہ کو اس بھگڑے میں اب اپنی جان کی فکر لاحق ہونے لگی تھی جو زینت سے چھپی نہ رہ سکی تھی مگر وہ اسے تسلی دینے کے سوا اور کیا کر سکتی تھی۔ وہ اب منتظر تھی کہ کب وہ بدروج اس کی مدد کے لیے ظاہر ہوتی ہے۔



ریل کا بھیراں پتھنی تو وہ دو گھنٹے لیٹ ہو چکی تھی، دور مشرق کی سمت پہ پہنچنے لگی تھی، ساجد اور ناصر بوجی سے نیچے اترے۔

سردی زوروں پر تھی، شکستہ سے پلیٹ فارم پر اتر کر دونوں نے پہلے ایک نلکے سے منہ ہاتھ دھوپا پھر ایک بو سیدہ ہی سیمنٹ کی بیٹھ پر بیٹھ گئے، اتنے میں ایک چائے والا چینیکا اٹھائے ”چائے کیک.... چائے کیک“ کی آواز لگتا ہوا ہاں سے گزرنے لگا تو ناصر نے اسے آواز دے کر بلا یا پھر دونوں نے چائے کیک کا ناشتہ کیا۔

ذرا ستائے، پھر اس کے بعد اسٹیشن کی شکستہ عمارت سے باہر نکل آئے، ہر سو ویرانی اور خاموشی تھی، اکاڈمیکے والے کھڑے تھے، پوچھنے پر پتہ چلا کہ آبادی یہاں سے تقریباً ایک کلو میٹر کے فاصلے پر تھی، ایک یکے میں کئی مسافر بھرے تھے۔ تھوڑی آبادی والے اس گاؤں میں یکوں کی قیلی تعداد مشترکہ سواری اٹھاتی تھی ورنہ تو ایک مسافر کو کرایہ بہت ادا کرنا پڑتا تھا، بہر طور دونوں ایک یکے میں پھنس پھنسا کر بیٹھ گئے۔

ایک کلو میٹر کا سفر گویا دو کلو میٹر پر ملت ہوا، مختلف جگہوں پر سواریاں اتارتے ہوئے یکے میں اب صرف ساجد اور ناصر ہی رہ گئے تھے، کچھ کچھ مکانوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا، دور گندم اور گئے کے کھیت بھی نظر آ رہے تھے۔

یکے والے نے ان سے پوچھا۔ ”پترو....! تمہیں کہاں اترنا ہے؟“

”چاچا جی....! یہاں کوئی سرائے نہیں ہے....؟ ہمیں وہیں لے چلو۔“ ناصر نے کہا۔

”سرائے....؟“ یکے والے نے حیرت سے کہا۔ ”یہاں تو کوئی سرائے نہیں، کیا تمہارا یہاں کوئی جانے والے نہیں رہتا؟“

”نہیں چاچا جی....!“ ناصر نے فٹی میں سرہلایا۔

”ایس....! تو پھر تم یہاں کس سے ملنے آئے ہو؟“ یکے والے نے حیرت سے پوچھا۔ ناصر

ناصر بھی بہت تحکم چکا تھا، دونوں ایک گھنے پیڑ کے نیچے ذرا ستانے کے لیے بیٹھ گئے۔

”ہم کم از کم اس بھلے مانس شخص سے یہ تو پوچھ لیتے کہ پرانا قبرستان آبادی سے کتنی دور ہے۔“ ساجد نے چند گھری گھری سائیں لینے کے بعد ناصر سے کہا۔

وہ مسکرا کر ملامت سے بولا۔ ”کیا بھی سے ہمت ہار بیٹھے....؟“

”نہیں....اب ایسی بات بھی نہیں ہے، میں ویسے ہی کہہ رہا تھا، آخر پر تو چلے ہمیں مزید کتنی دور چلنا ہو گا۔“ ساجد نے ہنس کر کہا۔

پھر ذرا دیر بعد وہ اٹھ کر دوبارہ چل پڑے۔ جنگل مختصر ثابت ہوا تھا، آگے انہیں ایک چھوٹی سی نہر بہتی دکھائی دی، وہ پلیا پار کر کے دوسروی طرف پہنچ تو ان کے سامنے چھدری چھدری جھاڑیوں والا میدان تھا، سامنے ذرا دوسرانہیں چند درختوں کا ایک چھوتا سانخلستان نما جھنڈ نظر آیا۔ وہ تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے جھنڈ کے نزدیک پہنچ تو ناصر کو منڈ منڈ درختوں کے سامنے تک پہنچ کر قبروں کا ایک طویل سلسلہ نظر آیا، اس نے ساجد کو منزل کے قریب پہنچنے کی خوشخبری سنائی، دونوں آگے گے بڑھ گئے۔

یہ جنگل بیرونی طرف سے جتنا چھدر اور مختصر نظر آ رہا تھا، اندر سے اتنا ہی وسیع اور پھیلا رکھتا تھا، پیشتر قبریں نوٹی پھوٹی اور غلکت نظر آ رہی تھیں۔

”ساجد بھائی....! ہم پرانے قبرستان تو پہنچ گئے ہیں، اب شہید نیک شاہ کی قبر ڈھونڈنی پڑے گی، یہ قبرستان تو خاصا وسیع نظر آ رہا ہے۔“ ناصر نے اطراف میں نظریں دوڑاتے ہوئے کہا۔

ساجد بولا۔ ”مجھے یہ کیا ہے اس کی باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ گاؤں میں شہید نیک شاہ کے خاصے مرید رہتے ہیں، یقیناً ان کی قبر بھی کپی اور واضح ہو گی، میرا خیال ہے اسے ڈھونڈنا مشکل نہ ہو گا، میں یہاں بیٹھا ہوں، تم تلاش کر لو پھر....!“

”نہیں ساجد....! میں تمہیں اس ہولناک دیرانے میں یوں اکیلا چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔“ ناصر فراؤ اس کی بات کاٹ کر بولا۔ ”تم ذرا استالو تو پھر ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہیں۔“

”چلو پھر....! میں نے ستالیا ہے، اٹھو۔“ اس کی بات پر ساجد درخت کے تنے کوٹھتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا، ناصر نے اس کا ہاتھ تھاما اور وہ دونوں شکستہ اور کئی پھٹی قبروں کے درمیان میں چلنے لگے۔ دن میں بھی یہاں وحشت طاری تھی، منڈ منڈ درختوں کی جنادار داڑھیاں قبروں پر جھکی ہوئی

”لیکن ناصر بھائی....! شہید نیک شاہ کی قبر کس طرح تلاش کریں....؟ اب تو کسی سے ان کے بارے میں پوچھنے بھی نہیں سکتے ہم۔“

”تم فکر نہ کرو....آؤ کم از کم گاؤں کے اس واحد قبرستان کے بارے میں تو کوئی نہ کوئی ہمیں بتاہی دے گا۔“

”ناصر بھائی....! اگر خدا نخواستہ ہمارے حاضرات کے عمل کے باوجود شہید نیک شاہ کی روح نے ہم سے رابطہ نہ کیا تو کیا ہو گا؟“ ساجد نے پُنکر لجھ میں کہا۔

”اللہ مالک ہے، تاملی والے بابا کی بات تو غلط نہیں ہو سکتی، وہ نیک روح ضرور ہماری مدد کو آئے گی، بس ذرا دل مفبوط کرنا ہو گا ہمیں۔“ ناصر نے کہا اور ساجد نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

قبرستان کا پتہ پوچھنا کوئی مشکل نہ تھا، راہ چلتے ہوئے کسی سے انہوں نے گاؤں کے قبرستان کی طرف جانے والے راستے کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا۔ ”کون سے والے قبرستان میں جانا چاہتے ہو؟ نئے یا پرانے والے میں؟“ اس شخص نے ان دونوں کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

اس کے سوال پر ساجد اور ناصر دونوں ہی پٹھا سے گئے پھر اچاک ناصر نے کچھ سورج کر کہا۔ ”پرانے قبرستان۔“

وہ شخص سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ”اچھا... اچھا وہ بابا شہید نیک شاہ والا قبرستان....؟“ دونوں کا دل خوشی سے دھڑکا مگر وہ چپ رہے پھر اس شخص نے انہیں پرانے قبرستان کا راستہ بتا دیا، انہوں نے اس بھلے مانس آدمی کا شکریہ ادا کیا اور اس کے بتائے ہوئے راستے پر چل دیئے۔

یہ راستہ کھیتوں کے درمیان سے بلکھاتائے قبرستان کے قریب سے گزرتا ہوا ایک ندی کے اوپر سے کافی دور تک جاتا تھا، وہ دونوں ثابت قدی سے چلتے رہے۔

سحر کی روشنی پھیلنے لگی تھی، مشرق کی سست سورج کا آتشی گولاٹھنے لگا تھا، کسان کھیتوں کی طرف بڑھنے لگے تھے، کچے پیکے گھر بہت پیچھے رہ گئے تھے۔

یہ دونوں نئے قبرستان سے ہوتے ہوئے ایک گھنے جنگل میں داخل ہو گئے، یہاں دھریک اور سرس کے درختوں کی بہتائی تھی، ایک جگہ ساجد تحکم کر کیا اور بری طرح ہائپنے لگا۔

”اپنے کام سے لگتے ہیں۔“

”نہیں.... مجھے سخت پیاس لگ رہی ہے، اندر کم از کم پانی تو ہو گا، مجھے یہ کسی گورکن کی ہی جھونپڑی لگتی ہے۔“

دونوں بوسیدہ ماث ہٹا کر اندر داخل ہو گئے، زمین پر گھاس پھونس پھیلی ہوئی تھی، ایک کونے میں بوسیدہ سا پھٹا پر انابستر پڑا تھا، پاس ہی پانی کا منکا بھی دو اینٹوں کے سہارے نکا تھا جس کے اوپر ایک ٹیڑا حامیڑہ جست کا گلاس اونڈھا رکھا تھا۔

ایک جانب سوکھی ٹہنیوں کا مختصر سا ٹھہر بھی نظر آ رہا تھا، وسط میں چھٹ کو سنبھالے ہوئے ایک بد نما بالس بھی ایستادہ تھا جس سے ایک لاشیں جھول رہی تھی۔

ایک طرف پکھڑنگ آلو دوز ارنظر آ رہے تھے، ایک عجیب ہولناک وحشت سی چھائی ہوئی تھی اندر....

ناصر پانی کا گھڑا دیکھ کر خوش ہو گیا، اس نے ساجد کو گھاس پر بچھے بستر پر بٹھا دیا پھر گھڑے سے پانی نکال کر ساجد کو بھی پلایا اور خود بھی پیا، دونوں ستانے کے لیے بیٹھ گئے۔

”کیا یہاں کوئی بھی نہیں ہے ناصر....؟“ ذرا در ٹھکنی ہوئی خاموشی کے بعد ساجد نے کہا۔

”ہاں....! کوئی بھی نہیں ہے۔“ ناصر نے گومگو سے لبجھ میں کہا۔ جانے کیوں اسے اس جھونپڑی کے اندر عجیب سی بے چینی کا احساس ہونے لگا تھا پھر اچانک اس نے یونہی قریب رکھے زنگ لگے اوزاروں کی طرف دیکھا اور پھر ذرا کھسک کر ان کا بغور جائزہ لینے لگا۔

ان اوزاروں میں کیل کھنچنے والا زنبور، ہتھوڑی، کیلیں ایک چھر ایک قصائیوں والا بغدا اور دو عدد مختلف سائز کی جھوٹی بڑی چھینیاں تھیں۔

”ناصر کہاں ہو تم....؟“ ناصر کو خاموش پا کر ساجد نے اسے آواز دی۔

ناصر گومگو سے لبجھ میں بڑا یا۔“ میں ادھر ہی ہوں، یہ اوزار دیکھ رہا ہوں۔“

”کیسے اوزار ہیں....؟“ ساجد نے پوچھا۔

”عجیب سے ہی ہیں، ہتھوڑی، کیلیں، چھینیاں اور بغدا....!“

”پندھنیں کوں یہاں رہتا ہے۔“

”گورکن ہی ہو گا۔“

”مگر گورکن کی جھونپڑی میں تو کدالیں اور بیچھے ہونے چاہیں۔“

برائے اسرار منظر پیش کر رہی تھیں۔

ساجد تو دیکھنے سے قاصر تھا مگر ناصر دھیرے دھیرے چلتا ہوا اپنے دائیں باسیں دیکھتا، قبرستان کا نصف چکر پورا کر چکا تو اسے تب بھی شہید نیک شاہ کا مقبرہ دکھائی نہ دیا، پھر اس نے ذرا ستانے کے بعد بقیہ نصف چکر پورا کرنے کے لیے قدم بڑھا دیئے، اب اسے صحیح معنوں میں اندازہ ہوا تھا کہ یہ قبرستان کس قدر طویل تھا۔

”کیا ہوا....؟ ناصر بھائی....! قبر نیں مل رہی؟“ ساجد نے قدرے ہانپتے ہوئے کہا۔

”ہاں یا ر....! بہت تھکا دیا، ویسے ابھی آدھا حصہ باقی رہتا ہے۔“ ناصر نے بھی اپنی سانسیں درست کرتے ہوئے کہا۔ ”میں تو سمجھ رہا تھا کہ اس چھوٹے سے گاؤں کا قبرستان بھی چھوٹا ہو گا لیکن لگتا ہے یہاں تو پورے دو گاؤں کی آبادیاں دفن ہیں۔“

”ہاں یا ر....! مجھے بھی یہ سن کر حیرت ہوئی تھی کہ بھلا یہ نیا پرانا قبرستان کیا بات ہوئی؟ میرا خیال ہے آس پاس دوسرے گاؤں بھی ہوں گے، وہ ادھر اپنے مردوں کو دفانتے ہوں گے۔“

ساجد نے خیال ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

”ارے یہ کیا....؟“ اچانک ساجد کو ناصر کی ٹھکنی ہوئی آواز سنائی دی۔

”کیا ہوا ناصر بھائی....؟“ اس نے قدرے چونک کر پوچھا۔

”مجھے سامنے ایک کثیاںی نظر آ رہی ہے، چلو ہاں چل کر پوچھنے کی کوشش کرتے ہیں۔“

ناصر نے جوابا کہا۔

”چلو....!“ ساجد بولا۔ پھر دونوں آگے بڑھ گئے۔

کثیا بر گد کے گھنے بوڑھے پیڑ تلنے نہیں ہوئی تھی۔

پھونس کی یہ کثیا زیادہ بڑی نہ تھی، جھونپڑی نما تھی، دروازے کی جگہ بوسیدہ سائنٹ جھول رہا تھا، قریب پہنچ کر ناصر نے با آاؤ بیلند کسی کو پکارا۔

”کوئی ہے....؟“

جب کوئی جواب نہ آیا تو اس نے پھر اسی طرح پکارا۔ ”کوئی ہے؟“

جواب ندارد....

”میرا خیال ہے کوئی اندر موجود نہیں ہے۔“ ساجد نے کہا۔

”ہاں....! ایسا ہی لگتا ہے، اب کیا کریں؟“

"یارنا صر....! میرا دل گھبرا رہا ہے۔"

"ارے یار....! میں ہوں ناتھماہرے ساتھ، تم پریشان ہی ہو گئے۔" ناصر نے اسے تسلی دی۔

"چلو یار....! پانی پی لیا اور ستا بھی لیا، اب نکل چلو۔" ساجد کی گھراہٹ ختم نہیں ہوئی تھی۔

ناصر نے ہنس کر کہا۔ "ارے یار....! تم تو بلا وجہ ہی گھبرا رہے ہو، میرا خیال ہے یہ جھونپڑی گورکن کی ہی ہوگی، ہم کہاں شہید نیک شاہ کی قبر کی تلاش میں مارے مارے پھریں گے ادھر ہی بیٹھ کر اس گورکن کا انتظار کرتے ہیں، وہ آئے گا تو اس سے پوچھ لیں گے، اسے ضرور معلوم ہو گا۔" ساجد چپ ہوا ہے، ناصرو ہیں ذرا کمر سیدھی کرنے کی غرض سے لیٹ گیا۔

☆=====☆=====☆

رات کے ایک بجے کامل تھا۔

زینت اور شفقتہ اپنے کمرے میں سورہ تھیں۔ یہ زینت کا بیدروم تھا، جہازی سائز کے آرام دہ بیڈ پر شفقتہ تو لیتے ہی سو گئی تھی مگر زینت کی آنکھوں سے نیندا بھی تک کوسوں دور تھی۔ درحقیقت اسے اس بدر جو کا انتظار تھا جس سے اس نے معابدہ کر کھاتھا، وہ بڑی بے چینی کے ساتھ بدر جو کی منتظر تھی اور بار بار مضطربانہ بے چینی کے ساتھ دیوار گیر گھریوال کی طرف تکے جا رہی تھی، پھر ایک گھنٹہ مزید اسی طرح گزر گیا اور رات کے دونج گئے لیکن وہ بدر جو نہ آئی۔ زینت بے چینی کی محسوس کرنے لگی۔ وہ سونپنے لگی کہ کہیں بدر جو نے انہیں اس اندر ہیری کوئی سے بے دخل کرنے کی خاطر کوئی چال تو نہیں چلی تھی؟ کیوں کہ وہ یہی چاہتی تھی کہ وہاں کوئی ذی نفس نہ رہے۔ وہ اسی طرح خالی رہے۔

اچاک رات کے آخری پھر سانچے میں ایک تیز چیخ ابھری۔ یہ چیخ بہت لرزہ خیز تھی۔ جسے سن کر ایک لمحے کے لیے زینت کا بھی دل لرز کر رہ گیا، لیکن جب مسلسل چینوں کی آواز ایس ابھرنے لگیں تو زینت پچان گئی، یہ اس کی سوتیلی بیٹی بھل کی چینیں تھیں، اب زینت کے لبوں پر زہریلی مکراہٹ رفتہ رفتہ اس جو گئی، بوئی کوئی میں، بھگار ہسی جو گئی۔

شفقتہ بھی جاگ اٹھی اور پریشانی سے زینت کی طرف دیکھ کر بولی۔ "گک....کون چیخ رہا ہے؟"

زینت سمجھ گئی تھی کہ اس بدر جو نے وعدے کے مقابل اپنا "کام" دکھانا شروع کر دیا ہے چونکہ یہ بات اس نے راز میں رکھنا تھی اس لئے انجان بن کر اور اپنے بجے میں پریشانی سمکر کر بولی۔ "پپ....پتی نہیں....تم ٹھہرو، میں دیکھتی ہوں۔" "میں بھی ساتھ چلوں گی۔"

"نہیں....! تم ٹھہرو....ادھر ہی اور خبردار کرے سے باہر مت نکلا، میں ابھی آتی ہوں۔" زینت نے کہا اور اپنی خواب گاہ سے باہر آگئی۔ کوئی کی بتیاں روشن کر دی گئی تھیں، ایک کشادہ کمرے میں وہ چاروں بہن، بھائی موجود تھے، ببلی کی حالت بہت غیر ہورہی تھی، مشتاق، اظہر اور نعیم اسے سنبھالنے کی کوشش کر رہے تھے مگر ببلی کی حالت نہیں سنبھل رہی تھی، وہ مارے خوف کے تھر تھر کا بپ رہی تھی۔ ابھی ان کی نظر زینت پر نہیں پڑی تھی تب پھر اچانک زینت کو اپنے کان میں ایک سرگوشی سنائی دی۔ "بے وقف....! تم واپس جاؤ اور مجھے اپنا کام کرنے دو۔"

زینت کا دل یکبارگی زور سے دھڑکا، وہ سرگوشی کو پچان گئی تھی، یہ اس بدر جو کی آواز تھی، وہ اس کی بات کا مطلب سمجھ کر خاموشی کے ساتھ اٹھے پیروں واپس اپنی خواب گاہ کی طرف لوٹ گئی، اس کے چہرے پر آسودہ مسکراہٹ تھی۔

خواب گاہ میں پہنچی تو شفقتہ نے ہر اس لبجھے میں پوچھا۔ "کیا ہوا زینت....؟" "کچھ نہیں ہوا ببلی نے شاید کوئی ڈرائنا خواب دیکھ لیا ہے۔"

وہ رات گزر گئی مگر اس کے بعد ایسی آسمی راتیں ہر روز آنے لگیں۔ ببلی کو دراصل راتوں میں ایک کفن پوش انہیں مکروہ صورت نظر آتی تھی پھر وہ یہ صورت اپنے تینوں بھائیوں میں بھی دیکھنے لگی، اس پر جنونی دورے پڑنے لگے اور وہ ان پر حملہ کرنے لگی، جو شے اس کے ہاتھ میں آتی، وہ آؤ دیکھتی نہ تا، ان کے چہرے پر جڑ دیتی، تینوں بھائی بھی پریشان ہو گئے پھر یہی نہیں مشتاق، اظہر اور نعیم کو بھی کفن پوش مکروہ صورت دکھائی دینے لگی۔

ظاہر ہے یہ ساری کارستانی اسی بدر جو کی تھی چنانچہ وہ چاروں بہن، بھائی بری طرح خون پڑ رہے ہو گئے، ساری شیخ زہن کے پاکہ تاثر تھے ہی، دو سمجھو گئے کہ آخر یہ مکروہ صورت تھی تھی تے اس کی سوتیلی ماں کو کیوں نہیں دکھائی دیتا یا اسے تھنک کیوں نہیں کرتا، ضرور وہ کالے جادو کی ماہر تھی۔ یہ بات جب علی الاعلان انہوں نے اپنی سوتیلی ماں زینت سے کہی تو اس نے بھی غصے

بڑے ہولناک انداز میں مسکراتی تھی۔

”تم بے فکر ہو، ایسا ہی ہو گا لیکن اب تمہیں میرا ایک کام بھی کرنا ہو گا۔“

”ہاں.... ہاں.... مجھے منظور ہے، تم بتاؤ مجھے وہ کام.... مجھے کیا کرنا ہو گا؟“ زینت نے خوش ہو کر بے چینی سے کہا۔

بدروج نے کہا۔ ”جس اندھیری کوئی تھی میں تم میرے دشمنوں کے ساتھ رہتی تھیں، اسے جلاڈالو۔“

زینت اس کی بات سن کر سوچ میں پڑ گئی۔

یہ مفادات کی جنگ تھی، اگرچہ زینت جانتی تھی کہ بدروج ایسا کیوں چاہتی تھی اس لئے کہ اندھیری کوئی تھی میں اس کا کئی سو سالہ پرانا مذہن تھا جبکہ شفقت، ساجد اور ناصر، ناہلی والے بابا کی ہدایت کے مطابق اس بدروج کو اپنے مذہن کی طرف لوٹنے پر مجبور کرنے کے لیے اتنے پاڑپیل رہے تھے جس کے بعد ان کی جانیں اس بدروج سے ہمیشہ کے لیے چھوٹ سکتی تھیں، مگر اب زینت بدروج کا یہ مطالبہ ماننے پر مجبور تھی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اگر اس نے اس کی بات نہ مانی تو وہ آئندہ اس کی کوئی مدد نہیں کرے گی بلکہ اتنا اس کی جان کی دشن بن جائے گی۔

پھر بدروج نے اسے شہرت، دولت اور تحفظ کا لائچ بھی دیا تھا، دوسرا طرف وہ یہ بھی نہیں چاہتی تھی کہ شفقت اور ساجد کو کسی قسم کا جانی نقسان ہو، وہ ساجد کے معاملے میں خود بھی اس کے سر پر اپنے دل میں اب ایک نرم گوشہ رکھتی تھی، وہ عجیب تھے کاشکار ہو گئی تھی۔ بدروج ہنوز اس کے سر پر کھڑی تھی، اس نے زینت کی مترو دخانی پر کہا۔ ”تمہاری خاموشی کو میں کیا سمجھوں؟“

زینت کے چالاک ذہن میں فوراً ایک خیال ابھرا، لہذا وہ اپنے لجھ کو ملتباہ نہ بناتے ہوئے بولی۔ ”دیکھو....! مجھے تمہاری بات ماننے میں انکار نہیں ہے، لیکن مجھے ڈر ہے کہ تم بعد میں شفقت اور ساجد کی جان کو نقسان پہنچانے کی کوشش نہ کرو اور ساجد کو تو میں چاہنے بھی لگی ہوں، میں اس سے شادی کی خواہ مشند ہوں۔“

اس کی بات سن کر بدروج کا بھی انک چہرہ مزید کر یہہ ہو گیا اور اس کے حلق سے ایک ہولناک غرابت ابھری اور اس نے زینت کو گھوڑتے ہوئے کہا۔ ”تم وعدہ خلافی کر رہی ہو، اس کا

انجام جاتی ہو؟“

اس کی دھمکی پر زینت اندر سے لرزائی، وہ اس سے بگاڑنا نہیں چاہتی تھی لہذا کچھ سوچ کر

میں آکر کہہ ڈالا۔ ”ہاں....! یہ ایک بدروج ہے جسے ایک کا علم کے ذریعے میں نے قابو میں کر ہے، اگر تم چاروں نے یہ کوئی خالی نہ کی تو پھر تم سب کو ہلاک کر ڈالے گی اس لئے تم لوگوں کے لیے بہتری اسی میں ہے کہ اپنا بوریا بستر سمیٹو اور یہاں سے ہمیشہ کے لیے دفعہ ہو جاؤ۔“

وہ چاروں ہوکا بکارہ گئے اور پھر وہی ہوا ایک روز کے اندر اندر ان چاروں بہن، بھائیوں نے اپنا سامان سمیٹا اور کوئی کو خیر بار کہہ دیا۔

طااقت کا اپنا ایک نشرہ ہوتا ہے، اب زینت ہی اس عالیشان کوئی کی ماں کی تھی، طاقت کے نشرے نے اسے اب واقعی پا گل اور جنونی کر ڈالا تھا، وہ پھر کوئی میں تھا کھڑی قہقہے لگانے لگی۔ ”ہاں....! اب میں اس کوئی کی بلا شرکت غیرے مالک ہوں، جلد ہی اپنے شوہر کے کروڑوں کے کاروبار کی مالک بھی بن جاؤں گی، اے بدروج....! میں تھج سے بہت خوش ہوں، تو کہاں ہے؟ میرے سامنے آ....! میں تیرا شکر یہ ادا کرنا چاہتی ہوں۔“

شفقت اس وقت وہاں موجود تھی تاہم اسے یہاں کے پُر اسرار حالات کا علم ہو چکا تھا، اتنے تو وہ بھی جان گئی تھی کہ یہ ساری کارستانی اسی بدروج کی تھی، پہلے پہل تو وہ یہی بھی تھی کہ ہو سکتا ہے اس خاندان کا تعلق بھی اس کی طرح شہید نیک شاہ سے رہا ہو، اس لئے اب وہ بدروج ان کی بھر جانی دشمن بن چکی تھی، کیونکہ ان چاروں بہن، بھائیوں کے ساتھ بھی بالکل ویسا ہی ہوا تھا جو شفقت اور اس کے گھروالوں کے ساتھ ہوا تھا۔

شفقت کو اس بات پر الجھن آمیز پریشانی بھی تھی کہ آخر وہ بدروج پھر زینت اور اسے کیوں نہیں ستارہ ہی، جب اس نے زینت سے یہ سوال پوچھا تو اس نے نہایت مکاری سے کہا تھا۔ ”میں تمہارے خاندان سے تعلق نہیں رکھتی ہوں۔“ یہ بات اس نے اس لئے کہی تھی کہ اسے شفقت کے پُر اسرار حالات سے پوری آگاہی تھی اور ناصر اور ساجد کی زبانی ناہلی والے بابا کی باتوں سے واقف تھی۔

جب شفقت اور پر اس کی خواب گاہ میں گہری نیند سو گئی تو زینت نیچے آگئی تھی۔ وہاں بدروج اس کے سامنے ظاہر ہوئی تو زینت نے اس کا شکر یہ ادا کیا اور بولی۔ ”میں اب چاہتی ہوں کہ میری سوتیاں ادا دہمیش کے لیے میرا یچپا چھوڑ دے، میں انہیں بکارو بار سے بھی الگ کرنا چاہتی ہوں، تم میرا یچپا کام کر دو۔“ اس کی بات سن کر بدروج کے مکروہ چہرے پر کر یہہ دانتوں کی قطاری ابھری، وہ اپنے

مکاری سے بولی۔ ”ٹھیک ہے..... میں تمہاری بات مانے لیتی ہوں لیکن یہ کام اتنی جلدی نہ ہو سکے گا، تھوڑے دنوں کی مہلت چاہئے مجھے۔“

”ٹھیک ہے.... تمہیں صرف تین دنوں کی مہلت ہے۔“ وہ بدروج بولی اور آخر میں اسے ختنی سے متنبہ کرتے ہوئے بولی۔ ”مگر ایک بات یاد رکھنا، تم نے کسی قسم کی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو میں تمہیں دوبارہ اسی مصیبت میں ڈال دوں گی جس سے میں نے تمہیں چھٹکارہ دلایا ہے۔“ یہ کہہ کر وہ غائب ہو گئی۔

زینت کے حلق سے بے اختیار ایک گہری سانس خارج ہو گئی پھر جب وہ اپنی خواب گاہ کی طرف پلٹنے لگی تو بربری طرح ٹھنک کر رک گئی، زینے پر شگفتہ کھڑی اسے عجیب نظر وہن سے گھورے جا رہی تھی۔

☆=====☆=====☆

زینت کو شگفتہ کی نگاہوں میں گہری تشکیک محسوس ہوئی تھی۔ ”کہیں اس نے میری باتیں تو نہیں سن لیں۔“ اس نے گہر اکر سوچا مگر پھر دوسرے ہی لمحے وہ شگفتہ کو دیکھ کر مسکرائی۔ ”آؤ... آؤ! تم ابھی تک سوئی نہیں؟“  
شگفتہ دھیرے دھیرے نیچے اترتی ہوئی اس کے قریب آئی اور سپاٹ لبھ میں بولی۔ ”تم کس سے باقیں کر رہی تھیں؟“  
”مم.... میں.... گک.... کسی سے نہیں.... گک.... کون تھا بھلا یہاں؟“ زینت نے ہنگاتے ہوئے کہا۔

”جھوٹ مت بولو، میں نے خود سناتھا، تم اس بدروج سے مخاطب تھیں، وہ تمہیں تین دن کی مہلت دے رہی تھی، تم نے ہائی بھرلی تھی۔“ شگفتہ نے اسے گھوڑتے ہوئے یاد دلایا۔  
زینت کے اوس ان خطاء ہو گئے، وہ اپنی گھبراہٹ پر بکشل قابو پاتے ہوئے بدستور انجان بنی رہی اور مصنوعی بُنی کے ساتھ بولی۔ ”تمہیں ضرور وہم ہوا ہو گا شگفتہ....! بھلا اس بدروج پے میں کس طرح ہمکلام ہو سکتی ہوں....؟ وہ تو تم لوگوں کی دشمن ہے۔“

شگفتہ نے بخوار اس کے چہرے کو گھورا، وہ سمجھ گئی تھی کہ زینت اس سے کچھ چھپا رہی ہے جبکہ اسے پورا لیکن تھا کہ اس نے خود اپنے کانوں سے زینت کے یہ الفاظ سننے تھے۔  
”ٹھیک ہے میں تمہاری بات مان لیتی ہوں.... لیکن یہ کام اتنی جلدی نہ ہو سکے گا مجھ سے، تھوڑے دنوں کی مہلت چاہئے مجھے۔“ لیکن زینت کے پیغم انکار پر شگفتہ نے سردست چپ سادھلی۔

☆=====☆=====☆

ناصر خاصا تھک چکا تھا اسی لئے گودز نما بستر پر لیٹتے ہی اس کی آنکھ لگ گئی جبکہ ساجدہم بخود

ہوا، اس کی نظریں بار بار تھیلے پر انک رہی تھیں، اسے لگا جیسے یہ بدبواس گندے تھیلے سے آرہی ہو تاہم اس نے اس کا اظہار نہ کیا۔

”کیا تم گورکن ہو؟“ ناصر نے پوچھا۔

”ہاں.....! اور تم دونوں کون ہو؟ کہیں جا رہے تھے؟“ بوڑھے نے پوچھا۔ وہ اب منکرے پانی پر رہا تھا۔

”نہ... نہیں.... ہم کہیں جاتو نہیں رہے تھے، ہمیں تو ادھر ہی آتا تھا۔“ ناصر نے کہا۔

وہ بوڑھا پانی پی کر اپنے چغے کی آستین سے منہ پوچھتا ہوا عجیب سے لبھے میں بولا۔ ”ہاں.....! یہاں تو ایک نہ ایک دن بھی کو آتا ہے۔“ اس کے عجیب اسرار بھرے لبھے پر ناصر اور ساجد دونوں لرزے گئے۔

ساجدنے اس کے کان میں سرگوشی کی۔ ”ناصر بھائی....! اسے اپنے آنے کا مقصد بتاؤ اور نکل چلو یہاں سے، میرا دل بہت گھبرتا ہے۔“

ناصر نے اسے تھکی دے کر تسلی دی پھر پھنس کر بوڑھے گورکن سے بولا۔ ”بابا....! میں تمہاری بات سمجھ گیا مگر ہماری عمر ہی کیا ہے، اچھا بابا....! تم ہمارا ایک کام کر دو گے؟“

”کیسا کام....؟“

”ہمیں ایک قبر کی تلاش ہے۔“

”کس کی قبر....؟“

”شہید نیک شاہ کی قبر....!“ ناصر نے اسے بتایا۔

بوڑھا گورکن اس کی بات سن کر اپنی اکلوتی آنکھ سے اسے گھورنے لگا۔ ”کیا کہا....؟ شہید نیک شاہ کی قبر....!“

”ہاں بابا....! ہم اس کی قبر پر فاتحہ پڑھنے آئے ہیں۔“ ناصر نے کہا۔

بوڑھا گورکن جھکے جھکے کاندھوں سے چند قدم چلتا ہوا اس کے قریب آیا اور اپنی اکلوتی پہنچی ہوئی آنکھ ناصر کے چہرے پر جماتے ہوئے سرسراتے لبھے میں بولا۔ ”تم لوگوں کا یہ کیا لگتا تھا؟“

”بابا....! یہ ہمارا ایک دور پار کا عزیز تھا، تم سیکھیں اس کی قبر تک یہ بیجا دو، تمہاری بڑی مہربانی ہوگی۔“ اس بار ساجدنے لب کشائی کی تھی۔

”اچھا....! اچھا تھیک ہے لے چلوں گا اس کی قبر تک مگر اس کی قبر تو آخری سرے پر ہے،“

بیٹھا تھا، اس کا دل جانے کیوں تیز تیز ڈھڑک رہا تھا، وہ ایک انجانا ساخوف محسوس کر رہا تھا، اس کے جی میں آئی کہ ناصر کو آواز دے، یوں تو اس نے ناصر کو دو تین بار آوازیں بھی دی تھیں، مگر ناصر کے ذرا ہی دیر بعد خڑائے بلند ہونے لگے تھے، وہ سو گیا تھا۔

پھر ساجدنے اسے جگانا مناسب نہ سمجھا، ایک ایک نازک پل اندر یشاک لمحوں کی دستک دیتا بیت رہا تھا کہ اچانک ساجد کو ایک آہٹ سنائی دی پھر وہ آہٹ ایک عجیب سی کھڑبڑی میں بدل گئی، اسے یوں لگا تھا کوئی یکا یک جھونپڑے میں گھس آیا تھا۔

اس نے بے اختیار چلا کر ناصر کو آواز دی اور اسے جھنجھوڑنے لگا۔ ”ناصر.... ناصر....! انھوں کگ.... کوئی آیا ہے۔“

ناصر ہر بڑا کر انھوں بیٹھا، اس نے ایک کچھڑی سے بالوں والے بوڑھے شخص کو دیکھا، اس کی کمر زرا جھکی ہوئی تھی، سر کے بال اور ہنونیں غائب تھیں، چہرے پر جھریوں کا جال سا پھیلا ہوا تھا، وہ ایک آنکھ سے کانا بھی تھا، اس نے ایک لمبا سامیلا چیکٹ گرتا نما پچھے ساپھن رکھا تھا، دائیں ہاتھ میں ایک کیوس کا تھیلا تھا۔

جموئی طور پر اس کی وضع قطع بڑی کر رہی تھی، وہ ناصر کو اپنی اکلوتی آنکھ سے گھورے جا رہا تھا، ناصر سمجھ گیا تھا کہ یہی اس جھونپڑی کا مالک کوئی گورکن تھا۔

اس نے فوراً مسکرا کر مذدرت خواہاں لبھے میں اس سے کہا۔ ”ہم معاف چاہتے ہیں، ہمیں پیاس لگی تھی، تھک گئے، تمہاری کنیادیکھی، یہاں ذرا ستانے کے لیے بیٹھنے کے تھے۔“

ناصر کو پہلے اس بوڑھے کے چہرے پر غصیلے پن کے آثار محسوس ہوئے تھے لیکن اب بدہیت ہونٹوں پر عجیب سی بے تاثر مسکرا ہٹ ابھری، پھر وہ سر بلاتے ہوئے اپنے با میں ہاتھ کے اشارے سے ناصر کو بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ ”بیٹھو... بیٹھو... کوئی بات نہیں۔“

اس کی آواز حد درجہ کھرد رہی تھی جیسے کوئی پھٹاڑھوں پیٹھ رہا ہو، بوڑھے نے اپنے دائیں ہاتھ میں پکڑے ہوئے تھیلے کو ایک کونے میں رکھا پھر ساجد کی طرف دیکھ کر ناصر سے مستفسر ہوا۔ ”یہ تمہارا ساتھی کیا کیونہیں سکتا؟“

”ہاں.....! یہ بے چارہ نا ہیتا ہے۔“ ناصر نے کہا۔

اس بوڑھے نے خاموشی کے ساتھ اپنے گرتے کی جیب سے ایک تسلی ڈوری نکالی اور کیوس کے تھیلے کے سرے کی منہ بنا کر اس کے گرد پیٹھنے لگا۔ ناصر کو انتہائی نا گواری بدبوکا احساس

ہو سکتا ہے یہ لوگ بھی اس کے خاندان یا نسل سے تعلق رکھتے ہوں۔ اس وقت توزینت اس کے اس جواب سے مطمئن ہو گئی تھی مگر وہ الجھی گئی تھی، جانے کیوں اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے زینت کوئی چکر چلا رہی ہے، اسے پورا یقین تھا کہ زینت اس رات بدروج سے ہی مخاطب تھی مگر اس کی یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر زینت کس بات کی مہلت مانگ رہی تھی، اب اس کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ زینت ان تین دنوں کی مہلت میں کچھ کرنا چاہتی تھی، کیا کرنا چاہتی تھی، اس کا اسے اب کھون لگانا تھا۔

چنانچہ اس نے اب زینت کی ٹوہ لینے کا فیصلہ کیا، اب وہ کوشش کرتی تھی کہ ہر وقت اسی کے ساتھ ساتھ رہے، یوں بھی وہ اس کے ساتھ ہی دفتر آیا جایا کرتی تھی، شگفتہ نے زینت سے اس موضوع پر زیادہ بحث نہ کی تھی لیکن ادھر زینت اب پریشان ہی رہنے لگی تھی، اس نے بدروج سے وعدہ کر کے تین دنوں کی مہلت تو لے لی تھی لیکن اب وہ سوچ رہی تھی کہ کیا کرے، کیا واقعی اس بدروج کی بات مان لے یا پھر انکار کر دے۔

انکار کرنے کی صورت میں اسے بدروج کی دھمکی یاد تھی اور اگر اس کی بات مان لیتی ہے تو شگفتہ، ساجد اور ناصر کی ساری محنت اکارت جاسکتی تھی، بلکہ ان کی جان بھی سخت خطرے میں پڑ سکتی تھی اور اس کا غیر یہ گوار نہیں کر رہا تھا کہ وہ ان لوگوں کے ساتھ دھوکہ کرے اور پھر ساجد کو تو وہ چاہتی تھی۔ آخر بہت سوچ بچار کرنے کے بعد اس نے یہی فیصلہ کیا کہ وہ بدروج کی بات ہرگز نہیں مانے گی، چاہے کچھ بھی ہو جائے تب اس نے شگفتہ کو ایک دن ساری بات بتا دی۔ شگفتہ نے فرط جذبات سے اسے اپنے گلے سے لگالیا اور زینت کو تسلی دیتے ہوئے بولی۔ ”زینت بہن....! تم بالکل فکر مت کرو، تمہیں معلوم ہے نا کہ وہ بدروج ابھی ہمارا بال تک بیکا نہیں کر سکتی، بس ہمیں ذرا ہوش مندی سے کام لینا ہو گا اور ہاں دعا کرو کہ ناصر اور ساجد خیریت اور کامیابی کے ساتھ واپس لوٹ آئیں۔“

”ہاں....! مجھے بھی ساجد کی بہت فکر رہتی ہے۔“ زینت نے ہولے سے کہا تو شگفتہ قدرے چونکہ اس کا چہرہ تکنے لگی، پھر جیسے اس کی بات کا مطلب سمجھ کر مکراتے ہوئے معنی خیز لمحہ میں بولی۔

”اچھا....! اب میں ابھی کہ تمہارے اندر کون سی کھڑی پک رہی ہے نیکن زینت بہن ابھی کوئی اعتراض نہیں، کیا تم میرے بھائی ساجد کے ساتھ خوش رہ سکوگی، میرا مطلب ہے کہیں بعد

ابھی میں تھکا ہوا آیا ہوں، ذرا آرام کرلوں پھر لئے چلتا ہوں، تم دنوں کو۔“ بوڑھے گورکن نے کہا پھر پوچھا۔ ”تم لوگوں نے کچھ کھایا پیا ہے؟“ ”نہیں بابا....! ہمیں کھانے کی طلب نہیں ہو رہی، آپ ایسا کریں خود یہ زحمت نہ کریں صرف ہماری رہنمائی کر دیں، ہم خود شہید نیک شاہ کی قبر تک پہنچ جائیں گے۔ دراصل ہم دوسرے شہر سے آئے ہیں، ہمارا اس گاؤں میں کوئی واقف کار نہیں ہے، ہم فاتح پڑھ کر جلدی لوٹ جانا چاہتے ہیں۔“ ساجد نے کہا۔

بوڑھے گورکن نے اپنی ایک آنکھ سے پہلے بفور ساجد کو دیکھا پھر ناصر کی طرف دیکھ کر عجیب اور پھر اسرار لمحہ میں بولا۔ ”صرف فاتح ہی پڑھنے آئے ہونا اور کوئی چکر تو نہیں....؟“ اس کی بات نے ناصر اور ساجد کو چونکا سادیا، انہیں یوں لگا جیسے یہ بوڑھا گورکن ان کے یہاں آنے کا اصل مقصد جان گیا ہے تاہم ناصر نے کہا۔ ”نہیں بابا....! بھلا اور ہم نے کیا کرنا ہے، فاتح پڑھیں گے اور پہلے جائیں گے واپس۔“

”گاؤں میں واقعی تمہارا کوئی جانے والا نہیں....؟“ بوڑھے گورکن نے جیسے اپنی تسلی کی غرض سے پوچھا۔

ناصر نے نفی میں سرہلا دیا۔

”اچھا ٹھیک ہے میں بتائے دیتا ہوں، آؤ باہر۔“ بوڑھے گورکن نے کہا اور پھر ان کو جھونپڑی سے باہر لے آیا پھر ایک طرف ٹوٹی پھوٹی قبروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ ”یہاں سے ناک کی سیدھی میں چلے جاؤ تیس قدم گن کے ایک گھری کھائی آئے گی، تم اس کے باہمیں طرف مڑ جانا، تھوڑا ہی آگے جاؤ گے تو ایک پرانی باوی دکھائی دے گی، وہیں ایک بر گد کا پیڑ نظر آئے گا، اس کے نیچے وہ قبر ہے۔“

”تمہارا بہت بہت شکر یہ بابا....! ہم چلتے ہیں۔“ ناصر نے جلدی سے کہا اور پھر ساجد کا ہاتھ پکڑے مذکورہ سمت کی طرف بڑھ گیا۔

☆=====☆

شگفتہ کی زینت کی طرف سے ایک عجیب سی کمک کر رہی ابھی تھی، وہ پہلے ہی اس بات پر ابھی ہوئی تھی کہ آخر اس بدروج نے زینت کے سوتیلے بیٹوں کو کیوں خوف زدہ کر کے اس کوئی سے نکلنے پر مجبور کر دیا تھا، ان کی بھلا کیا داشتی تھی؟ اگرچہ اس سلسلے میں زینت نے اسے بتایا تھا کہ

میں تمہیں کوئی پچھتاونا نہ ہو۔“

”نہیں شگفتہ....! ایسا نہیں ہوگا، ساجد واقعی مجھے بہت اچھا لگتا ہے لیکن میں کبھی کبھی سوچتی ہوں کہ پتہ نہیں وہ مجھے پند کرتا ہے کہ نہیں کیونکہ میں اس سے عمر میں بڑی جو ہوں۔“ زینت نے ہولے سے کہا۔

شگفتہ بڑے رسان سے بولی۔

”تم بھائی کی طرف سے بے فکر ہو، اس بے چارے کو خود کسی تم جیسے ہی سہارے کی ضرورت ہے اور پھر تمہاری کون سی اتنی زیادہ عمر ہے صرف چھ سات سال کا ہی تو فرق ہے بلکہ تم تو اپنی عمر سے بھی چھوٹی ہی دکھائی دیتی ہو۔“

اس کی بات سن کر زینت نے مکرا کر شگفتہ سے کہا۔ ”شگفتہ....! تم کیا سمجھتی ہو کہ میں ساجد کو ایسی رہنے والی گی، ہرگز نہیں میں اس کا اعلان کرواؤ گی، مجھے یقین ہے کہ ایک دن وہ پھر سے ہم سب کو دیکھنے لگے گا۔“

”اللہ کرے ایسا ہی ہو۔“ شگفتہ نے فرط جذبات سے رندھے ہوئے لبجے میں کہا اور زینت نے زیریب آمین کہا۔

پھر دونوں سونے کے لیے بیڈ پر دراز ہو گئیں۔ شگفتہ تو لینتے ہی سوگی جبکہ زینت رات گئے کروٹیں بدلتی رہی، نینداس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ درحقیقت اس کا دل گھبرا رہا تھا۔

رات جب نصف پہر گزر گئی تو اچانک کمرے کی دیوار پر ایک سایہ ابھرا، زینت دیوار پر ابھرتے ہوئے اس پر اسرار سائے کو دیکھ کر بری طرح لرزگی ”بدروج“ اس کے خوف زدہ ذہن میں ابھرا۔ پھر اس کے دیکھتے ہی دیکھتے اس پر اسرار سائے کی صورت واضح ہونے لگی۔ یہ وہی بھی انک سی صورت تھی اسی بدروج کی صورت.... پھر وہ غصیلے لبجے میں زینت سے بولی۔ ”ٹونے میرے ساتھ وہ دلخانی کرڈاںی، اب دیکھنا پناہ خر۔“

اس کی دھمکی سن کر زینت سہم کر رہا گی، دہشت کے مارے اس کی زبان تالوں سے جا چکی تھی پھر وہ بدروج فرماہی غائب ہو گئی۔

زینت ساری رات نہ سوپا تھی۔

زینت کی باتوں پر شگفتہ نے بہت غور و خوض کیا تھا، اسے اب ناٹالی والے بابا کی یہ عجیب و غریب منطق سمجھ میں آ رہی تھی کہ انہوں نے اس اندھیری کوئی کوآباد رکھنے کا کیوں مشورہ دیا تھا،

کوئی ایسی بات ضرور تھی جو اس شیطانی بدروج کے خلاف جاتی تھی، تب اس کے ذہن میں ایک جھما کا ہوا، اسے یاد آیا کہ جب ناصر اور ساجد ناٹالی والے بابا سے جا کر ملے تھے تو انہوں نے دونوں سے یہ بھی کہا تھا کہ اس بدروج کا بھیش کے لیے خاتمة تھی ہی ہو سکتا ہے جب وہ واپس اپنے پرانے مدفن کی جانب لوٹنے پر مجبور ہو جائے اور یہی معلوم کرنے تو ناصر اور ساجد بھر اس کے تھے جہاں انہیں شہید نیک شاہ کی نیک روح نے اس سلطے میں ان کی رہنمائی کرنا تھی۔ اب شگفتہ کو بدروج کے اصل عزم کے بارے میں اندازہ ہونے لگا تھا کہ وہ اندھیری کوئی کو غیر آباد کیوں رہنے دینا چاہتی تھی بلکہ اب تو وہ اس کوئی کونڈر آتش کرنے پر تلی ہوئی تھی۔ یہ خیال آتے ہی شگفتہ بے چین سی ہو گئی، اس نے سوچا کہ اس کوئی کو اب زیادہ دیر غیر آباد نہیں رہنے دینا چاہئے، چنانچہ اگلے روز زینت سے صاف صاف کہہ دیا کہ ناصر اور ساجد کی واپسی جانے کب ہو لے ڈا ب وہ اس اندھیری کوئی کو زیادہ دیر غیر آباد نہیں چھوڑ سکتی۔

”یہ..... یہ..... یہ تم کیا کہہ رہی ہو شگفتہ....؟ تم وہاں تھا کس طرح رہو گی؟ ساجد اور ناصر کو تو واپس آجائے دیتیں۔“ زینت نے گھبرا کر کہا۔

شگفتہ کچھ گئی تھی کہ زینت اس کے ہمراہ اس آسمی اندھیری کوئی میں نہیں جانا چاہتی تھی یوں بھی اسے اب کیا ضرورت تھی وہاں رہنے کی، وہ اب یہاں اپنی عالیشان کوئی میں اپنا تسلط جما چکی گویا اب یہ بھی ایک نیا مسئلہ پیدا ہو گیا تھا کہ اندھیری کوئی کی اوپری منزل خالی ہو چکی تھی بہر طور وہ تجیدگی سے بولی۔ ”اس کوئی کو زیادہ دیر غیر آباد نہیں رہنا چاہئے زینت....! یہ ہم لوگوں کے حق میں بہتر نہ ہوگا۔“

”ٹھیک ہے پھر میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔“ بالآخر زینت نے فیصلہ کن لبجے میں کہا۔

شگفتہ قدرے چونکہ کراس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ ”اور تمہاری یہ کوئی خالی رہے گی؟“

”بے شک....! مجھے اس کی پرواہ نہیں۔“ ”اورا گرتھماری سوتھی اولاد نے دوبارہ اس پر قضا جائز کی کوشش کی تو.....“ ”وہ اب یہاں کبھی نہیں آئیں گے اور اگر آبھی گئے تو دوبارہ مجھے یہاں سے بے دخل کرنے کی جرأت اب نہیں کریں گے۔“ زینت نے محکم لبجے میں کہا۔

کی بات سن کر شفقت کی تیوری پر بل پڑ گئے۔ وہ زینت کو گھوڑتے ہوئے بولا۔

”بی بی....! ہم کچھ نہیں جانتے، تم لوگوں کو اسی وقت اپنا بوریا بستر یہاں سے سمیٹ کر جانا ہوگا، مجھے شک ہونے لگا ہے کہ کہیں میرا بھانجنا صرتم لوگوں کے کالے جادو کی سیئنٹ نہ چڑھ گیا ہو۔“

”اے مسٹر تیز سے بات کریں، سمجھتم....! یہ کوئی ہماری ملکیت ہے، ہم اسے کیوں خالی کریں؟“ زینت بھی اڑ گئی۔

شفقت نے اپنے سر کو سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ نہ مانا اور یوں وہ سب انہیں پولیس میں جانے کی حکمی دے کر واپس چلے گئے۔ اگر یہ بات راز میں رکھنے کے لیے تابی بابا نے تاکید نہ کی ہوتی تو یقیناً وہ انہیں آگاہ کر دیتیں۔ مگر اب ایک نئی پریشانی نے شفقت کو متوجہ سا کر دیا تھا لیکن زینت کو اس کی مطلاقاً فکر نہ تھی۔ اس نے شفقت کو تسلی دی اور کہا۔ ”پولیس کو بھی آ لینے دو، میں نہ کروں گی ان سے۔“

☆=====☆

ناصر اور ساجد، بوڑھے گورکن کے بتائے ہوئے راستے پر تیز تیز قدموں سے ٹوٹی ہوئی شکستہ قبروں کے درمیان چلے جا رہے تھے۔ پھر تیس قدم گن کر وہ رک گئے۔ دن میں بھی چار اطراف ہو کا عالم تھا، پورا قبرستان سانس لیتا ہوا محسوس ہو رہا تھا، ہر طرف آئیں ویرانی کا راج تھا۔ اس کے بعد وہ دونوں بائیں طرف مڑ گئے، سامنے ہی پرانا کنوں نظر آگیا، پھر اس کے قریب پہنچ کر وہ دونوں رک گئے، ناصر نے چاروں طرف نظریں دوڑا کیں تو اسے اپنے دائیں جانب چند شکستہ قبروں کو چھوڑ کر برگداہ پر اپنے نظر آگیا جس کے نیچے ایک قبر تھی۔

”ناصر بھائی....! کیا شہید نیک شاہ کی قبر دھائی دی؟“ معا ساجد نے پوچھا۔

”ہاں....! آگئی نظر، آؤ۔“ ناصر نے کہا اور پھر اس کا ہاتھ پکڑ کے برگداہ اس قبر کے قریب پہنچ کر رک گیا، قبر کچھی تھی مگر ٹھیک حالت میں تھی، اس کے آس پاس کی مٹی کو دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ قبر کی دیکھ بھال باقاعدگی سے نہیں تو اکثر ویشنز ضرور کی جاتی ہے، قبر کے سر ہانے کتبہ بھی تھا۔ ناصر؛ راحمک، کربغور پڑھنا لگا۔

”شہید نیک شاہ۔“ نیچے غصہ تعارف تھا۔

”بھیڑاں کا بھادر اور نیک انسان جس نے کئی سو سال پہلے ایک بھیاںک شیطان صفت

شفقت ہوئے مسکرا دی۔ اب اسے زینت کی نیت پر بالکل شبہ نہ رہا تھا۔

دفتر سے واپسی پر شام چھ بجے جب یہ دونوں اپنی کار پر اندر ہیری کوئی پسچھیں تو نصف گھنٹے بعد کاکل نیل جبکہ دونوں چونک پڑیں کیونکہ یہاں بھلا کوں آنے کی جرأت کر سکتا تھا مگر پھر دوسرے ہی لمحے انہیں خیال آیا کہ کہیں ساجدا اور ناصر تو نہیں لوٹ آئے۔

وہ دونوں ہی گیٹ پر پہنچیں، دروازہ کھولا تو سامنے شفقت کا سر لیعنی اس کے شوہر ناصر کا ماموں شفقت کھڑا تھا اور اس کے ہمراہ محلے کے چند دیگر معابر افراد بھی موجود تھے، ان کے چہروں پر درشتی کے آثار تھے، شفقت کے لیے زینت اپنی عورت تھی، اس نے ایک ناگواری نظر اس کے چہرے پر ڈالی پھر اپنی بہو شفقت سے مخاطب ہو کر بولا۔ ”میرا بھانجنا صرکچہ دونوں سے غائب ہے، کلدھر ہے وہ....؟“

”وہ میرے بھائی ساجد کے ساتھ دوسرے شہر گئے ہوئے ہیں۔“ شفقت نے سپاٹ لبھے میں جواب دیا۔

اتنے میں ایک دوسرے محلے والے نے شفقت سے مخاطب ہو کر سرد لبھے میں کہا۔ ”دیکھئے محترمہ....! اگر آپ کے شوہر اور بھائی ہوتے تو ہم یہ بات انہی سے کرتے لیکن اب مجبوراً ہمیں تم ہی لوگوں سے بات کرنا پڑے گی۔“

زینت نے کچھ کہنا چاہا لیکن شفقت نے اشارے سے اسے روک دیا اور اس کی طرف دیکھ کر متانت سے بولی۔ ”آپ کو ہم سے کیا بات کرنی ہے؟“

اس پر ایک تیرے محلے دار نے کہا۔ ”بی بی....! ہم اس آئیں کوئی کوئی سے عاجز آچکے ہیں بلکہ پورا محلہ پریشان ہے، پہلے تو ہمیں کوئی پریشانی نہ تھی لیکن جب سے تم لوگوں نے یہاں ڈیرہ ڈالے رکھا ہے، یہاں سے بہت عجیب و غریب ڈراؤنی آوازیں آتی ہیں، ہم یہ برداشت کر لیتے مگر اب ہمارے محلے میں ہر روز کوئی نہ کوئی قتل ہو رہا ہے، ہم جانتے ہیں یہ سب آپ لوگوں کی وجہ سے ہو رہا ہے۔“ اس نے اپنی بات ختم کی۔

”ضرور یہ لوگ یہاں کوئی سفلی عمل کرتے ہوں گے۔“ ایک اور نے کہا۔

”اگر لوگوں کو پولیس کے چڑا لے کر بایا جائے۔“

زینت اور شفقت اپنی جگہ سُن ہو کر رہ گئی تھیں تاہم زینت نے ہی ہمت کر کے ان لوگوں سے کہا۔ ”آپ لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے، ہم یہاں کسی قسم کا کوئی کالایا سفلی نہیں کرتے ہیں۔“ اس

انسان کا بڑی بے جگری سے مقابلہ کر کے اس کا خاتمہ کیا اور گاؤں والوں کو اس موزی سے نجات دلائی مگر اس مقابلے میں وہ خود بھی مارا گیا۔

ناصر ایک گھری سانس خارج کر کے کھڑا ہوا اور ساجد کو لئے کی تحریر سے زبانی آگاہ کیا۔  
ساجد خوش ہو کر بولا۔ ”اس کا مطلب ہے کہ ہم اپنی منزل کے قریب پہنچ گئے ہیں؟“

”ہاں ساجد....! ہمیں آج ہی رات بابا ناہلی والے کے بتائے حاضرات کا عمل کر کے شہید نیک شاہ کی روح سے اس شیطان کی روح کے بارے میں استفسار کرنا ہوگا۔ مجھے امید ہے اس بہادر شہید کی نیک روح اس معاملے میں ضرور ہماری مدد کرنے گی۔“ ناصر نے پر جوش لجھ میں کہا۔

اب انہیں رات کا انتظار تھا، دو پھر ہو چکی تھی، انہیں بھوک کا بھی احساس ہونے لگا، پانی تو انہوں نے بوڑھے گورکن کی جھونپڑی سے پی لیا تھا۔

معا ساجد نے خدشہ ظاہر کرتے ہوئے ناصر سے کہا۔ ”ناصر بھائی....! تمہیں ناہلی والے باب کی نصیحت تو یاد ہے نا کہ ہمیں یہ کام رات کی تاریکی میں اور نہایت رازداری کے ساتھ کرنا ہے؟“

”ہاں.... ہاں.... مجھے یاد ہے۔“ ناصر جلدی سے بولا۔

”لیکن ہمیں اس بوڑھے گورکن سے بھی ہوشیار ہنا ہوگا، وہ ہماری ٹوہ لینے کی کوشش کر سکتا ہے، میں تو دیکھنیں سکتا مگر تم نے اس بات کا ضرور دھیان رکھنا ہوگا۔“

”ہاں ساجد....! تم بے فکر ہو، میں چونکا رہنے کی کوشش کروں گا، آوا بذرافتح پڑھ لیتے ہیں۔“ ناصر نے کہا اور پھر دونوں نے فاتحہ پڑھی۔ اب پیٹ پوچا کا مسئلہ تھا، آبادی بہت دور تھی یوں بھی وہاں انہیں کوئی ہوٹ یا سرائے وغیرہ نظر نہیں آئی تھی، نہ ہی ان کا وہاں کوئی جانے والا تھا لہذا انہوں نے ادھر ہی وقت گزاری کا سوچا، البتہ ناصر نے ایک جنگلی یہری کا درخت تلاش کیا اور دونوں نے جنگلی یہر کھا کر گزارا کیا۔

اب انہیں آج کی رات اس قبرستان میں گزارنا تھی۔

اچاکے ایک کمر کمر اماں جنمی بھڈی می آواز ان کی جھکلی میں ساعتوں سے گمراہی۔  
”تم لوگوں نے فاتحہ پڑھ لی....؟“ دونوں اس شناسا آواز پر چونکے، ناصر نے گردن موڑ کر دیکھا۔

سامنے وہی جھکی کمر والا کانا گورکن کھڑا تھا اس کی اکتوپی آنکھ کا ڈیلا تھرک رہا تھا وہ بغور ان دونوں کے چہروں کا جائزہ لے رہا تھا، کانا ہونے کی وجہ سے دوسرا آنکھ کچھ زیادہ ہی پچھی ہوئی اور اعلیٰ پرتنی نظر آرہی تھی۔ اسے اچاکے سامنے پا کر ناصر کچھ گز برا سا گیا تھا، تاہم ناصر نے کہا۔ ”ہاں....! مس اب ہم واپس لوٹنے ہی والے تھے، سوچا تھوڑی دیرستا لیں پھر واپس لوٹ جائیں، آبادی بھی تو بہت دور ہے۔“

”ہوں.....! ٹھیک ہے لوٹ جانا، خیال رہے شام جلد ہی اتر آتی ہے اس قبرستان میں، ایسا نہ ہو کسی مصیبت میں پھنس جاؤ۔“ کانے گورکن نے اسرار بھرے لجھے میں کہا اور پھر وہ واپس لوٹ گیا۔

”یہ بد بخت کیوں ہمارے پیچھے پڑ گیا ہے؟ ہماری مرضی ہم جس وقت بھی واپس لوٹیں۔“ ساجد نے اس کے جانے کا اندازہ کرنے کے بعد غصے سے کہا۔

ناصر کسی سوچ میں گم تھا، کانے گورکن نے کسی مصیبت کا ذکر کیا تھا اور وہ سوچ رہا تھا کہ کیا وہ انہیں اس طرح ڈرانے کی کوشش کر رہا تھا....؟  
وہ دونوں ذرا فاصلے پر جا کر ایک گھنے پیڑتے بیٹھ گئے، ناصر بھور چوکنا انداز میں چہار اطراف گاہے بگاہے نظر دوز اڑا تھا۔ درحقیقت وہ یہ دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ کہیں وہ اسرار کانا گورکن وہاں رہ کر ان کی ٹوہ تو نہیں لے رہا مگر ایسا نہیں تھا۔

دور دور تک اب ویرانی کا راج تھا، ماحول میں دم بخودی خاموشی طاری تھی، اندیشا ک وسوسوں سے فضادھڑ کی محسوس ہو رہی تھی، دونوں وہیں بیٹھے رہے، پھر کچھ سوچ کر انہوں نے ایک چکر قبرستان کا لگایا اور پھر اس مرتبہ کوئی محفوظی جگہ تلاش کر کے وہیں بیٹھ کر رات ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ یہ گدھ شہید نیک شاہ کی قبر سے تھوڑی ہی دور تھی، ان کا خیال تھا کہ وہ کانا گورکن ضرور ایک بار پھر اپنی تلی کرنے کی خاطر یہاں آئے گا کہ یہ دونوں واپس لوٹ گئے ہیں یا نہیں.... ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر یہ کانا گورکن انہیں کیوں شام سے پہلے پہلے یہاں سے لوٹ جانے کا کہہ رہا تھا، اس میں کیا راز تھا، کون سا ہے اسرار چکر تھا....؟ یہ دونوں نہیں جانتے تھے۔

وقت گز را، شام جھکنے لگی، یہاں تو ان میں بھی ہولناکے باہر محسس ہیں تباہا مگر اب شام ہوتے ہی ماحول میں مزید وحشت طاری ہونے لگی۔  
”ناصر بھائی....! شام تو ہو گئی؟“ معا ساجد نے پوچھا۔

”ہاں....! شام تو ہو گئی ہے لیکن ہم سے ایک غلطی ہو گئی۔“ ناصر نے سرگوشی میں کہا۔  
”کیسی غلطی....؟“

”ہمیں لاٹین اپنے ساتھ ضرور لانی چاہئے تھی۔“ ناصر نے بتایا۔

”کیا آسمان صاف نہیں؟ چاند کی روشنی سے بھی کام لیا جاسکتا ہے۔“ ساجد نے کہا۔  
”ہاں....ویکھتا ہوں، آسمان تو صاف ہی ہے۔“ ناصر نے شفاف آسمان پر تارے ٹھٹھاتے  
ہوئے دیکھ کر کہا۔ شام کے بعد رات جھک آئی، اب انہیں آوارہ جانوروں اور دیگر حشرات الارض  
کا بھی ڈر ہونے لگا، شتر تھا کہ طلاق سا چاند ابھرایا تھا اور پہ اسراری طلسماتی چاندنی پورے قبرستان  
پر پھیل گئی تھی، آس پاس اب آوارہ کتوں اور گیدڑوں کے چیختنے کی بھی آوازیں آنے لگی  
تھیں۔ ”ناصر بھائی....! لگتا ہے رات گھری ہو گئی ہے، کیوں ناپنا کام شروع کیا جائے؟“ ساجد  
نے ہولے سے سرگوشی کی۔

ناصر بولا۔ ”چلو۔“

وہ دونوں اٹھے اور شہید نیک شاہ کی قبر کی طرف چل پڑے۔

دفعتاً انہیں یوں لگا جیسے کوئی ان کے عقب میں چلا آ رہا ہو، ناصر نے فوراً کر کا اپنے عقب  
میں دیکھا مگر اسے سوائے تاریکی اور ملکجی چاندنی کے کچھ نظر نہ آیا، وہ اسے ماحول کا شاخانہ قرار  
دے کر پھر آگے بڑھا تو اچانک اسے اپنے عقب میں آہٹ سنائی دی، اس نے یک دم گردان موڑ  
کر عقب میں دیکھا تو اسے ایک سایہ درخت کی آڑ میں چھپتا ہوا نظر آیا۔  
”کون ہے؟“ ناصر نے دھڑکتے دل سے پکارا مگر کوئی جواب نہ ملا۔

”ساجد....! تم ٹھہر و ذرا۔“ ناصر نے ساپنڈ کو ہیں کھڑا کیا اور اس درخت کی طرف بڑھنے  
لگا جدھر وہ اسرار سایہ چھپا تھا، وہاں پہنچا تو کوئی نظر نہ آیا، اس کے دل و دماغ کو انہے جانے خوف  
نے جکڑ لیا تاہم وہ اپس مڑا تو اچانک ٹھنک کر رک گیا، اس نے دیکھا کہ گم صم کھڑے ساجد کی  
طرف ایک سایہ دے پاؤں بڑھ رہا تھا، اس کے ہاتھ میں ک DAL تھی جسے اس نے دونوں ہاتھوں  
میں پکڑے اپنے سر سے بلند کر کھانا تھا، اس کے جارحانہ تیور سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ ساجد پر حملہ  
کرنے چاہتا تھا، ناصر نے جی ہی، دیکھا تو اسے ساجد کی ہدایت میں خطرے میں محسوس ہوئی اور وہ جو چشم زدن  
میں اس سائے کے قریب جا پہنچا پھر اس سے پہلے کہ وہ جھکے جھکے کندھوں والا سایہ کdal سے ساجد  
پر حملہ کرتا، ناصر نے بڑے زور سے اسے دھکا دیا، سایہ پرے جا گرا، کdal اس کے ہاتھ سے

چھوٹ گئی، ناصر نے دیکھا وہ کانا گور کن تھا، اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا، اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ  
یہ کیوں ساجد کی جان کا دشمن بن گیا تھا۔

ادھر کانے گور کن نے بھی اٹھنے میں زیادہ دیر نہ لگائی، اس کے چہرہ پر درشتی کے آثار تھے  
اور اکٹوپی آنکھ میں بڑی خوفناک سی چمک تھی، اس نے دوبارہ کdal اٹھا کر اپنے دونوں ہاتھوں  
میں پکڑ لی تھی۔

پھر وہ ناصر کو گھور کر غصیلے لبجھ میں بولا۔ ”میں نے تم لوگوں سے کہا تھا ناکہ شام ہونے سے  
پہلے دفع ہو جانا ورنہ کسی مصیبت میں پھنس جاؤ گے، اب بھگتو۔“ یہ کہہ کر وہ کdal اپنے ہاتھوں میں  
توالتا ہوا جارحانہ تیوروں کے ساتھ اس کی طرف بڑھنے لگا۔

ناصر بھی محتاط ہو کر کھڑا ہو گیا تھا، ساجد البستہ بے چارہ حیران و پریشان کھڑا تھا، ناصر نے چلا  
کر کانے گور کن سے کہا۔

”ہماری مرضی، ہم یہاں سے جائیں یا نہ جائیں، تم کون ہوتے ہو؟ میں یہاں سے واپس  
لوٹنے پر مجبور کرنے والے؟“

کانے گور کن نے عجیب سے خونخوار لبجھ میں غرا کر کہا۔ ”بکواس مت کرو، اب تمہارے  
لوٹنے کا سے بیت چکا، اب میں تم دونوں کی ادھری قبریں بناؤں گا۔“

ناصر کے وجود میں خوف کی لہری دوڑ گئی مگر اس نے ہست نہ ہاری اور بولا۔ ”مگر تم ہماری  
جان کے دشمن....!“ ابھی اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ اس کانے گور کن نے ناصر پر کdal سے حملہ کر  
دیا مگر ناصر نے اپنے حواس بحال رکھتے ہوئے اس کے کdal والے دونوں ہاتھوں کو روکا اور اس  
سے کdal چھین کر پہیٹ میں ایک زوردار لالات رسید کر دی، کانے گور کن کو شاید ناصر سے ایسی  
بہادری کی توقع نہ تھی، وہ پہیٹ پر پلات کھاتے ہی خرخاتی آواز سے کئی قدم پیچھے ہٹ گیا، اس کے  
چہرے کے تاثرات مزید بگڑ گئے اور چہرے پر ہونا ک درشتی اٹھ آئی تھی، ناصر کا خیال تھا کہ اب یہ  
کانا گور کن واپس بھاگنے پر مجبور ہو جائے گا مگر دوسرے ہی لمحے اس نے دیکھا کہ اس کانے گور کن  
نے کھڑے ہوئے اس سے کہا۔ ”میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم دونوں یہاں کس نیت  
سے آئے ہو گئے میں تمہارا وہ مقصد ہرگز پورا نہیں ہونے والی گا کیونکہ میں خود متنبہ ہوں یا فرموں کا  
چخاری ہوں، میں تم دونوں کو ایک آخری موقع دے رہا ہوں کہاب بھی وقت ہے یہاں سے فوراً  
چلے جاؤ۔“ ناصر اور ساجد اس کی بات پر چوکے۔ کانے گور کن نے خود کو کسی جافر موس کا پیر و کار

ہاتھوں کو فضا میں بلند کر کے بولا۔ ”اسے مقدس جا فرموس کے پیر و کارو! قبروں سے نکل آؤ اور میری مدد کرو۔“

اتا کہنے کی دیر تھی کہ اچاک آس پاس کے ماحول میں عجیب سی گونج پیدا ہونے لگی۔ ناصر گردن گھمائے چاروں طرف دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا، اسے کچھ پر اسراریت کا احساس ہو رہا تھا جبکہ ساجد نے بھی یہ پر اسراری گونج سن لی تھی، وہ چلا کر ناصر سے بولا۔ ”ناصر بھائی....! اس خبیث گور کو کختم کر دو، یہ اس بدروج کا چیلا ہے۔“

ابھی اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ اچاک ناصر کا دل خوف کے مارے اچھل کر حلق میں آن الٹکا۔ نیم طلسماتی چاندنی میں وہ کیا دیکھتا ہے کہ اردوگرد کی قبروں سے مردے سالم حالت میں اٹھ کر آہستہ آہستہ ان کی طرف بڑھنے لگے۔ ایاد ہشت ناک منظر اچھے اچھوں کا پتہ پانی کر دیا کرتا ہے لیکن چونکہ ناصر نے اس بدروج کو ہمیشہ کے لیے نایود کرنے کا پختہ عزم کر رکھا تھا، اس نے اس نے اپنے اعصاب پر قابو رکھا تھا، وہ بغور چاروں طرف سے مردوں کو اپنی طرف بڑھتا ہوا دیکھے جا رہا تھا، یہ مردے کسی نئی قبروں سے شق ہو کر نیس نکلے تھے بلکہ جو قبریں شکلتہ اور نوئی ہوئی تھیں، ان کے اندر سے برآمد ہوئے تھے مگر حیرت کی بات تھی کہ وہ استخوانی حالت میں نہ تھے، اپنے اصل رنگ و روپ میں تھے البتہ ان کے جسم سفید لٹھے کے کفن میں ضرور ملبوس تھے، ان کے چہرے بھی عام انسانوں ہی جیسے تھے مگر آنکھیں پتھرائی ہوئی تھیں اور چہرے کی تیز داث دو دھیا بلب کی طرح روشن تھے، ان کی تعداد دس بارہ کے لگ بھگ نظر آتی تھی مگر ان میں مسلسل اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

ناصر نے اپنے حواس مجمعّ رکھتے ہوئے اپنے ہاتھوں میں پکڑی ہوئی کداں کو مضبوطی سے تھام لیا اور پھر جیسے ہی ایک مردہ اس کے قریب آیا، اس نے کداں کا نوکیلا اہمی پھل اس کے سینے پر سید کر دیا، مردے کے حلق سے کوئی بیج برآمد تو نہ ہوئی البتہ وہ کداں کاوار کھاتے ہی لڑکڑا کر گر پڑا، ناصر کو ہمت ہوئی اور یوں اس نے دوسرے مردے کا بھی یہی حشر کیا پھر تو جیسے ناصر پر جنون طاری ہو گیا، مردے اس کی کداں کاوار کھا کر زمین بوس ہونے لگے مگر گرتے ہی وہ اپنے ہاتھوں، پیروں اور گھٹنوں کی مدد سے گھٹنے کی کوشش کرنے لگے، خون ان کے جسموں سے

جیسے بہرہ رہا تھا۔

پھر اچاک اسے ساجد کی ولدوں چیخ سنائی دی، وہ ساجد کی طرف پلٹا اور دھک سے رہ گیا، دو مردوں نے حیران پریشان ساجد کو دیوچ یا تھا، ایک مردہ اُتر کی گزار، میں اسے دانت

بتایا تھا مگر یہ تھا کون...؟ اس بارے میں استفسار کرنے کی ہمت ساجد نے ہی اس سے کی اور بولا۔ ”یہ جا فرموس کون ہے؟“

”مقدس جا فرموس بوبو۔“ وہ کانا گور کن درشت لمحے میں بولا۔ ”وہ ناصل تخبر پر اسرار قتوں کا مالک تھا لیکن آج سے کئی سو سال پہلے زمان شاہ نامی انسان نے اس کے ساتھ جنگ لڑنے کی جرأت کی، اس نے مقدس جا فرموس کوموت کے گھاٹ اتار دیا مگر خود زمان شاہ بھی نفع سکا، مقدس جا فرموس جسمانی طور پر تمریض کا ہے لیکن اس کی روح اب بھی بھٹکتی رہتی ہے، زمان شاہ نے اسے یہاں سے دوراپنے ایک دور پرے کے رشتے دار کے گھر میں دفنا دیا تھا کیونکہ وہ مقدس جا فرموس کی پر اسرار طاقتیوں سے خوب واقف تھا اور جانتا تھا کہ جا فرموس کسی وقت بھی دوبارہ زندہ ہو سکتا ہے مگر بعد میں زمان شاہ بھی نفع سکا اور اب تم دونوں زمان شاہ کی برسوں پرانی جنگ میں شامل ہونا چاہتے ہو، میں تمہیں کبھی کامیاب نہ ہونے دوں گا۔“ یہ کہہ کر وہ مارے غیظ و غصب کے ہانپنے لگا۔ ناصر اور ساجد مبہوت سے اس کی یہ باتیں سننے رہے۔

پیش آمدہ حالات کے مطابق وہ اس کا نے گور کن کی باتوں کو سمجھ رہے تھے کہ جا فرموس وہی شیطان تھا جس کی موت زمان شاہ المعروف شہید نیک شاہ کے ہاتھوں ہوئی تھی اور اب اس کی بدروج ان کے خاندانوں کی جانی دشمن بن چکی تھی اور یہ کانا گور کن اس کے چیلوں کے خاندان سے تعلق رکھتا ہوگا۔

صورت حال میں وقت پر نیھر ہو گئی تھی مگر بجائے مایوس ہونے کے ناصر اور ساجد نے اس مشکل گھڑی سے نہیں کی ٹھان لی تھی لہذا ناصر نے جرأت اور ہمت سے کام لیتے ہوئے اس سے کہا۔ ”اے شیطان کے چیلے....! تھج پر اللہ کی مار ہو تو اور تیر ارشیطان جا فرموس ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور یہ بات بھی ہماری تم کان گھول کر سن لو کہ ہم صرف اور صرف اللہ نے ڈرتے ہیں اور وہی ہماری آگے بھی مدد کرے گا اور عنقریب اس جنگ کے خاتمے کے ساتھ تھارے اس شیطان آقا جا فرموس کا بھی ہمیشہ کے لیے کام تمام ہو جائے گا، اگر تم نے جاہدار استہ کھوٹا کرنے کی کوشش کی تو تمہیں بھی ہم ہر قدر نہیں چھوڑ دیں گے۔“

ناصر کی جرأت آمیز گفتگو اور ارادوں کی پیچشی نے کانے گور کن کو ایک لمحے کے لیے پریشان سا کر دیا مگر پھر دوسرے ہی لمحے اس نے اپنے حلق سے ایک بلند قہقہہ اگلا اور اپنے دونوں

مہلت دینے سے وہ خاصی فکر مند ہو گئی تھی، اس پر مستزاد ان لوگوں کا بھی کہنا کہ راتوں کو اب اس اندر ہیری کوٹھی سے زور زور سے روئے چلانے کی آوازیں اس قدر شدت اختیار کر پچلی ہیں کہ مارے خوف کے محلے والوں کا جینا دو بھر ہو چکا ہے، محلے والوں نے ان پر ہی الزام لگایا تھا کہ یہ سب اپنی کی وجہ سے ہو رہا تھا، مزید یہ کہ اندر ہیری کوٹھی میں بیٹھ کر یہ لوگ سفلی علوم اور جادو ٹونے کیا کرتے تھے۔

شفقت اور محلے کے چند لوگ پولیس لانے کی بھی دھمکی دے پکے تھے لیکن شفقت کی بہ نسبت زینت کچھ زیادہ پریشان نہ تھی شاید اسے تسلی تھی کہ وکیل خالدہ توفیق اپنے پولیس افسر شورہ توفیق احمد کے ذریعے ایسی صورت حال کو سنبھال لے گی۔

چنانچہ وہ دن تو خیریت سے گزر گیا البتہ اگلے دن جب دونوں تیار ہو کر دفتر جانے کی تیاریاں کرنے لگیں تو متعلقہ تھانے کی پولیس آگئی، ان کے ہمراہ ایک موٹا حوالدار بھی تھا، یہ تھانے اپنچارج تھا۔

اس نے ان دونوں کے بیانات لئے۔ زینت اور شفقت نے انہیں بتایا کہ وہ کافی عرصے سے یہاں مقیم ہیں اور اندر ہیری کوٹھی کے پڑا سر ارواقعات سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ پولیس نے پوری کوٹھی کی تلاشی لے ڈالی، محلے کے چند لوگ بھی آگئے تھے، ان میں ناصر کاموں شفقت پیش تھا اور وہ تھانیدار کے کان بھرنے کی کوشش میں دوسرے محلے والوں کی طرح بڑھ کر حصہ لے رہا تھا، بالآخر جب موٹا تھانیدار اس کمرے کے دروازے کے قریب پہنچا جہاں اس شیطانی بدروج کا مدفن تھا تو اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑا اہواں بند دروازے کے زنگ آلات اے پڑھوکتے ہوئے شفقت سے پوچھا۔ ”اس کمرے میں کون رہتا ہے؟“

بے چاری شفقت پریشان کی ہو گئی البتہ زینت مرعوب ہوئے بغیر جواب بولی۔ ”یہ کوٹھی کا استور روم ہے۔“

”ہوں.....!“ تھانیدار اس کے چہرے کو گھورتے ہوئے دانت پیس کر بڑ بڑا یا۔ ”پراس پر تالا کیوں پڑا ہے، کیا استور میں کوئی خزانہ پوشیدہ ہے؟“

شفقت نے فوراً تھانیدار کے کان بھرتے ہوئے کہا۔ ”ارتنا نیز ارجی.....! یہ اگر جھوٹ بول، ہے ہیں، اس کمرے کے اندر تو بیٹھ کر یہ لوگ سفلی عمل اور جادو ٹونے کرتے ہیں، آپ اسے ابھی کھلوانے کا حکم دیں پھر دیکھا میری بات صح ثابت ہوتی ہے کہ نہیں۔“

گاڑھنے کی کوشش کر رہا تھا، ادھر وہ خبیث کانا گورکن زور زور سے شیطانی قبیلے لگانے میں مصروف تھا۔

ناصر نے جوش کے مارے ایک زور دار چیخ ماری اور ک DAL پکڑے ساجد کی طرف لپکا، اس نے سب سے پہلے ایک مردے کی پشت پر ک DAL رسید کی اور اسے گردن سے پکڑ کر ساجد سے علیحدہ کر کے پرے دھیل دیا پھر یہی حشر اس نے دوسرا مردے کا بھی کیا۔ ساجد بے چارہ چیخ چیخ کر ناصر سے پوچھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ ان پر کن لوگوں نے حملہ کر دیا ہے لیکن ناصر کے پاس اتنا وقت نہ تھا، تاہم اس نے خوفناک نظروں سے قریب کھڑے شیطانی قبیلے لگاتے ہوئے اس کا نے گورکن کی طرف دیکھا اور پھر غصے سے دانت پیتے ہوئے وہ ایک جوشی چیخ مار کر اس کی طرف لپکا۔

کا نے گورکن نے جو ناصر کو ک DAL پکڑنے جا رہا تھا تو دوں کے ساتھ اپنی طرف بڑھتے دیکھا تو اچانک اس کے قبیلوں کو بریک لگ گئے، وہ پریشان سانظر آنے لگا مگر پھر دوسرا ہی لمحے اس نے واپس پلٹ کر بھاگنے کی کوشش کی، ناصر اس کے سر پر پہنچ چکا تھا، اس نے ک DAL کی بھر پور ضرب اس پر رسید کر دی جو خبیث کا نے گورکن کے دائیں کاندھے پر پیوست ہو گئی، اس کے حلق سے ایک کریبہ چیخ بلند ہوئی اور پھر وہ تیوار کر گرا، ک DAL کا آہنی پھل اس کے دائیں کاندھے پر پیوست تھا اور اب اس کے زخمی کاندھے سے خون جاری ہو گیا تھا، کانا گورکن اذیت ناک کراہوں کے بعد اپنے ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑ کر مٹھندا پڑ گیا۔

فرط جوش سے ناصر کا چہرہ بری طرح تمترہ تھا اور وہ زور زور سے ہائپنے بھی لگا تھا، اچانک اسے پھر ساجد کی چیخ سنائی دی، وہ بے اختیار پلٹا، کیا دیکھتا ہے کہ تین چار مردوں نے اسے زمین پر گردایا تھا، اس کی روح فنا ہو گئی، وہ کا نے گورکن کو اسی حالت میں چھوڑ کر اس کی مدد کے لیے لپکا اور قریب پہنچا تو اچانک ٹھنک کر رک گیا، تمام مردے آنا فانا نااب غائب ہونے لئے تھے۔ ناصر نے فوراً آگے بڑھ کر ساجد کو سہار دیتے ہوئے کھڑا کر دیا، اس کے کپڑے مردوں سے کھینچا تانی کے باعث پھٹ گئے تھے، ناصر نے اپنی سانسیں بحال کیں اور پھر جلدی جلدی اسے صورت حال سے آگاہ کرنے لگا۔ قبرستان میں اب ایک بار پھر ہوناگ سناٹا طاری ہو چکا تھا۔

☆=====☆=====☆

ان دونوں کو اب ایک نئی پریشانی نے آن گھیرا تھا، سب سے زیادہ پریشانی شفقت کو ہو رہی تھی، اپنے سر اور محلے والوں کی دھمکی اور دوروز کے اندر اندر اس اندر ہیری کوٹھی کو خالی کرنے کی

”آڈ زینت....! اوپر چلیں....جلدی آؤ۔“ شفقت نے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا اور دونوں اپنے کمرے میں آگئیں، باقی سب وہاں سے جا چکے تھے۔

☆=====☆

ناصر اور ساجد تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے ایک بار پھر شہید نیک شاہ کی قبر کے پاس پہنچا اور ناصر نے ہانپی ہوئی آواز میں ساجد سے کہا ”ساجد....! تم اب جلدی سے ٹالی والے بابا کا عمل دہرانا شروع کر دو، ہمارے پاس وقت بہت کم ہے۔“

ساجد نے ایسا ہی کیا اور پھر دل ہی دل میں اس نے تم بارہ عمل دہرا دیا۔

ذریعہ دیر بعد ناصر نے دیکھا کہ شہید نیک شاہ کی قبر کے اوپر ملکجے سے دھویں کے مرغولے اٹھنے لگے اور پھر ایک خاص حد تک اٹھنے کے بعد وہ مرغولے پھر گئے اس کے بعد ایک ملائیت بھری آواز بھری۔ ”شباش....! تم دونوں بہت اچھے لڑکے ہو، مجھے تم دونوں کا ہی انتظار تھا۔“

ساجد نے ہست کر کے کہا۔ ”اے نیک روح....! ہماری مدد کر، جس شیطانی مخلوق کوٹونے کی برس پہلے ہلاک کیا تھا، آج اس کی بدرودح ہمارے خاندان کی دشمن بن چکی ہے، اس نے میرے ماں، باپ کی جان بھی لے لی اور مجھے بھی نایبنا کر دا، وہ اب بھی ہمارا یقیناً نہیں چھوڑ رہی ہے، اے نیک بزرگ....! ٹالی والے بابا کی نصیحت پر ہم یہاں آپ سے مدد لینے آئے ہیں، خدا را ہماری مدد کریں ورنہ وہ بدرودح ہمیں زندہ نہیں چھوڑے گی۔“

”مدصرف اللہ کرے گا، ہم اس کا وسیلہ نہیں گے مگر ہمت تمہیں دکھانا ہوگی۔“

”ہم تیار ہیں اے نیک روح....! مگر آپ ہمیں بتا کیمیں تو سہی کہ آخر اس بدرودح کا خاتمہ کس طرح ممکن ہو سکتا ہے؟“

”ہاں...! میں ضرور یہ بتاؤں گا۔“ نیک روح بولی۔ ”کیونکہ صرف میں ہی اس شیطان کی بدرودح کو ختم کرنے کا طریقہ جانتا ہوں سنو....!“

ناصر اور ساجد ہم تک گوش ہو گئے۔ شہید نیک شاہ کی روح نے تیانا شروع کیا۔ ”سب سے پہلے تو یہ جان لو کر تم مجھے بار بار حاضرات کے عمل سے نہیں بلا سکتے، یہ ہماری اور تمہاری آخری لایات تھیت ہوگی، اگر تم نے دوبارہ ہمیں بلانے کے لیے حاضرات کا عمل کیا تو تمہیں نقصان ہو گا اس لئے جو میں کہوں، اسے دھیان سے سنو....! اب دوسرا اور اہم بات یہ کہ ہم سب جانتے ہیں کہ اس شیطان جافرموں کی بدرودح ہمارے خاندان کی دشمن بن چکی ہے کیونکہ وہ شیطان کا چیلا تھا جو

محلے کے دیگر لوگوں نے بھی سر ہلا کر اس کی بات کی تائید کی۔ جب موٹے تھانیدار نے معنی خیز انداز میں اپنے سر کو جنہیں دیتے ہوئے شفقت سے اس کی چابی مانگی مگر چابی تو تھی ہی نہیں کیونکہ ٹالی والے بابا نے اس کمرے کو کھولنے یا اسے استعمال کرنے کی ختنے سے ممانعت کر کھی تھی چنانچہ شفقت کے اس جواب پر کہ چابی کھو گئی ہے، اس کے شہبے کو تقویت ملی اور یوں موٹے تھانیدار نے کڑک دار لبجھ میں اپنے سپاہیوں کو حکم دیا۔ ”یہ تالا توڑو۔“

☆=====☆

تھانیدار کے اس حکم پر شفقت جی جان سے لرزائی تھی۔ اس نے تھانیدار کی بہت منت سماجت کی لیکن وہ اپنی بات پر اڑا رہا، کیونکہ شفقت کے روشنے پر اس کے شہبے کو مزید تقویت مل رہی تھی، یہی حال محلے کے ان لوگوں کا بھی تھا جو شفقت کے ساتھ آئے تھے۔ اور ہر سپاہیوں نے فوراً ہی اپنے افسر کے حکم کی تقلیل کی اور بالآخر تالا توڑ دیا گیا، اس کے بعد کمرے کا سالخوردہ دروازہ کھولا گیا تو ناگواری بدبوکا ایک جھوٹکا ان کے تھنوں سے نکل رہا اور سب کا جی اتنے لگا۔

ایک سپاہی نے تارچ کی روشنی اندر پھینکی تو چگادڑوں کا ایک جھنڈ پھر پھر اتنا ہوا باہر نکلا، کسی کو اندر داخل ہونے کی ہمت نہ ہوئی تھی تب تھانیدار نے کڑک دار لبجھ میں اپنے سپاہیوں کو حکم دیا۔ ”کھڑے میرا منہ کیا دیکھ رہے ہو، اندر جا کر تلاشی لو۔“

حکم حاکم مرگ مفاجاٹ کے مصدق تین سپاہی ڈرتے اندر داخل ہوئے۔ جس سپاہی کے ہاتھ میں تارچ تھی، وہ لرزتے ہاتھوں سے تارچ کے روشن ہالے کو چاروں طرف گردش دینے لگا، اچانک ایک بھیاں نک اور کریہ یہ چہرے پر تارچ کی روشنی پڑی، یہ بدرودح کا بھیا نک چہرہ تھا، باقی دو سپاہیوں کی بھی اس پر نظر پڑ چکی تھی، سپاہی کے ہاتھ سے تارچ چھوٹ کر گر پڑی اور پھر تینوں ”بھوت....بھوت“ چلاتے ہوئے باہر کو دوڑے۔

اسی لمحے اندر سے ایک غرائی ہوئی خونخوار آواز بھری۔ ”چلے جاؤ سب یہاں سے ورنہ میں سب کو مار داں گا....چلے جاؤ۔“

بس یہر کیا تھا ماسوائے شفقت اور زینت کے سب لوگ خوف زدہ ہو کر عالم بدھوای میں وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ شفقت نے ذرا بہت سے کام لیا اور فوراً آگے بڑھ کر کمرے کا واژہ بند کر کے باہر سے کنڈی لی لگادی۔

سفلی علوم کے ذریعے تیزی سے اپنا ایک مخصوص گروہ تشکیل دے رہا تھا، جس کا نام اس نے ”آگرم“ رکھا تھا یعنی شیطان کے پیجاری..... وہ کانا گور کن بھی اس ”آگرم“ گروہ سے تعلق رکھتا تھا، تمہیں قدم پر اس شیطانی گروہ کے لوگوں کا سامنا کرنا ہوگا جو جافرموں کو دوبارہ شیطانی قومیں دلانے کے لیے کوشش ہیں، جافرموں کو میں نے ہلاک کیا تھا، اب وہ بھی جسمانی طور پر زندہ نہیں ہو سکتا، مگر بد قسمتی سے اس کی بدروج اپنے کالے کرتوں کے ذریعے عام لوگوں کے لیے وباں جان بن سکتی ہے، ناہلی والے بابا کے مشورے پر تم نے بختی سے عمل کرنا ہوگا اور اس اندھیری کوٹھی کو غیر آباد نہیں چھوڑنا کیونکہ وہاں جافرموں کا ناپاک مدفن ہے، جافرموں کی بدروج کوسب سے پہلے اپنے اس مدفن کی طرف لوٹنے پر مجبور کرنا ہوگا اس کے بعد وہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گی، جافرموں کی بدروج کو س طرح اپنے مدفن کی طرف لوٹنے پر مجبور کرنا ہوگا..... یہ میں تم کو بتاتا ہوں۔“

ناصر اور ساجد بڑے غور سے اس کی باتیں سن رہے تھے۔

”تمہیں یہاں سے ایک طویل مسافت طے کر کے ڈھوک پورہ ناہی ایک بستی کی طرف جانا ہوگا جو بھیراں کے شمالی مغرب میں دوسویں کی مسافت پر ہے، جافرموں وہیں کا باشندہ تھا، کسی زمانے میں یہاں ایک بت پرست قوم آباد تھی جو ”سانسی“ کہلاتی تھی، یہ قوم سفلی علوم کی ماہر بھی جاتی تھی، جافرموں بھی انہی مردوں لوگوں میں سے تھا، اگرچہ اب اس قوم کا خاتمه ہو چکا ہے اور اب وہاں ہندو مسلم دونوں قومیت کے لوگ آباد ہیں لیکن اب بھی ”سانسی“ قوم کے چند گئے چنے لوگ وہاں موجود ہیں جو بظاہر خود کو ہندو کہتے ہیں مگر ان کا ہندو نہ ہب بے کوئی تعلق نہیں، جافرموں کی ہلاکت کے بعد سانسی قوم کی تعداد کھٹھنے لگی، کچھ نے ہندو نہ ہب قبول کر لیا اور کچھ ہمارے آباد اجداد کی دینی تبلیغ کے بعد سچے دل سے مسلمان ہو گئے مگر چند کڑ ”سانسی“ آج بھی جافرموں کے پیروکار ہیں اور خفیہ طور پر جادو ٹونا کرتے رہتے ہیں، جافرموں کی ہلاکت کے بعد جو آگرم ناہی گروہ وجود میں آیا، وہ سانسی قوم کے ان بچے کچھ لوگوں کے ساتھ مل گیا مگر اب سانسی قوم کو ”آگرم“ پر فوکیت حاصل ہے کیونکہ اب وہی جافرموں کی شیطانی قوتوں کو دوبارہ زندہ کرنے کے لیے کوشش ہیں، کانا گور کن بھی در حقیقت آگرم ہی کے گردہ تعلق رکھتی تھا اور سانسیوں کے ایسا پاپ ہی اس قبرستان میں رہتا تھا تاکہ وہ تم لوگوں کو مجھ سے ملنے نہ دے، اس طرح اب سانسی اور آگرم دونوں مشترک طور پر اپنے شیطانی پیروکار جافرموں کے مفادات کے لیے کوشش ہیں..... ڈھوک پورہ اس

بختی کا نیا نام ہے، پہلے کچھ اور ہوتا تھا، ان لوگوں نے وہاں ویران جنگل میں چھائی نامی ایک مندر کے تہہ خانے میں اپنی عبادت گاہ بنا رکھی ہے اور وہیں جافرموں کا بابت بھی بنا رکھا ہے اور رات گئے تک وہاں جاپ الاپ اور جادو ٹونا کرتے رہتے ہیں، ان کا سب سے اہم مقصد یہی ہے کہ جافرموں کی بدروج اس بست کے اندر سما جائے اور خود جافرموں کی بدروج بھی یہی چاہتی ہے، اگر ایسا ہو گیا تو جافرموں سے مقابلہ کرنا تم لوگوں کے لیے بھی خطرہ بن سکتا ہے لہذا تم نے چھائی کے اس پرانے مندر میں داخل ہو کر اس کے بابت کو پاش پاش کرنا ہوگا، کیونکہ جافرموں کی بدروج کے بس میں یہ نہیں ہے کہ وہ تا قیامت اسی طرح سرگردان مارا مارا پھر تار ہے پھر وہ خود ہی اپنے مدفن کی طرف لوٹ جائے گا، اب تم نے میری باتیں غور سے سن لیں، کوئی سوال ہے تو کرو، یہ ہماری آخری ملاقات ہوگی۔ ”شہید نیک شاہ کی روح اتنا کہہ کر خاموش ہو گئی۔“

ساجد نے پوچھا۔ ”اے نیک روح....! آپ کا بہت شکر یہ ہم ایسا ضرور کریں گے لیکن اگر خدا خواستہ اندھیری کوٹھی جہاں اس بدروج کا مدفن ہے، اگر وہ ہم سے چھوٹے یا اسے لوگ نذر آتیں کر ڈالیں تو ہمیں اس صورت میں کیا کرنا ہوگا کیونکہ وہاں محلے کے کچھ لوگوں کو ہم پر شہر ہونے لگا ہے کہ ہم اندھیری کوٹھی میں بیٹھ کر جادو ٹونا کرتے ہیں؟“

ساجد کے سوال پر شہید نیک شاہ کی روح نے کہا۔ ”ایسا ممکن ہے کیونکہ جافرموں کی بدروج بھی یہی چاہتی ہے کہ اس کے مدفن کا نام و نشان تک مٹ جائے اور وہ اسی طرح بھکتی رہے اور معمصوم اور بے گناہ انسانوں کو ستائی رہے، اس لئے تم لوگوں کو اس اندھیری کوٹھی کی بھی حفاظت کرنا ہوگی، بس اب میرے جانے کا وقت ہوا چاہتا ہے، اللہ تمہارا حامی و ناصر ہوا اور تمہاری اس نیک مقصد میں مدد فرمائے۔“ اس کے بعد شہید نیک شاہ کی قبر پر معلق وہ ملگجا سا دھوان دھیرے دھیرے او جمل ہونے لگا تھی کہ مکمل طور پر غائب ہو گیا۔

☆=====☆

”چلو اچھا ہوا ہماری جان چھوٹی، اب یہ لوگ ہمیں بیٹھ کریں گے۔“ ان سب لوگوں کے جاتے ہی زینت نے ایک طہانیت بھری سانس لے کر کہا۔

ٹنگفتہ اس کے بر عکس متفکر ہو ریوں۔ ”زینت....! یا اچھا نہیں ہوا، اس طریں لوگوں کو ٹپی اس بات کا پختہ یقین ہو جائے گا کہ ہم اس کوٹھی میں جادو ٹونا کرتے ہیں اور مجھے پورا یقین ہے کہ اس بدروج نے جان بوجھ کر اپنی خوفناک جھلک انہیں دکھائی تھی تاکہ ہمیں یہاں سے بے دخل کر

رات کے بارہ بجے کامل تھا، ہر سو گہر اس نا طاری تھا، سردی بھی کراکے کی پڑ رہی تھی، تاریک نضا پر گہری کہر چھائی ہوئی تھی، محض چند گز کے فاصلے سے زیادہ کچھ دکھائی نہ دیتا تھا، اندھیری کوٹی پر گہر اسکوت طاری تھا، اس کے گیٹ کے دونوں سگی ستونوں پر دو حصیاں گلب و روشن تھے، پولیس والوں کے لیے کوٹی کے اندر گیٹ کے پاس ہی ایک چھوٹا سا گارڈ کیبین بنادیا گیا تھا، ان چاروں نے آپس میں یہ شینی ڈیوٹی بانٹ لی تھی، شروع کے چار گھنٹے پہلے دو سپاہی گیٹ کے باہر گشت کرتے تھے جبکہ باقی دواندر گارڈ کیبین میں سوتے تھے، چار گھنٹے پورے کرنے کے بعد ان کے ساتھی انہیں جگا کر خود سوچاتے، چنانچہ اس وقت بھی اسی باہمی رضامندی کے مطابق دو سپاہی اندر کیبین میں سورہ ہے تھے اور باقی دو سپاہی گیٹ کے باہر پہرہ دے رہے تھے۔

دونوں سپاہیوں نے موسم کی مناسبت سے گرم شال اور ہر کھی تھی، ایک کے ہاتھ میں تارچ تھی، دونوں باہر ہتھ ٹھہرتی سردی میں گشت کر رہے تھے۔

”یار قادر....! سگریٹ تو پلا، بڑی سردی ہے۔“ ایک سپاہی نے اپنے دونوں ہاتھ آپس میں رگڑتے ہوئے اپنے دوسرا ساتھی قادر بخش سے کہا۔

وہ چڑ کر بولا۔ ”تجھے پتہ بھی ہے رات کی ڈیوٹی سخت ہوتی ہے، اپنا کوتا تجھے لانا چاہے تھا۔“ پہلا والا دوستانہ مسکراہٹ سے بولا۔

”اچھا یار بھول گیا، ادھار سبی، کل لاوں گا تو دے دوں گا میں بس، لا ادھر کر۔“

محبوب قادر بخش نے اپنی جیب سے سگریٹ کی ڈبی نکال کر ایک سگریٹ اسے تمہائی اور دوسرا اپنے ہونٹوں میں وباری، دوسرے نے دیا سلامی جلائی، دونوں بے لبے کش لینے لگے۔ قادر بخش کے ساتھی کا نام نواز تھا، وہ بولا۔ ” قادرے....! تجھے پتہ ہے یہ کوٹی آئیں ہے؟“

”ہاں.... ہاں معلوم ہے، یہاں یہی جھوٹی کہانی ہے تاکہ اس کامالک اونے پونے داموں اسے فروخت کر دے، قیمت گرانے کے یہ تھکنڈے بہت پرانے ہو چکے ہیں۔“ قادر بخش نے منہ بسور کر کہا۔

نواز نے کہا۔ ”میں جس کہہ رہا ہوں قادرے....! مجھے تو یار بڑا اڈر لگ رہا ہے۔“

اچاکنک، ان کی ساعتوں سے ایک آواز ٹکرائی۔ ”ٹسک.... ٹسک.... ٹھٹھ.... ٹھٹھ.... یہاں یہی آواز تھی جیسے کوئی پختہ زمین پر لامپی میکتا ہوا چلا آ رہا ہو، دونوں نے چونک کر سامنے دیکھا، وہاں گہری دھنڈ کے سوا کچھ نہ تھا۔

”دیا جائے۔“

شگفتہ کی بات زینت کو بھی معقول محسوس ہوئی۔ یہی سب تھا کہ اس کے چہرے پر تشویش کے آثار بھرا رہے اور پھر وہ اسی لمحے میں بولی۔ ”تو پھر....؟ اب کیا ہو گا؟“

”دیکھیں کیا ہوتا ہے، ان لوگوں کو تو موقع ہاتھ آنا تھا سو آگیا، اب یہ لوگ ضرور کوئی گل کھلائیں گے، بلکہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں محلے والے مشتعل ہو کر اس کوٹی کو ہی آگ نہ لگا دیں۔“

شگفتہ حد درجے پر ریشان ہو گئی۔ زینت نے اسے تسلی دینے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ”حوالہ کھو شگفتہ....! میں اپنی سکھلی ایڈو و کیٹ خالدہ توفیق سے بات کروں گی، پہلے دیکھیں تو کسی ہوتا کیا ہے؟“

وہ دن خیریت سے گزر گیا، اگلے دن صبح وہ دونوں دفتر جانے کی تیاریاں کرنے لگیں تو محلے کے چند لوگوں نے جن میں ناصر کامالوں شفقت پیش پیش تھا، انہیں اٹھی میٹم دے دیا کہ اگر انہوں نے دونوں میں کوٹی خالی نہ کی تو اس کوٹی کو آگ لگادی جائے گی۔ یہ سن کر دونوں دفتر جانے کی بجائے سیدھی ایڈو و کیٹ خالدہ کے پاس پہنچیں۔

اس نے انہیں تسلی دی کہ محلے والوں کو کسی بھی املاک کو نذر آتش کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا، یہ صریحاً جرم ہے۔ ساتھ ہی اس نے یہ بھی کہہ دیا کہ وہ اپنے شوہر انپکٹر توفیق احمد کے ذریلے متعلقہ تھانے کے انچارچ پر بھی دباؤ ڈلوائے گی اور پولیس کے چند جوانوں کو بھی اندھیری کوٹی کی حفاظت کے لیے دہاں متین کر دیا جائے گا۔

اس کی بات سن کر زینت اور شگفتہ کو قدر تسلی ہو گئی اور پھر یہی ہوا۔

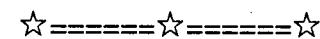
آنفائن اندھیری کوٹی کے گرد پولیس کے چند جوان متین کر دیے گئے، ساتھ محلے والوں کو بھی سختی سے منبہ کر دیا گیا کہ اگر انہوں نے قانون کو ہاتھ میں لینے کی کوشش کی تو سب کو اندر کر دیا جائے گا۔ محلے والے ڈرتو گئے لیکن چند شرپسندوں بثول شفقت نے دل میں تھیہ کر لیا تھا کہ کچھ بھی ہواں منہوں کوٹی کو نذر آتش کر کے ہی رہیں گے تاہم بظاہر انہوں نے بھی چپ سادھی۔

وقت اندیشوں اور سوہولوں کے آن دیکھ سائے تک گزرنے لگا۔ یہ اس سے تیرے روز کا ذکر تھا، اندھیری کوٹی کے باہر متین چار پولیس والوں کی بیساں ڈیوٹی آٹھ آٹھ گھنٹوں کے حساب سے تین شفشوں میں لگا کرتی تھی، بالخصوص جو چار پولیس والے رات میں ڈیوٹی دیتے تھے، ان پر زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی تھی، وہ سخت بیزار ہو چکے تھے۔

”یہ آواز کیسی ہے؟“ نوازنے کہا۔

”شاید کوئی چوکیدار ہے۔“ قادر بخش نے گھوکر سامنے چھائی ہوئی دبیز کہر میں دیکھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا، تب پھر اچانک دونوں کو دھندے میں ایک انسان کا دھندا دھندا ہیولا نظر آیا، اس کے دائیں ہاتھ میں لاٹھی تھی جسے وہ پختہ سڑک پر مارتے ہوئے دھیرے دھیرے بڑھا چلا آ رہا تھا، دونوں دم بخود سے اسے دیکھنے لگے، پھر جب وہ انسانی ہیولا دھنڈکی دبیز تھے سے پوری طرح نکل آیا تو وہ دونوں ٹھیکے، اس کا سرنظر نہیں آ رہا تھا، پہلے وہ یہی سمجھے کہ شاید دھنڈکی وجہ سے ایسا ہے، مگر جب وہ لاٹھی بدست شخص ان کے بالکل قریب آ کر کھڑا ہو گیا تو دونوں کی مارے دہشت کے چینیں نکل گئیں اور وہ تھر تھر کاپنے لگے، اس شخص کا سر غائب تھا۔

نواز تو بھاگ کھڑا ہوا جبکہ قادر بخش نے ذرا ہمت سے کام لے کر اپنی رائفل اس سر کئے انسان پر تان لی، سرکثا بڑی پھرتی کے ساتھ اسی سمت آن کھڑا ہوا جس رخ پر اس کا ساتھی نواز دہشت زده ہو کر دوڑا تھا، قادر بخش نے بھی گھبرا کر اپنا رخ موڑا اور سر کئے پر گولی چلا دی، رات کے نئے میں ایک انسانی چیخ ابھری، قادر بخش یہی سمجھا کہ سر کئے کو گولی الگ گئی ہے مگر گولی سر کئے کے جنم سے پار ہو کر دوڑتے ہوئے سپاہی نواز کی کمر میں پیوسٹ ہو گئی تھی، وہ تیورا کر گرا تھا، سرکثا جو درحقیقت جافر موس کی بدروج ہی تھی، اپنا گل کھلانے کے بعد غائب ہو چکی تھی، قادر بخش کے جب ہوش ٹھکانے آئے تو اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے، وہ بدحواسی کے عالم میں دوڑتا ہوا اپنے زمین بوس پڑے ساتھی نواز کے قریب پہنچا، اس اثناء میں گولی چلنے کے دھماکے سے باقی دو سپاہی بھی جاگ چکے تھے، نواز بے سدد پڑا تھا، اس کی کمر سے خون بہبے جارہا تھا، وہ مر چکا تھا۔



قبرستان میں ہو کا عالم تھا۔

شہید نیک شاہ کی باتیں سننے کے بعد ناصرا اور ساجد کے چہروں پر جوش مترش تھا، دور مشرق کی سمت پوچھنے والی تھی، دونوں نے ذرا دیرک کر آپس میں صلاح مشورہ کیا اور پھر آبادی کی طرف بڑھ گئے۔ انہوں نے یہی طے کیا تھا کہ ”سانسیوں اور آگرم“ والوں سے جنگ کے بغیر سب سے پہلے ”جنائی“ کے مندوں میں موجود جافر موس کے بہت کو پاش پاش کریں۔ بصورت دیگر انہیں اگر سانسیوں اور آگرم والوں سے جنگ بھی لڑنا پڑی تو وہ پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ ان کے ساتھ ایک مشکل یہ تھی کہ ساجد نا بینا تھا، جبکہ جافر موس کے بہت کو صرف ساجد ہی پاش پاش کر سکتا تھا

کیونکہ وہ شہید نیک شاہ کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔

بہر طور دونوں اللہ کا نام لے کر آبادی کی طرف چل پڑے، ہاں انہوں نے کھیتوں میں کام کرتے ہوئے ایک مقامی شخص سے ڈھوک پورہ کے بارے میں معلومات حاصل کیں کہ وہ کس طرف ہے، نیز وہاں تک انہیں پہنچانے کے لیے کوئی سواری مل سکتی تھی؟ اس شخص نے بتایا کہ ذرا دیر بعد شاہ پور سے ایک لاری آئے گی جو بھر اس سے ہوتی ہوئی سکھ پل جائے گی، وہاں سے ڈھوک پورہ نوے کلومیٹر کے فاصلے پر ہے اور وہاں سے انہیں سیدھی ڈھوک پورہ جانے کے لیے ایک اور سواری مل جائے گی۔

دونوں کو بھوک پیاس بھی ستاری تھی، کل رات سے انہوں نے کچھ نہیں کھایا تھا اس لئے انہوں نے سب سے پہلے ہوٹل کا پتہ پوچھا اور ایک چھپر نہما ہوٹل پر پہنچ کر شکم سیری کی۔

شاہ پور سے آنے والی لاری بھی وہیں رکتی تھی، ذرا دیر بعد لاری آگئی، دونوں اس میں سوار ہو گئے، پندرہ منٹ بعد لاری سکھ پل کی طرف روانہ ہو گئی۔ مضامناتی اور دیہاتی راستوں پر سفر کرتی ہوئی لاری کئی چھوٹے چھوٹے گاؤں اور بستیوں میں رکتی رہی اور رات گئے انہیں سکھ پل اتنا نصیب ہوا۔

سکھ پل ایک دریا پر تھا جسے پار کرنے کے بعد آبادی شروع ہو جاتی تھی، غالباً اسی وجہ سے اس گاؤں کا نام سکھ پل رکھا گیا تھا۔ ساجد اور ناصرا لاری سے اترے تو انہوں نے سکھ کا سانس لیا کیونکہ یہ ایک اچھا خاصا بڑا دیہی علاقہ تھا، یہاں انہیں ایک سرائے بھی مل گئی، رات انہوں نے وہیں بر کرنے کا سوچا، وہ سرائے میں داخل ہوئے۔

سرائے کیا تھی ایک چھوٹا مٹی کی دیواروں والا دمنزلہ مکان تھا، سرائے کی مالک ایک موٹی ہندو عورت تھی، سکھ پل میں مسلمانوں اور ہندوؤں کی بھی خاصی تعداد تھی، کچھ گھر سکھوں کے بھی تھے، سرائے کی مالکہ کا نام کلاوٹی تھا، وہ ایک سیاہ رنگ کی او ہیٹر عمر عورت تھی، اس عورت کے علاوہ ایک جوان لڑکی اور مرد بھی تھا۔ بعد میں پتہ چلا کہ جوان لڑکی روپا اس کی بیٹی تھی اور جوان مرد روپا کا شوہر لعنی کلاوٹی کا داما تھا، تینوں نے اس سرائے کا نظم و نقش سنپھالا ہوا تھا، باقی ایک نور بھی تھا اس کا نام عبدال قیادہ وہ ایک جوان مرد تھا۔

ناصر اور ساجد کو یہاں عجیب کی ویرانی اور دھشت کا احساس ہونے لگا، انہیں ایک کرادے دیا گیا تھا، کر اچھوٹا تھا مگر دونوں کے لیے رات گزارنے کے لیے کافی تھا، وہ جھلکا ہی چار پائیوں

تork گیا پھر ان کی طرف مڑا، ناصر کی نظر میں اس کے چہرے پر جوی ہوئی تھیں، وہ عجیب سے لمحے میں ان سے بولا۔ ”خدا کرے تمہاری رات خیریت سے گزر جائے۔“

”تم کہنا کیا چاہتے ہو؟“ ناصر اس کی بات پر چوک کر بولا۔

”عقلمندوں کے لیے اشارہ کافی ہوتا ہے۔“ وہ یہ بڑا تھا ہوا کرے سے نکل گیا۔  
ناصر اور ساجد بے چین سے ہو گئے۔ ”کیا کہنا چاہتا تھا آخر یہ...؟“ ساجد نے گوموں سے لمحے میں ناصر سے پوچھا۔

”پچھے نہیں نہ جانے کیا بات ہے، کم بخت ادھوری بات کہ کر ہمیں بلا مجہ پریشان کر گیا۔“  
ناصر نے اسے کوئے ہوئے کہا۔

”اللہ ماںک ہے ناصر ہماری....! تم دروازے کو اندر سے کندھی لگا کر سو جاؤ، صح تو کے چلے تو جانہے ہم خواہ خواہ کیوں پریشان ہوتے پھریں۔“ ساجد نے کہا۔

ناصر نے اٹھ کر کمرے کے دروازے کو اندر سے کندھی چڑھادی پھر دونوں چار پائیوں پر دراز ہو گئے، تھکن کے باعث دونوں کا ہی نیند سے براحال تھا اس لئے چار پائی پر لیٹھے ہی سو گئے البتہ کمرے کی تی انہوں نے نہیں بجھائی تھی۔

رات کے جانے کوں سے پھر اچاک ناصر کی آنکھ کھلی، اس کا دل جانے کیوں تیز تیز دھڑک رہا تھا، وہ فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا، کمرے کی تی روشن تھی، ناصر کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس کی آنکھ کس وجہ سے کھلی تھی؟ اس نے برابر والی چار پائی پر ساجد کو گہری نیند میں سوئے ہوئے پایا، اچاک دروازے کے باہر ملکی آہٹ سی ابھری۔

ناصر بری طرح ٹھنک گیا اور بغور آنکھیں سکیڑ کر دروازے کی طرف دیکھنے لگا، دروازہ ملنے لگا یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی باہر سے دروازے کو اندر دھکیل کر کھولنے کی کوشش کر رہا ہو۔

”کون ہے؟“ ناصر نے دیس چار پائی پر بیٹھے بیٹھے قدرے بلند آواز سے کہا تو اچاک دروازہ ہلنا بند ہو گیا۔

تب ناصر نے کسی کے قدموں کی چاپ سنی، باہر جو کوئی بھی تھا، وہ اب واپس جا رہا تھا، ناصر کے جی میں جانے کیا آئی کہ وہ جملی سے اٹھا اور دروازے کے قریب تھی تھی تر اس نے اندھی کھول دی پھر دروازے کا ایک پٹ کھول کر باہر دیکھا، اسے دائیں جانب مخصری نیم تاریک راہداری میں کوئی جاتا نظر آیا، ناصر کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا، وہ اس کے پیچے دبے پاؤں چل

پر میلے کچلے بستر بچائے گئے تھے۔

”لگتا ہے ہمارے علاوہ اور کوئی مسافر بیان نہیں ٹھہرا ہوا۔“ ناصر نے کہا۔

”ہاں....! مجھے بھی کچھ ایسا ہی محسوس ہوتا ہے، ایک عجیب سی خاموشی اور ویرانی ہے بیان۔“ ساجد نے خیال ظاہر کیا۔

ذرادیر بعد کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی۔

”آجاؤ دروازہ کھلا ہے“ ناصر نے کہا۔

سرائے کا ملازم عبدال اندر داخل ہوا، وہ بغور دونوں کے چہروں کا جائزہ لیتے ہوئے پاٹ لمحے میں بولا۔ ”کچھ کھانے پینے کے لیے لااؤ....؟“

”کیا ہے کھانے میں....؟“ ناصر نے پوچھا۔

”ترکاری ہے۔“ وہ بولا۔

”ٹھیک ہے لے آؤ۔“ ناصر نے کہا تو عبدال چند تھا نے وہاں کھڑا رہا۔ ناصر کو ایسا لگا جیسے وہ کچھ بے چین ساتھا اور ان سے کچھ کہنا چاہتا تھا۔

”کیا بات ہے....؟“ بالآخر ناصر نے پوچھ دیا۔

”تت.... تم لوگ مسلمان ہو؟“ عبدال نے ہولے سے پوچھا۔ بولنے کا انداز سرگوشیا نہ تھا۔

”ہاں....!“ ناصر نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے مخصر ا کہا تو عبدال خاموشی سے لوٹ گیا۔

ذرادیر بعد سرائے کی ماکہ کلاوٹی اندر آگئی، اس نے میلی سی سائز ہی باندھ رکھی تھی، اس کی آنکھیں موٹی اور بیالی ہوئی تھیں، وہ دونوں کے چہروں کو بغور دیکھتے ہوئے بولی۔ ”بھوجن کے الگ سے پیے دینے ہوں گے۔“

ناصر کو ناگوار گز راتا ہم وہ ضبط کر کے بولا۔ ”ہاں.... دے دیں گے، پیے کتنے ہوئے؟“

”پچاس روپے۔“ وہ عورت بولی۔

ناصر نے اپنی چیب سے ایک پاپس کا نوٹہ بیان کر اس کی طرف بڑھا دیا، کلاوٹی نے نوٹ لے کر اپنے گریبان میں اُڑس لیا اور کمرے سے نکل گئی، ذرادیر بعد عبدال کھانے پینے کی ٹرے اٹھا لایا، کھانا کھانے کے بعد عبدال دوبارہ خالی برتن سمیئے اندر داخل ہوا اور پھر جب لوٹنے لگا

پھر کلاوٹی نے ہانپتی ہوئی آواز میں شیکھ سے کہا۔ ”اس کی لاش سرائے کے پچواڑے پرانے کنوں میں پھینک دو اور جلدی لوٹ آؤ، ان دونوں کا بھی یہی حشر کرنا ہو گا۔“  
اس کی بات پر شیکھ، عبدل کی لاش کو دونوں ٹانگوں سے پکڑ کر گھیشتا ہوا ایک طرف لے گیا۔ یہ لرزہ خیز منظر دیکھ کر ناصر کارروائی رواں کاپنے لگا، اسے اب اپنی اور سا بجدی جانیں خطرے میں محسوس ہونے لگیں، وہ ایک لمحے ضائع کے بغیر اپس پلانا اور تیز تیز گرجھتا روی سے چلتا ہوا اپنے کمرے میں پہنچا پھر ساجد کو چھبھوڑ کر جگانے لگا۔  
”ساجد... ساجد...! اٹھو۔“  
ساجد فوراً ہٹ بڑا کر اٹھ گیا۔ ”لک... کیا ہوا....؟ خیریت تو ہے ناصر بھائی....؟“  
ناصر نے کہا۔

پھر دونوں دروازے کی طرف بڑھے اور جیسے ہی ناصر باہر نکلا، اسے سامنے شیکھ ہاتھ میں ایک بڑا سڈنڈ اتھا مے کھڑا نظر آیا، اس نے جیسے ہی وہ ڈنڈ ناصر کے سر پر سید کرنا چاہا تو ناصر نے اپنے سر کو ڈنڈے کی ضرب سے بچانے کی خاطر جھکائی میں نیچتا ڈنڈ اس کے سر پر نہ لگا البتہ اس کے بائیں کاندھے پر پڑا، ناصر کے حلق سے کرب ناک چیخ بلند ہو گئی، ساجد بے چارہ ناصر کی چیخ سن کر پریشان ہو گیا، ادھر ناصر نے جلد ہی خود کو سنبھالا، اسے اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ خونی لوگوں کے ہتھے چڑھ گئے ہیں، اگر وہ ڈر گیا تو یہ لوگ دونوں کو جان سے مارڈا لیں گے چنانچہ ادھر شیکھ نے دوبارہ ڈنڈے سے ناصر پر وار کرنا چاہا تو ناصر نے اپنے مضروب کاندھے کی تکلیف بھلا کر ایک زوردار لالت شیکھ کے پیٹ پر سید کر دی، وہ لڑکھا کر دو بوارے جاگریا، ناصر سے سنجھنے کا موقع دیئے بغیر اس پر جھپٹا اور ایک گھونسا اس کی ناک پر چڑھ دیا، گھونسے کی ضرب زوردار تابت ہوئی، شیکھ کے حلق سے کریہہ چیخ خارج ہوئی اور اس کی ناک کا پانسہ ٹوٹ گیا، اس کی ناک سے بہنے والا خون اس کے چہرے کو مزید خوفناک بنا رہا تھا، اچاک ناصر نے کلاوٹی کو ہاتھ میں وہی خون آلو ڈھپھرا پکڑے دوڑتے ہوئے اپنی طرف آتے دیکھا، ناصر نے زخمی شیکھ سے ڈنڈا چھین لیا تھا جوناک پر پڑنے والی ایک ضرب سے ڈھنڈ گیا تھا، کلاوٹی جیسے ہی اس کے قریب آئی، ناصر نے ڈنڈا اہرا کر اس کے چھپرے والے ہاتھ پر سید کر دیا، کلاوٹی کے حلق سے چیخ خارج ہو گئی اور چھر اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گیا، ناصر نے لپک کر چھر اٹھایا اور کلاوٹی کو دبو ڈھنچ کر اس کی موٹی سیاہ گردن پر اس کی دھار رکھتے ہوئے بولا۔ ”قاتل عورت....! بتاؤ ہمیں کیوں ہلاک کرنا

پڑا، وہ اسرار شخص بائیں جانب ایک اور تنگ سی راہداری کے سرے پر پہنچا، اس نے دیوار سے چپک کر آڑ سے بائیں جانب ایک اور تنگ سی راہداری میں مچانا کا تو اچاک اس نے ایک دوسرے کمرے سے دو فراڈ کو نکلتے دیکھا۔

پہلا والا شخص انہیں دیکھ کر رک گیا تھا پھر ان دونوں اراد افراد میں سے ایک نے ذرا تلخ سرگوشی میں پہلے والے شخص سے کہا۔ ”عبدل....! تم نے ہمارا کام خراب کر ڈالا۔“  
ناصر ٹھکا، وہ عورت کی آواز تھی لیکن یہ سرائے کی ماکلہ کلاوٹی نہ تھی۔

”گویا یہ عبدل ہی تھا جو دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔“ ناصر نے دل میں سوچا۔ ”مگر کیوں....؟“ اس نے الجھ کر خود سے سوال کیا پھر اسے عبدل کی آواز سنائی دی، وہ خاصے درشت لجھ میں اس جوان عورت سے بولا۔

”روپا....! میں تم لوگوں کو یہ نہیں کرنے دوں گا۔“ روپا کے ہمراہ کھڑے شخص نے بھی دانت پیس کر غصیلے لجھ میں عبدل سے کہا۔

”تم ہمارے بونکر ہوا روکروں کی طرح رہو، سمجھے، تم نے ان دونوں کو ضرور پہلے سے محتاط کر دیا ہو گا، اسی لئے وہ اندر سے کندھی لگا کر سو گئے ہیں حالانکہ ہم نے تمہیں سختی سے تاکید کی تھی کہ انہیں اوپر واپس کرے میں لے جانا جس کے دروازے پر سرے سے کندھی موجود ہی نہیں ہے۔“  
ناصر اب اس کی بھی آواز پہچان گیا تھا، یہ روپا کا شوہر تھا جس کا نام ابھی ناصر کو معلوم نہ ہو سکا تھا، ادھر عبدل نے جواباً سے مخاطب کر کے کہا۔ ”شیکھ صاحب....! میں تم لوگوں کا ملازم ضرور ہوں لیکن میں تمہیں ان کی جانوں سے کھینچنے دوں گا، سمجھے تم....؟“

ناصر، عبدل کی بات سن کر دھک سے رہ گیا، عبدل ان کا خیر خواہ نکلا تھا، لیکن ناصر کی یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر ان لوگوں کو ان سے کیا دشمنی تھی؟ اچاک ناصر نے دیکھا کہ عبدل کے عقب سے ایک اور انسانی ہیولا نمودار ہوا پھر جب تک ناصر پکھ سمجھنے کی کوشش کرتا، اس مونئے تازے انسانی ہیولے نے اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی جانے کے شے سے عبدل کی پشت پر وار کیا، عبدل کے حلق سے گھٹی گھٹی چیخ خارج ہوئی، ادھر روپا کے شوہر شیکھ نے جلدی سے آگے بڑھ کر عبدل کے منہ پر باتھر رکھ دیا، ناصر سرتاپا لارز گیا، وہ اپ اس مونئے تازے انسانی ہیولے کو پہچان گیا تھا، یہ کلاوٹی تھی، اس کے ہاتھ میں خون آلو ڈھپھرا تھا، اس نے مزید دو تین وار عبدل کی پشت پر کے اور اسے ڈھیر کر دیا۔

ناصر کو اس کی دھمکی پر غصہ تو بہت آیا تاہم اس نے چالاکی سے کام لے کر کہا۔ ”اگر یہ بات ہے تو ہمیں واقعی اپنی جانوں کی پرواہ کرنا چاہئے، ویسے سانسیوں اور آگر مسوں کی تعداد لکھتی ہے؟“ کلاوٹی غرور میں آ کر بتانے لگی تھی۔ ”یوں تواب ہماری قوم تقریباً ختم ہو چکی ہے اور آگرم کے نام سے ایک چھوٹے گروہ تک ہی محدود ہو گئی ہے، گنتی کے چند لوگ ہیں مگر جتنی بھی ہیں، وہ سب کا لے علم کے ماہر ہیں۔“

”تم بھی تو آگرم ہو، کیا تم بھی کالا علم جانتی ہو؟“ کسی خیال کے تحت ناصر نے پوچھا۔ وہ بولی۔ ”صرف آگرم ہی جادوؤں نا جانتے ہیں جبکہ ہم سانسی قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔“ ناصر کو شہید نیک شاہ کی بات یاد آگئی تھی کہ آگرم کا گروہ جافر موسیں کے مرنسے کے بعد جو دو میں آیا تھا جس کے ذمے جافر موسیں کی بدرودح کو ایک خاص عمل کے تحت اس کے مجسمے کے اندر حلول کرنا تھا یہی جافر موسیں کے چیلے بھی تھے۔

یہ معلومات حاصل کرنے کے بعد ناصر نے کلاوٹی اور بے ہوش شیکھر کو ایک کمرے میں لے جا کر چار پائی کی پائٹی والی رسی سے دونوں کے ہاتھ پاؤں باندھ کر انہیں بند کر کے باہر سے کنڈی چڑھادی پھر شیکھر کی بیوی روپا کو متلاش کر کے اسے دوسرے کمرے میں اسی طرح ڈال کر بند کر دیا اور دونوں اس مخنوں سرائے سے باہر آگئے۔ صبح کاذب کی روشنی چاروں طرف پھیلنے لگی تھی، ناصر اور ساجد گاؤں کے سرثیخ سے ملے اور اسے صرف عبد کے قتل کی حد تک ایک مسافر کی حیثیت سے ساری روادا بیٹاڈی، ساتھ ہی سرائے کے پچھوڑاۓ اس پرانے کنویں کی بھی نشاندہی کر دی جس کے اندر بے گناہ عبد کو قتل کر کے اس کی لاش پھینک دی گئی تھی۔

گاؤں کا سرثیخ بھلامانس تھا، اس نے اسی وقت اپنے آدمیوں کے ذریعے کارروائی کی اور ساتھ ہی متعلقہ تھانے کے انچارج کو بھی اطلاع دے دی، کلاوٹی، شیکھر اور روپا کی گرفتاری کی تسلی کے بعد ساجد اور ناصر ڈھوک پورہ جانے والی لاری میں سوار ہو گئے۔

ڈھوک پورہ، لاری سے پہر کے قریب پہنچ گئی تھی، لاری سے اتنے کے بعد ساجد نے ناصر سے سرگوشی میں کہا۔ ”ناصر بھائی....! ہمیں اب یہاں ہتھاڑ رہنے کی ضرورت ہو گی کیونکہ جافر موسیں کے جیلوں آگر مسوں کو ہمارے ہمراہ تھم کے پارے نہیں علم ہو چکا ہے۔“

”تم فکر نہ کرو ساجد....! اللہ نے ہمیں اپنی منزل کے قریب پہنچا دیا ہے، وہ آگے بھی ضرور ہماری مدد کرے گا۔“ ناصر نے ازراہ تشریف کہا۔

چاہتی تھی....؟ بول تو نے بے گناہ عبد کا خون کیوں کیا.... ورنہ تجھے ذبح کر ڈالوں گا بول....!“ کہتے ہوئے ناصر نے اس کی گردان پر چھرے کی نوک چھوڑی۔ کلاوٹی کے سارے کس بل نکل گئے تاہم وہ لکنٹ زدہ لبجے میں بولی۔ ”ہم تھت.... تمہیں لوٹنا چاہتے تھے۔“

ناصر سمجھ گیا کہ یہ حراثہ سفید جھوٹ بول رہی ہے لہذا اس نے اس کا منہ کھلانے کے لیے دوسرے طریقہ اختیار کرنا چاہا اور دانت پیس کر بولا۔ ”جھوٹ مت بول کیتا....! میں نے تم لوگوں کی ساری باتیں سن لی تھیں اور تجھے میں نے عبد کا خون کرتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا، اگر تو نے سچ کچ بتا دیا کہ تم لوگ ہماری جانوں کے دشمن کیوں تھے تو ہم خاموشی سے نکل جائیں گے ورنہ دوسری صورت میں تمہاری گردن ادھیر ڈالوں گا۔“

ناصر کا یہ بہ کامیاب ثابت ہوا، کلاوٹی تھوڑے تردے کے بعد بتانے لگی۔ ”ہمیں جافر موسیں کی آتمانے بتایا تھا کہ تم دونوں ڈھوک پورہ جانا چاہتے ہو تو اکہ چھائی کے اس پرانے مندر کے خفیہ تھے خانے میں رکھے جافر موسیں کے بت کو پاش پاش کر سکو۔“ اتنا بتا کر خاموش ہوئی۔

ناصر بری طرح ٹھنکا پھر اس نے غرا کر پوچھا۔ ”کیا تم لوگ بھی جافر موسیں کے پچاریوں آگرم کے گروہ سے تعلق رکھتے ہو؟“ ”ہاں....! ہمارا تعلق سانسی قوم سے ہے، ہم نے ہندو مذہب کا الیادہ اوڑھ رکھا ہے اور در پرده دوسرے لوگوں کو بھی یہی ترغیب دیتے ہیں۔“

اس کی بات سن کر ناصر کو بری طرح طیش آگیا، اس کا جی چاہا کہ اس شیطان کی پچاری کو ذبح کر دے جو بھلکے ہوئے لوگوں کو اپنے گروہ میں شامل کرنے کا گھانا و نا اور مکروہ عمل کر رہی تھی، مگر وہ اس کے گندے خون سے اپنے ہاتھ خراب نہیں کرنا چاہتا تھا، اس کا حل اس نے پہلے ہی سوچ لیا تھا، اسے کچھ سوچتا پا کر کلاوٹی اس بار ناصر کو گویا ہمکی دیتے ہوئے بولی۔ ”تم دونوں کے لیے یہی بہتر ہو گا کہ یہاں سے چپ چاپ لوٹ جاؤ اور چھائی کے مندر جانے کا خیال ترک کر دو، کیونکہ تم دونوں سانسیوں اور آگرم قوم کا تباہی نہیں کر سکتے، کیونکہ مقیدوں بجا فر موسیں کی آنکھاں ہمیں تم لوگوں کے عزم کی پل پل خردی تھی رہتی ہے، سانسی اور آگرم خبردار ہو چکے ہیں اور تمہارے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں، تم دونوں کو ڈھوک پورہ پہنچتے ہی جان سے مار دیا جائے گا۔“

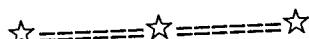
ہیں، ہم ایک اخبار سے تعلق رکھتے ہیں۔ ”ناصر نے بات بنانے کی کوشش کی۔ ”آپ کی بڑی مہربانی ہو گئی کہ آپ ہمیں اس مندر کا راستہ بتادیں۔ ”

”تمہارا نام کیا ہے؟ اور یہ تمہارا ساتھی انہا ہے کیا؟“ پچاری نے ساجد کو دیکھ کر پوچھا۔ ناصر کو اس سے اب بیزاری ہونے لگی تھی، اس نے کہا۔ ”ہاں....! یہ بے چارہ دیکھنیں سکتا، ایک حادثے میں اس کی آنکھیں خالی ہو گئی تھیں۔“

”تم نے اپنے نام نہیں بتائے؟“ اس نے اب کی بار دنوں کو تخلیک بھری نظروں سے گھوکرا پناہ سوال دہرایا تو ناصر نے دروغ گوئی سے کام لیتے ہوئے اپنے اور ساجد کے غلط نام بتائے وہ بولا۔ ”میرا نام ارجمن ہے اور میرا دوست و کرم ہے۔“

”ہوں....!“ پچاری نے ایک لمبا ہنکارہ بھرا اور پھر ہاتھ کے اشارے سے ایک جانب دیکھتے ہوئے بتانے لگا۔ ”وہ سامنے چائے کے کھیت دیکھ رہے ہو، ان کے درمیان میں ایک بل کھاتا کچار استہ جا رہا ہے، اس پر چل جاؤ، یہ راستہ اسی پر اسے مندر پر ٹھیٹھوتا ہے۔“ پچاری اتنا بتا کہ مندر کی سیڑھیوں سے واپس لوٹ گیا۔

وہ دنوں مندر کے باہر کھڑے ہو گئے، انہیں اتنا تو معلوم تھا کہ چھائی کا مندر ڈھوک پورہ کی آبادی سے چند میل دور ایک ویران جنگل میں تھا، ورنہ وہ اس مندر کو دیکھ کر دھوک کھاسکتے تھے بہر طور وہ دنوں پچاری کے بتائے ہوئے راستے پر جل پڑے۔ فیصلہ کن گھری آن پہنچی تھی، ان کا اب کسی وقت بھی آگر گروہ سے نکلا ہونے والا تھا، اس بات کا ان دنوں کو بھی احساس تھا مگر یہ مقصداً اور سچے جذبے کی لگن انہیں کشاں کشاں آگے بڑھنے پر مجبور کر رہی تھی۔



”ناصر بھائی....! ڈھوک پورہ کتنا بڑا گاؤں ہے؟“ چند ثانیے بعد ساجد نے اس کے ہاتھ تھام کر پوچھا۔

ناصر جواب مسکرا کر بولا۔ ”ارے بھتی یہ تو چھوٹی سی سستی ہے، ایسا لگتا ہے لاری نے ہمیں آبادی سے دور اترائے ہے، آؤ چلتے ہیں۔“ وہ آگے بڑھا۔

ساجد نے پوچھا۔ ”ہمیں چھائی کے مندر کے بارے میں کون بتائے گا؟“

ناصر نے چلتے چلتے کہا۔ ”کسی سے پوچھ کر دیکھ لیتے ہیں، کوئی نہ کوئی تو بتاہی دے گا۔“ دنوں چلتے رہے، سامنے کچھ گھروں کا سلسہ نظر آیا، وہ اس مت اب تیز تیز قدموں سے بڑھنے لگے، سہ پہر کے بعد شام کا اندر ہمراپھیلے لگا تھا اور وہ دنوں اندر ہمراپھیلے سے پہلے پہلے آبادی تک پہنچ جانا چاہتے تھے، آبادی تک پہنچتے پہنچتے انہیں شام نے آیا، ایک مقامی شخص کو روک کر ناصر نے اس سے چھائی کے مندر کے بارے میں پوچھا تو وہ نفی میں سر ہلا کر عجیب سے لجئے میں بولا۔ ”ہم نے تو کبھی اس نام کا مندر نہیں سن، ہاں دو ایک مندر ہیں تو کہی، وہ رہے سامنے مگر ان کا نام چھائی نہیں ہے۔“

ناصر اور ساجد دنوں تیز تیز قدموں سے مذکورہ مندوں تک پہنچ لیکن وہاں انہیں کوئی غیر معمولی بات محسوس نہ ہوئی، گیرے رنگ کی دھوئی اور بنیان پہنچنے ایک پچاری نے ان سے پوچھا۔ ”کون ہوتم لوگ....؟ کیا یہاں رات برسر کرنا چاہتے ہو؟“

”ہمیں چھائی کے مندر کی تلاش ہے، ہم وہاں جانا چاہتے ہیں۔“ ناصر نے اس سے کہا۔ ”چھائی کا مندر....؟“ پچاری الجھے ہوئے انداز میں بڑا بڑا پھر جیسے اسے یاد آگیا اور بولا۔ ”کہیں تم اس مندر کی توبات نہیں کر رہے ہو جواب بالکل ویران اور رکھنڈر میں تبدیل ہو چکا ہے؟“

”ہاں....ہاں مہاراج....! ہم اسی مندر ہی کی بات کر رہے ہیں۔“ ناصر نے امید بھرے لجج میں جلدی سے کہا۔

وہ پچاری بغور دنوں کے چہروں کا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔ ”آختم لوگوں کو اتنے صد یوں پرانے مندوں میں کیا الہما ہے....؟ اگر تم یہ سمجھتے ہو تو کہہ بیاں سزا فتن ہے تو اسی وقت لوٹ جاؤ، وہاں تمہیں کچھ نہیں ملے گا سوائے کتے، بیلوں اور چگاڈوں کے۔“

”مہاراج....! آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے، ہم دراصل پرانے مندوں کی تاریخ لکھنا چاہتے

بھائی ساجد کا بھی خیال آیا تھا کہ وہ بھی تو اسی دن سے غائب تھا، آخر یہ دونوں اچانک کہاں غائب ہو گئے تھے، ان کا کچھ پتہ نہ تھا۔

بالآخر ایک دن وہ اپنی بہو سے ناصر کے بارے میں پوچھنے کی خاطر اندر ہیری کوٹھی جا پہنچا گروہاں موجود پولیس نے اسے روک دیا۔

”شگفتہ میری بہو ہے، میں اس سے ملا چاہتا ہوں۔“ اس نے پولیس والے سے کہا۔

”ٹھیک ہے ہم پہلے اندر شگفتہ بی بی سے پوچھ لیتے ہیں کہ وہ تم سے ملا چاہتی ہے یا نہیں۔“ ایک پولیس والے نے سخیدہ لبجھ میں کہا اور پھر ایک سپاہی کا اندر شگفتہ سے اجازت لینے کے لیے بھیج دیا۔

شگفتہ نے ملنے کی اجازت دے دی تو شفقت کو اس کے پاس پہنچا دیا گیا۔

شفقت نے اس بار جوش اور غیظ کی کیپٹلی اتار کر نہایت ملتحیانہ لبجھ میں شگفتہ سے کہا۔ ”شگفتہ میں....! آخر تم مجھے بتائی کیوں نہیں ہو کہ ناصر یوں اچانک کہاں غائب ہو گیا ہے....؟ وہ میرے بیٹوں کی طرح ہے، تمہیں اللہ کا واسطہ ہے اس کے بارے میں بتا دو، ایک وہی تو میرے بڑھاپے کا سہارا تھا۔“

شگفتہ کو اپنے سر کی آہ زاری پر ترس آگیا اور پھر اس نے اسے سب کچھ سچ سچ بتانے کا فیصلہ کر لیا کہ شاید ساری حقیقت جاننے کے بعد اسے یقین ہو جائے کہ اصل بات کیا تھی اور اس طرح ان کی پریشانی بھی ذرا کم ہو جائے۔

☆=====☆

اندر ہیری کوٹھی کو بتاہ یا نذر آتش کرنے کے سلسلے میں شفقت محلے والوں میں سب سے آگے تھا بلکہ اصل حرکت ہی وہی تھا لیکن اب اپنے بھائی ناصر کی پہاڑی سارے گمشدگی نے اسے ایک نئی پریشانی میں بیٹلا کر دیا تھا کیونکہ اس کا دنیا میں ناصر کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ یہی سبب تھا کہ وہ اب اپنی بہو شگفتہ سے اس سلسلے میں ملنے پر مجبور ہوا تھا، وہ بہت کمی ہو رہا تھا۔

ادھر شگفتہ نے بھی اپنے سر کو ملوں ہوتا دیکھ کر بالآخر سے ساری حقیقت سے آگاہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تاکہ اس طرح اس کی بھی حمایت ائمیں حاصل ہو جائے اور وہ محلے کے دُنہوں کو کے ساتھ اس کوٹھی کو نذر آتش کرنے کا فیصلہ بدلتے چنانچہ شگفتہ نے اسے ساری حقیقت سے آگاہ کر دیا اور یہ بھی بتا دیا کہ ناصر اور اس کا بھائی ساجد، ثالثی والے بابا کے کہنے کے مطابق اس بدروج

نواز نامی سپاہی کی ہلاکت نے پورے محلے میں سختی پھیلا دی تھی، اس کے دوسرے ساتھی سپاہی قادر بخش کو گرفتار کر لیا گیا تھا، اس نے جیج جیج کر اپنی صفائی میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ اس کی نواز سے کوئی دشنی نہ تھی بلکہ اس نے سر کئے پر گولی چلانی تھی مگر لوگ یہی سمجھ رہے تھے کہ قادر بخش نے ان پر اسرار حالات سے فائدہ اٹھا کر نواز کے ساتھ اپنی دشنی نکالی تھی، اسے گرفتار کرنے کے بعد قیامت شروع کر دی گئی تھی البتہ نواز کے قتل کے سلسلے میں محلے والے سپاہی قادر بخش کی اس رائے سے متفق تھے کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہا تھا، لہذا نواز کے قتل کا اسلام بھی محلے والوں نے مشترک طور پر اندر ہیری کوٹھی کے باسیوں کے سر تھوپ دیا تھا۔

اندر ہیری کوٹھی پر پولیس کا پہرہ جوں کا توں تھا، محلے کے چند لوگوں نے ان پولیس والوں کے کان بھی بھرنے کی کوشش کی کہ وہ اپنی جانیں خطرے میں نہ ڈالیں اور یہاں سے چلے جائیں، اگرچہ کچھ سپاہی اس لرزہ خیز واقعے کے بعد اندر سے خوف زدہ بھی ہو چکے تھے مگر وہ اپنے افریکی حکم عدوی کس طرح کر سکتے تھے۔

ادھر زینت اور شگفتہ بھی ایک سپاہی کی ہلاکت پر رنجیدہ تھیں مگر وہ کیا کر سکتی تھیں، جانتی وہ بھی تھیں کہ یہ سارا کیا دھرا اسی بدروج کا تھا جس کی بیخ کنی کے لیے ساجد اور ناصر بھیراں نامی گاؤں گئے ہوئے تھے جنہیں گئے کافی روز بیت چلے تھے اور ان کے اب تک واپسی کے آثار تک نہیں نظر آرہے تھے، ان کی کوئی خیریت معلوم ہوئی تھی کہ خدا خواستہ وہ زندہ بھی تھے یا مر چکے تھے۔ شگفتہ نے تو اپنے بھائی ساجد اور شوہر ناصر کی اس طویل جدائی میں رو رو کر اپنا براحال کر لیا تھا، زینت اسے تسلیاں دینے کے سوا، کہ بھی کیا سکتی تھی۔

وقت گزر تاگیا، ادھر شفقت کو بھی اب اپنے بھائی کی گلر لاحق ہونے لگی تھی، اسے بار بار ہے، خیال پریشان کئے دے رہا تھا کہ پتہ نہیں وہ زندہ بھی ہے یا نہیں....! پھر اسے شگفتہ کے نایبا

ہر سو تاریک سنا تا اترنے لگا تھا، ساجد تو دیکھنے سے قاصر تھا مگر ناصر اپنے اطراف پھیلی ہوئی تاریکی میں بھاطا نظر دوں سے دیکھے جا رہا تھا۔ پچاری نے اسے سانی قبلی کے بارے میں بتایا تھا کہ انہوں نے گاؤں ڈھوک پورہ سے کافی دور ایک تاریک گھنے جنگل میں رہا۔ انتخاب کر رکھی تھی، یوں تو وہ لوگ گاؤں میں ہی سب کے ساتھ مل کر رہتے تھے لیکن اپنے خاص مذہبی دنوں اور نہواروں میں وہ لوگ آبادی سے میلوں دور گھنے جنگلوں میں سرکش دل کی جھونپڑیاں بنا کر رہتے ہیں، وہیں انہوں نے اپنی عبادت گاہیں بھی بنائی تھیں۔

ناصر کو سب سے زیادہ اس بات کی تشویش تھی کہ ڈھوک پورہ کی سرائے کی مالک کلاوٹی نے یہ سنبھی خیز امکشاف کیا تھا کہ سانسیوں کو حقیقت کا علم ہو چکا تھا کہ دو اجنبی ان کے مقدس جا فرموس کے بت کو پاش پاش کرنے کی نیت سے چھائی کے مندر میں داخل ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں چنانچہ وہ لوگ انہیں دیکھتے ہی موت کے گھاٹ اتارنے کی کوشش کر سکتے تھے۔ یہی سبب تھا کہ ناصر کچھ زیادہ ہی محتاط تھا۔

اگر ساجد کی ضرورت نہ ہوتی تو ناصر سے پہلی فرست میں لے کر واپس شہر کا رخ کرتا اور پھر خود اکیلا آکر یہ کام سرانجام دیتا لیکن اس مہم میں ساجد کی موجودگی لازمی قرار دی گئی تھی کیونکہ بقول شہید نیک شاہ کی روح اس شیطان جا فرموس کا خاتمہ اس کے خاندان کا کوئی شخص ہی کر سکتا ہے اور سر درست اس خاندان کے صرف یہ دو بہن، بھائی یعنی ساجد اور شفقت ہی زندہ بچے تھے تاہم ناصر اس کی رہنمائی میں آخر تک اس کے ساتھ رہنا چاہتا تھا۔

وہ دونوں لگ بھگ کوئی ڈیڑھ دوکلو میٹر پیڈل چلتے رہے تھے، جنگل کا سلسلہ ابھی اشروع نہیں ہوا تھا، وہ ابھی چھدری چھدری جھاڑیوں والے نامہوار میدان سے گزر رہے تھے البتہ کہیں کہیں نہ مدد درخت پر اسرا رہیوں کی طرح ایستادہ نظر آر رہے تھے، ان درختوں کی شاخیں سوکھی تھیں۔

تاروں بھرا آسمان صاف اور روشن تھا جس سے آس پاس کا علاقہ کافی روشن تھا۔

اچاک ناصر چلتے چلتے ٹھنک کر رکذا، اسے یوں لگا تھا جیسے کوئی ان کے پیچے پیچے چلا آرہا ہو مگر ناصر کو عتبہ میں دھرمکتی ہوئی تاریکی کے سوا کچھ دکھائی نہ دیا۔ ناصر سے اپنا وہم بھجو کر پھر چل پڑا۔

”ناصر بھائی.....! میں تو بہت تھک گیا ہوں، کوئی ایسی جگہ تمہیں نظر نہیں آتی جہاں ذرا دیر

کاہمیشہ کے لیے قصیہ نہیں نہیں کے لیے ایک طویل اور بہت خطرہم پر روانہ ہو چکے ہیں۔ اپنی بہو شفقت کی ساری کھانے کے بعد شفقت چند ٹائیں کی گھری اور بہت سوچ خاموشی میں مستفرق ہو گیا تھا۔

”پلیز ہم پہلے ہی بہت پریشان ہیں، ہمیں آپ کی مدد کی ضرورت ہے، خدا کے لیے آپ اس کوٹھی کو جاہ کرنے کا خیال اپنے دل سے نکال دیں، اگر ایسا ہو گیا تو نہ صرف ہماری ساری محنت اکارت چلی جائے گی بلکہ وہ بدروج بھی ہمارے بعد دوسرے بے گناہ لوگوں کی زندگی اچیرن کر دے گی پھر نہ ہم اس کے شر سے بچ پائیں گے نہ آپ سب لوگ....“ شفقت نے اسے آنے والے خطرے سے آگاہ کر دیا۔

شفقت اب چہلی بارا پنے مزاج سے ہٹ کر کچھ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ جو بہت شفقت نے بڑی تفصیل کے ساتھ اسے سنائی تھی، پہلے پہل تو اسے ان باتوں پر یقین ہی نہ آیا تھا لیکن گزشتہ حالات کے تناظر میں باریک نیتی سے جائزہ لینے کے بعد شفقت کو یقین ہونے لگا تھا کہ اس کی بہو شفقت ہرگز جھوٹ نہیں بول رہی ہے، کیونکہ ناصر کے ساتھ اس کے اپنے نایبنا بھائی ساجد کی زندگی بھی داؤ پر لگی ہوئی تھی۔

چنانچہ شفقت نے پہلی بار اپنا دست شفقت شفقت کے سر پر رکھتے ہوئے اس سے کہا۔ ”بیٹی.....! مجھے واقعی کچھ غلط فہمی ہو گئی تھی مگر تم پریشان مت ہو، میں تمہارے ساتھ ہوں، ہم سب مل کر رالہ سے دعا کریں گے کہ وہ ہمیں اس نیک مقصد میں کامیاب و کامران کرے۔“

”آئیں۔“ شفقت نے بے اختیار دعا یہی کلہ ادا کیا۔ وہ بہت خوش تھی۔

”میں محلے والوں کو اس سلسلے میں اعتماد میں لینے کی کوشش کروں گا، خدا کرے ناصر اور ساجد بہت جلد خیریت اور کامیابی سے لوٹ آئیں۔“ اس نے شفقت کو تسلی دی تو بے اختیار شفقت نے اپنا سر ان کے شانے سے لگادیا اور شفقت ملائمت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

☆ ===== ☆

پچاری کے بتائے ہوئے راستے پر ناصر اور ساجد چائے کے کھیتوں کے درمیان بی بل کھاتی گلڈنڈی پر تیر قدموں سے آگے بڑھے چلے جا رہے تھے۔

گھری شام کے دراز ہوتے سائے اب رفتہ رفتہ رات کی اندیشا کی تاریکی میں بدلنے لگے تھے۔

ستالیا جائے؟“ ساجد نے چلتے چلتے قدرے ہانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

ناصر نے رک کر دایمیں با میں دیکھا، قریب ہی اسے ایک موٹے سے تینے والا درخت نظر آگیا، وہ ساجد کو لے کر وہاں جا پہنچا۔ قدرتی طور پر دو تین موٹے تینے جڑ کر ایک وسیع پھیلاوہ رکھنے والے درخت کی عکل اختیار کر گئے تھے مگر اس کی بھی ساری شاخیں سوکھی ہوئی تھیں، ایک پتہ تک نہیں تھا، بالکل ٹنڈہ درخت تھا۔

چاند کی طسماتی ٹھنڈی روشنی میں خزاں رسیدہ درخت بڑا پمپ اسرار منظر پیش کر رہا تھا جیسے کوئی بھاری بھر کم عفریت اپنے کنی ہاتھوں اور بازوں کو پھیلائے کھڑا ہو۔

وہ دونوں اس درخت کے موٹے اور کشاوہ تینے سے پشت ٹکائے بیٹھ گئے۔

”ناصر بھائی....! ہم نے رات میں نکل کر غلطی تو نہیں کی؟“ چند ثانیوں کی دھڑکتی ہوئی خاموشی کے بعد ساجد نے ناصر کو مخاطب کر کے کہا۔

”نہیں....! سانیوں کی بستی میں داخل ہونے کا یہی وقت زیادہ مناسب رہے گا۔“ ناصر نے جواباً کہا۔

”لیکن ناصر بھائی....! ہمیں ان کی آبادی میں جانے کی کیا ضرورت ہے، ہمیں تو صرف چھائی کے مندر تک ہی پہنچا ہے۔“ ساجد نے قدرے الجھے ہوئے لجھ میں کہا۔

”تم نے شاید اس بچاری کی بات پر دھیان نہیں دیا تھا۔“ ناصر بولا۔ ”چھائی کا مندر جس گھنے اور تاریک جنگل میں ہے، سانیوں کی جھونپڑیاں بھی وہیں قریب میں واقع ہیں۔“

”تو گویا اس کا مطلب ہے کہ ہمیں ان کی آبادی کے نیچے سے گزرا ہو گا؟“ ساجد کے لجھ میں تشویش تھی۔

”یقیناً....!“ ناصر نے ہولے سے کہا۔ اچاک اسے سامنے والے ایک نبٹا چھوٹے اور کم شاخوں والے ٹنڈہ درخت کے عقب میں ایک سایہ حرکت کرتا دکھائی دیا۔ ناصر بری طرح ٹھکا۔

”یکون ہے؟“ وہ بے اختیار بڑا ایما۔ اس کی دھڑکتی نظریں ہنوز اسی درخت پر مرکوز تھیں۔

”کون ہے ناصر بھائی....؟“ ساجد نے جلدی سے پوچھا۔

”تم یہاں ٹھہرہ، میں دیکھتا ہوں، مجھے سامنے والے درخت کے عقب میں کوئی چھپا ہوا

محسوں ہو رہا ہے۔“ ناصر نے سرسر آئی سرگوشی میں کہا اور پھر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا، اس کے بعد وہ ساجد کو ہیں چھوڑ کر دھیرے دھیرے سامنے والے درخت کی جانب بڑھنے لگا۔

اس کا دل یعنی میں تیزی کے ساتھ دھڑک رہا تھا، ابھی وہ درخت کے قریب پہنچا تھا کہ اچاک اسے ایک بھلی غراہٹ سنائی دی، وہ ٹھنک کر وہیں رک گیا، اسے درخت کے موٹے تنے کے عقب میں چاند کی مدھم روشنی میں کوئی چھپا ہوا دکھائی دیا، وہ کسی جانور کا سایہ تھا جس کی پچھلی دونوں نانگیں مع ذم صاف نظر آ رہی تھیں۔

ناصر کی خونخوار درندے کے تصور سے اب الٹے بیرون پیچھے ہٹنے لگا تب اچاک ہی وہ درندہ درخت کی آڑ سے برآمد ہوا جسے دیکھ کر ناصر کے پورے وجود میں لپکی طاری ہو گئی۔ وہ ایک کالے رنگ کا شیر تھا، اس کی آنکھیں بہت چھوٹی اور چندی چندی تھیں مگر ان میں بلا کی سرنخی اور وحشت مترسخ تھی۔

ناصر اس سیاہ اور خونخوار درندے سے اس قدر خوف زدہ ہو گیا کہ اس کی نانگیں لرزنے لگیں، نتیجتاً اس کے پیچھے ہٹنے ہوئے قدم اٹھ کھڑائے اور وہ اپنا توازن برقرارہ رکھ سکا، وہ جیسے ہی بھر بھری مٹی والی زمین پر گرا تھا، ٹھیک اسی وقت وہ سیاہ رنگ کا درندہ اپنی چندی چندی سرخ آنکھوں سے اسے گھوڑتا ہوا تیزی سے اس کی جانب پکا۔

اس کے حلق سے غراہٹ اہل رہی تھی، ناصر کا خون نشک ہو گیا، اسے اپنی موت صاف نظر آئے گی، موت کو سامنے پا کر اس کے اعصاب یک دم ہی جواب دے گئے تھے۔

ادھر ساجد نے بھی اس سیاہ درندے کی غراہٹیں سن لی تھیں، وہ متوجہ سا ہو کر اٹھ کھڑا ہوا اور ناصر کو پکارنے لگا۔ ادھر اس سیاہ درندے نے بھی ناصر کے علاوہ سامنے ایک اور شخص کو دیکھا تو وہ ناصر کے بالکل قریب پہنچ کر رک گیا، اس کا اور ناصر کا درمیانی فاصلہ صرف چند فٹ کا رہ گیا تھا۔

ناصر کا لہو مخمد ہو چکا تھا، ایک خونخوار اور خونناک درندے کو اپنے بالکل سر پر پا کر اس کے حواس جواب دے گئے تھے، اس کے وجود کی جیسے ساری قوت سلب ہو چکی تھی، اس کے اندر اتنی بھتی بھتی نہ ہو پا رہی تھی کہ وہ اٹھ کر بھاگے کی ہی کوشش کر لیتا۔ دوسرا طرف ساجد تیران پر پیشان کھڑا تھا، اسے درندے کی خطرناکی کا اندازہ نہیں تھا، نہ ہی ناصر اسے کوئی جواب دے رہا تھا۔

بھانپنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا تو ساجدنے لگی ہوئے اس بات میں سرہادیا۔ اب وہ دونوں اس کا لے شیر کے عقب میں چلنے لگے، کالاشیر ان کے آگے آگے چلنے لگا۔

رات گھری ہونے لگی تھی، آسمان پر نکل طباق چاند کی طسماتی روشنی سے اطراف کا ماحول خاصی حد تک منور تھا، وہ دونوں کا لے شیر کے پیچے پیچھے چلتے رہے اور تھوڑی دیر بعد ناصر کو سامنے چاند کی روشنی میں ایک بوسیدہ عمارت کا ہوا لاظرا نے لگا، وہ شیر اس کھنڈر نما عمارت کے اندر داخل ہو گیا، ناصر یک دم رک گیا، ساجد کے قدم بھی زمین میں گز گئے۔

”ہم کہاں آگئے ہیں ناصر بھائی....؟“ ساجد نے پوچھا۔

ناصر نے بتایا۔ ”یہ شیر ہمیں ایک کھنڈر کے قریب لے آیا ہے، پتنیں یہ کیا اسرار ہے....؟“ میری تو کچھ بھجھ میں نہیں آ رہا۔“

ساجدنے کچھ سوچنے کے بعد پر خیال لجھ میں کہا۔ ”ناصر بھائی....! لگتا ہے یہ شیر ہماری کوئی مدد کرنا چاہتا ہے، وہ کہاں گیا؟“

”مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے۔“ ناصر نے بھی جیسے کچھ بھانپنے ہوئے کہا۔ ”ہمیں اس کے پیچھے چلنا ہوگا، آؤ۔“

کالاشیر انہیں رکتا دیکھ کر اپنی گردن موڑے ان کی طرف دیکھنے لگا اور دوبارہ اپنی دُم بلانے لگا پھر جب ان دونوں نے اس کی طرف آگے قدم بڑھائے تو اس نے بھی چنان شروع کر دیا۔

وہ دونوں اب کا لے شیر کے پیچے چلتے ہوئے کھنڈر کے اندر داخل ہو گئے۔ یہ ایک ٹوٹا ہوا بوسیدہ ساویع ہال نما کمرا تھا جس کی چھت امتدادِ زمانہ سے منہدم ہو کر چکی تھی، اس کا لمبے آس پاس بکھرا ہوا تھا۔

وہ کالاشیر ایک کو نے کی طرف بڑھ گیا، اچانک ایک آہٹ پر یہ لوگ بری طرح ٹھٹک، کالاشیر بھی ٹھٹکے ہوئے انداز میں رُک گیا تھا، ناصر نے عقب میں گردن موڑ کر دیکھا تو اسے چار پانچ افراد تیزی سے اندر داخل ہوتے دکھائی دیئے، ان سب کے ہاتھوں میں قرویاں اور برچھیاں تھیں جن کے پہلی ٹوٹی ہوئی چھت سے پتی چادری میں چک رہے تھے، کالاشیر ان لوگوں کی موجودگی محسوس کرتے ہی ایک ٹوٹی ہوئی دیوار سے حست لگا کر باہر تک چکا تھا۔ وہ پانچوں افراد ہاتھوں میں قرویاں اور برچھیاں تھے اندر داخل ہوئے تھے اور ان

ناصر کو یہ دیکھ کر ذرا ہمت ہوئی کہ کالاشیر قریب پہنچنے کے بعد رک گیا تھا نیز وہ اب اس کی طرف گھورنے کی بجائے ٹھٹکی باندھے ساجد کی طرف دیکھے جا رہا تھا، ناصر یہی سمجھا کہ شاید یہ کالاشیر اب ساجد پر جھنپے گا مگر وہ خود حیران تھا کہ کالاشیر اپنی جگہ سے ذرا بھی ٹس سے مس نہیں ہو رہا تھا یوں ناصر نے ذرا حوصلہ پکڑا اور لیئے لیئے پیچھے کی طرف سر کنا شروع کر دیا اور جیسے ہی وہ ساجد کے قریب پہنچا، ادھر کا لے شیر نے بھی دھیرے دھیرے ان کی طرف بڑھنا شروع کر دیا، ناصر کی مارے دہشت سے ابھی تک ہلگی بندھی ہوئی تھی، وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنی طرف بڑھتے ہوئے کا لے شیر کو تکے جا رہا تھا، اس شیر کی آنکھوں میں جانے کیسی مقناطیسی کشش تھی کہ ناصر گم صم مسا ہو کر رہ گیا تھا، ساجدنے ناصر کی موجودگی کو محسوس کر کے اس سے دوبارہ کچھ پوچھنے کی کوشش کی تھی، بمشکل ناصر کے منہ سے بے ربط نکلا۔

”شش....شیر....!“

”کیا....؟“ ساجد زور سے چلایا۔ اس اثناء میں وہ کالاشیر ساجد کو گھورتا ہوا قریب آگیا تب ایک حیرت انگیز و اقدرو نما ہوا، وہ کالاشیر اپنی دُم بلانے لگا اور اس کے ساتھ ہی وہ ساجد کے بالکل قریب آ کر اس کی ٹانگوں سے اپنے وجود کو مس کرنے لگا پھر اس کے قدموں میں بیٹھ کر اس نے اپنا سرز میں پر رکھ دیا۔

”سس....ساجد....! اپنی جگہ سے بالکل مت ہلنا۔“ ناصر نے ہلکی سرگوشی میں اس سے کہا۔ ساجد نے بھی اپنی ٹانگوں کے ساتھ کسی جانور کے وجود کا لمس محسوس کر لیا تھا۔

”نن....ناصر بھائی....! لگ....کچھ تو بتا، یہ کیا معاملہ ہے؟“ ناصر خود حیران تھا، اس کا ڈڑا اور خوف اب شدید حیرت میں بدلتا گیا تھا اسے ساجد کو بتایا۔ ”ساجد....! ایک کالاشیر تمہارے قدموں میں سر رکھ کر بیٹھا ہوا ہے، پتنیں کیا معاملہ ہے، میری خود بھجھ میں نہیں آ رہا۔“ ابھی ناصر نے اتنا ہی کہا تھا کہ وہ شیر اپنی جگہ سے اٹھا اور چند قدم آگے بڑھنے کے بعد رک گیا۔

پھر دوبارہ ان کی طرف دیکھ کر اپنی دُم بلانے لگا۔ ناصر کی کچھ بھجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے تب وہ کالاشیر دوبارہ ان کی طرف بلنا، ہوئے لے سے غریباً پھر آگے بڑھا اور رک کر ان کی طرف دیکھنے لگا، اب وہ اپنی دُم کو بھی زور زور سے ہلانے لگا۔

”میرا خیال ہے یہ میں کہیں لے جانا چاہتا ہے، آؤ....!“ ناصر نے جیسے کا لے شیر کا اشارہ

دانگوں سے ادھیڑا اور پھر دوسرا کونو کیلے ناخوں والا پنجہ مار کر اس کا چہرہ نوچ ڈالا۔

باتی تینوں سانی کا لے شیر کے مقابلے پر ڈٹ گئے، ان کے انداز و اطوار بڑے جنگجو ان طرز کے تھے، ناصر اور ساجد ایک کونے میں سمت گئے تھے، وہ تینوں سانی اپنے ہاتھوں میں قرویاں تو لے کا لے شیر کو ٹھیک رہے میں لئے ہوئے تھے، کالاشیر ان میں سے کسی ایک پر جست لگانے کے لیے پرتوں رہا تھا اور ان کی طرف گھوڑ کر غرما رہا تھا۔

تب پھر اچاک ہی اس نے ایک سانی پر چلانگ لگادی، وہ سانی بھی اس حملے کے لیے پہلے ہی چوکس تھا، اس نے فوراً جھکائی دی اور پھر جیسے ہی کالاشیر زمین پر آیا، وہ تینوں سانی اس پر جھپٹ پڑے، ایک نے اپنی قروی لی کاوار اس کے پہلو پر کیا اور دوسرا نے گردن پر جبکہ تیسرا کو دار کرنے کا موقع نہ مل سکا، کا لے شیر نے ایک زور دار دھاڑ ماری اور پلٹ کر اپنا پنجہ ایک سانی کی گردن پر مارا اور اس کی گردن ادھیڑا ہی، وہ کریبہ چیخ کے ساتھ وہیں ڈھیر ہو گیا۔

تیسرا سانی نے کا لے شیر کے پیٹ پر اپنی قروی گھونپنے کی کوشش کی تو کا لے شیر نے زخم ہونے کے باوجود اس کا نزد خدا اپنے بھیاں کی جڑیے میں دبوچ ڈالا، وہ بری طرح تڑپنے لگا۔ جو سانی اکیلا پھا تھا، اسے دوبارہ کا لے شیر پر حملے کی جرأت نہ ہو سکی تھی چنانچہ اس نے بھاگنے میں ہی عافیت جانی اور باہر کو دوڑ لگادی۔

کالاشیر اپنے دوسرا شکار کو ٹھکانے لگانے کے بعد ہائپنے لگا، اس کی گردن اور پہلو سے خون نکل رہا تھا، اس نے تیسرے فرار ہونے والے سانی کا تعاقب نہیں کیا تھا، ناصر فرما شیر کی طرف بڑھا اور اس کے زخموں کا جائزہ لینے لگا مگر وہ کیا کر سکتا تھا سوائے دکھ اور افسوس کے....

کا لے شیر نے ناصر کی طرف دیکھا پھر اپنے زخم پر زبان پھیرنے لگا، اس کے بعد وہ بمشکل اٹھا اڑا پنی ڈم ہلاتا ہوا ایک گوشے کی طرف بڑھ گیا۔ ناصر نے ساجد کو جلدی جلدی مختصر اسراری صورت حال سے آگاہ کیا اور اسے لے کر شیر کے پیچھے بجل دیا، کالاشیر ایک انتہائی عیید ترین گوشے میں آکر اپنے دنوں اگلے بچوں سے جلدی زمین کھڑپنے لگا۔

ناصر اور ساجد دم بخود سے کھڑے تھے، ناصر بغير اس کی یہ حرکت دیکھ رہا تھا، کا لے شیر نے آن واحد میں ایک خاصاً گھر اگڑھا کھوڈا ہوا اور پھر اپنا منہ گڑھے میں ڈال کر جب باہر نکلا تو ناصر نے دیکھا، اس کے جڑوں میں ایک چوڑے پھل والی کھڑاڑی دبی ہوئی تھی جو اس نے ساجد کے

دونوں کو گھیرے میں لے لیا، ناصر کے چہرے پر تشویش کے آثار مذہبی، اس نے ساجد کے کان میں سرگوشی کر کے اسے خطرے سے آگاہ کر دیا تھا، ساتھ ہی ناصر کو اس بات پر حیرت بھی تھی کہ آخر وہی اسرار کالاشیر کو ہر غائب ہو گیا، تاہم اس نے اپنے حواس بحال رکھے۔ وہ پانچوں افراد تو مند اور سیاہ رنگت کے تھے، ان کے اوپری جسم بہرہ تھے اور نیچے دھوتی ناپ کوئی تہ دار کپڑا پیٹ رکھا تھا، ان کے سر گنجے تھا اور کانوں میں پیٹل کے بالے جھول رہے تھے، ان کی آنکھوں میں دھشتیں ہلکوڑے لے رہی تھیں، البتہ ان کے قد و قامت دبتبے ہوئے تھے۔

”کون ہوتا لوگ ...؟“ ان میں سے ایک نے درشت لجھ میں ناصر کو گھورتے ہوئے پوچھا۔ وہ نبیتاز یادہ ڈیل ڈول کاما لک تھا۔

ناصر کو کچھ کچھ اندازہ ہوا تھا کہ یہ لوگ سانی قیلے کے افراد ہی ہو سکتے تھے تاہم وہ اپنے حواس بحال رکھتے ہوئے بولا۔ ”ہم شاہ پور سے آئے ہیں، ایک اخبار کے لیے کام کرتے ہیں، تاریخی مقامات کی سیر کرنا اور ان برسوں پر اనے ہندرات کے بارے میں لکھنا ہمارا پیشہ ہے۔“

ناصر کی بات سن کر ایک دوسرا بغور ان دونوں کا جائزہ لیتے ہوئے مکروہ مسکراہٹ سے بولا۔ ”تمہاری یہ چالاکی کام نہیں آئکی کیونکہ ہم تمہیں اچھی طرح جان گئے ہیں کہ تم کون ہو، مقدس جافرموس نے ہمیں سب بتا دیا ہے۔“

اس کی بات سن کر ناصر اور ساجد کا دم خٹک ہونے لگا، یہ دونوں ان پانچوں خونخوار سانیوں کے گھرے میں بری طرح پھنس چکے تھے۔

”تم دونوں اب مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔“ تیسرا نے انہیں گھور کر غراتے ہوئے کہا اور اس کے ساتھ ہی یہ پانچوں اپنے ہاتھوں میں برچھیاں اور قرولیاں لہراتے ہوئے اپنا گھیرا نگ کرنے لگے۔

ناصر کو اپنی موت صاف نظر آنے لگی، وہ تھا اور نہتا تھا، ان پانچوں خونخوار اور تنمند سانیوں سے نہیں اڑسکتا تھا جو جافرموس کے پچاری تھے۔

تب پھر زپاںک ہندڑ کے اندر ایک دھماگ لوٹی، ان کی طرف بڑستے ہوئے وہ پانچوں سانی بڑی طرح ٹھکنے، ٹھیک اسی وقت ایک درندے نے ان پر جست لگائی تھی، ناصر نے دیکھا یہ وہی اسرار کالاشیر تھا، اس نے سب سے پہلے ایک سانی کی گردن کو اپنے جڑوں تلے نوکیلے

ساجد نے خود کلامی میں کہا۔

ناصر بولا۔ ”فکر نہ کرو، ہم پھائی مندر کے علاقے میں داخل ہو چکے ہیں، مندر بھی نظر آہی جائے گا۔“

”مگر تمہیں کیسے اندازہ ہوا؟“

”تم بہت بھولے ہو۔“ ناصر نے مسکرا کر کہا۔ ”ہم پر جن پانچ افراد نے محلہ کیا تھا، وہ سانی ہی تو تھے، تم نے ان کی دھمکی نہیں سن تھی؟“

”ہاں....! یاد آیا، میں تو بھول ہی گیا تھا۔“ وہ ہولے نے ہنس کر بولا۔

”ہم ابھی میدانی علاقے میں ہی کھڑے ہیں، مجھے دور ایک جنگل کے آثار تو نظر آ رہے ہیں، میرا خیال ہے وہی سانسیوں کی آبادی ہو گی۔“ ناصر نے کہا اور پھر دونوں آگے بڑھ گئے۔

☆=====☆

شگفتہ اور زینت دونوں کو اب اس بات کی خوشی تھی کہ شفقت راہ راست پر آ گیا تھا اور سارے حالات سے آ گاہ ہونے کے بعد اس نے اب اپنے دل سے اندھیری کوئی کونڈر آتش کرنے کا خیال نکال دیا تھا نیز اس نے انہیں یہ بھی دی تھی کہ وہ اس محلے والوں کو بھی اس سلطے میں اعتدال میں لینے کی کوشش کرے گا۔ چنانچہ شفقت کی دکان نما بیٹھک پر جب محلے کے چند لوگ اکٹھے ہوئے تو انہیں شفقت نے ساری بات سے آ گاہ کر دیا۔

”یہ جھوٹ ہے، وہ دونوں عورتیں اپنے جادوؤں نے کو جاری رکھنا چاہتی ہیں۔“ ریاض نامی ایک شخص نے تینی سے کہا تو اس کی دیکھادیکھی ایک دوسرا بھی اس کی تائید میں بولا۔ ”ریاض بھائی کی بات درست ہے، اس آسمی کوئی کوشش کو کالے اور سفلی عمل کا گڑھ بنایا جا رہا ہے، ایک پولیس والا بھی ان کی بھینٹ چڑھ چکا ہے، کسی روز ہماری بھی باری آسکتی ہے۔“

شفقت نے ٹھنڈے دماغ سے انہیں سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ”تم لوگوں کو میری بات پر بھروسہ کرنا چاہئے، میرا بھاجنا صریحی تو آخر ان کے ساتھ ہی رہتا ہے اور میں کیوں اس کا بر اچاہا ہوں گا، ہمیں کچھ دن انتباہ کر لیتا چاہئے، جلد بازی کی اور اشتغال تھیں آسکر معاملہ پر یہ سے زیادہ ہو گز سکتا ہے۔“

محلے کے چند لوگوں میں شفقت کا دوست میش الدین بھی موجود تھا۔ یہ وہی شخص تھا جس

قریب آ کر اس کے قدموں میں رکھ دی، اس کے بعد ایک نظر ان دونوں کو باری باری دیکھا اور دھیرے دھیرے چلتا ہوا ٹھنڈر سے باہر نکل گیا۔

ناصر نے فوراً آگے بڑھ کر ساجد کے قدموں سے وہ کلبہڑی اٹھا لی اور اپنے دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر بغور اس کا معاشرہ کرنے لگا۔ اس کلبہڑی کا پھل تیز دھار تھا اور خاصاً چڑڑا بھی تھا لیکن دستہ بہت پرانی مگر مضبوط لکڑی کا تھا، جمیع طور پر ناصر کو یہ کلبہڑی کی قدیم طرز کی محسوس ہوئی تھی۔

اس نے ساجد کو اس کے بارے میں بتایا، ساجد ذرا الجھ سا گیا، اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ آخر اس پر اسرار کا لے شیر کا اس کے قدموں میں یہ کلبہڑی رکھنے کا آخر کیا مقصد تھا لیکن ناصر پر کچھ سمجھنے لگا تھا کہ اس کا کیا مطلب تھا لہذا اس نے ساجد سے کہا۔ ”ساجد....! اس کا لے شیر نے یہ کلبہڑی صرف تمہارے قدموں میں رکھی تھی جس کا ایک ہی مقصد ہو سکتا ہے کہ یہ کلبہڑی تمہارے حلقے ہے اور جافرموس کے بٹ کو صرف تم ہی مساز کر سکتے ہو۔“

”دل.... لیکن ناصر بھائی....! میں تو دیکھنے نہیں سکتا.... میں کس طرح اس کلبہڑی سے جافرموس کے بٹ کو پاش پا ش کر سکتا ہوں؟“

اس کی بات سن کر ناصر نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔ ”ساجد....! اللہ نے اب تک ہماری ساری رکاوٹیں دور کی ہیں، وہ آگے بھی ہماری مدد کرے گا پھر میں بھی تو تمہارے ساتھ ہوں۔“

”مگر وہ کالا شیر کہاں چلا گیا؟ وہ کیا معاملہ تھا....؟“ ساجد نے پوچھا۔  
ناصر ایک گہری سانس خارج کر کے بولا۔ ”ساجد میاں....! ہم پر اسرار اور ناقابل یقین حالات سے گزر رہے ہیں، ان میں یہ سب ممکن ہے، ہو سکتا ہے اس پر اسرار کا لے شیر کا تعلق کبھی شہید یک شاہ سے رہا ہو، آواب آگے بڑھیں، ایک سانی بھاگ چکا ہے ایسا نہ ہو وہ اپنے دیگر ساتھیوں کو بھی بیہاں بلائے۔“

ناصر نے کہا اور پھر جب دونوں ٹھنڈر سے باہر نکلنے لگے تو ناصر نے مردہ پڑے سانسیوں کی دو عدد قرویاں اٹھا لیں اور اینی ناگوں کی دونوں یہنڈلیوں پر باندھ لیں، کلبہڑی البتہ اس نے اخبار کھٹھی۔ دونوں ٹھنڈر سے باہر آ گئے۔

”کاش....! وہ کالا شیر ہماری بھائی کے مندر تک رہنمائی کر دیتا۔“ ٹھنڈر سے نکتے ہی

کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو یہ لوگ کوئی کے عقب میں دوبارہ اکٹھے ہو گئے۔  
 ”ریاض بھائی....! دیوار پھلانگنا تو ناممکن نظر آ رہا ہے، اب کیا کریں؟“ ایک نے فکر  
 بھرے لے چکے میں کہا۔  
 ریاض سرگوشی میں جواب آبولا۔ ”ہمت کیوں ہارتے ہو، ضروری نہیں کہ اب ہم سب لوگ ہی  
 اندر داخل ہوں، اگر کسی طرح دو افراد بھی ہمت کریں تو انہوںکو دسکتے ہیں۔“  
 ”مگر کیسے....؟“ دوسرے نے پوچھا۔  
 ”ہم خود یہ رہیاں بن سکتے ہیں۔“ ریاض نے کہا۔ پھر انہیں سمجھانے لگا۔ وہ سب ریاض  
 کی ذہانت کے قائل ہو گئے۔  
 اب طے یہ کیا گیا تھا کہ صرف ریاض اور اس کا ایک ساتھی اندر داخل ہوں گے بعد میں  
 رسی کی مدد سے پڑوں کے گھلیں اور سکھنچ لئے جائیں گے لہذا ایسا ہی کیا گیا۔  
 سب سے پہلے بھی دیوار کے سہارے ایک نبیتاً تونمند شخص کو کھڑا کر دیا گیا پھر اس کے  
 کانڈھوں پر ایک دلبے پتے شخص کو سیدھا کھڑا کر دیا گیا، اس کے بعد ریاض مزید داؤ میوں کے  
 سہارے پر اس دلبے شخص کے کانڈھوں پر نیک گیا، وہاں سے اس نے اپنے دنوں ہاتھ منڈیر پر  
 پھنسا لئے اور اپنے وجود کو بازوؤں کے سہارے اور پر کر دیا، پھر اسی طرح دوسرے شخص کو بھی اپنے  
 اوپر لا کر دیوار کی منڈیر تک پہنچا دیا گیا، اس کے بعد ایک رسی کے ذریعے پڑوں کے دو گھلیں بھی  
 اوپر سکھنچ لئے گئے۔ ریاض اور اس کا ساتھی اندر پائیں باغ میں کو دگئے گرماں سے پہلے وہ دنوں  
 گھلین اندر اتار چکے تھے۔  
 چند ثانیے وہ گھنے پوڑوں میں دم سادھے دبکے پہنچے رہے پھر اس کے بعد ریاض سرگوشی  
 میں اپنے ساتھی کو ہدایت دینے لگا۔  
 پھر ان دنوں کو جہاں جہاں موقع ملا، وہاں انہوں نے پڑوں چڑک دیا، یہ کوئی قدیم طرز  
 کی تھی اور زیادہ تر اس میں عمارتی لکڑی کا استعمال کیا گیا تھا، اس لئے بڑی آسانی سے باہر ہی باہر  
 کام نہ سانے کے بعد دنوں پہنچے، ریاض نے تھوڑا پڑوں پچار کھا تھا جسے وہ اپنے قدموں پر چھڑ کر  
 ہوا اپس عقبی دیوار تک پہنچا۔

کے ساتھ تیمور کے گھر جا کر انہوں نے ناصر کے لیے شفقت کا رشتہ مانگا تھا، اس نے بھی شفقت کی  
 حمایت میں محلے کے ان لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کی، چنانچہ وہ لوگ خاموشی سے اٹھ کر چلے تو گئے  
 تھے مگر حقیقت یہی تھی کہ وہ شفقت کی باقیوں سے ذرا بھی متفق نہیں ہوئے تھے، ان میں ریاض ناہی  
 شخص سب سے آگے تھا، لہذا اس نے چند لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لیا اور اس اندر ہیری کوئی کوئی کوآگ  
 لگانے کا منصوبہ تیار کیا جانے لگا، وہ لوگ اب یہ سمجھ رہے تھے کہ شفقت اپنے بھائی ناصر کی وجہ  
 سے دب گیا ہے لہذا اب یہ کام انہیں خود ہی مل کر انجمام دینا ہو گا۔

نواز نامی پولیس والے کی ہلاکت کے باوجود اندر ہیری کوئی پر پولیس کا پھرہ موجود تھا،  
 ریاض اور اس کے ساتھیوں نے سب سے پہلے اس بات کا پتہ لگایا کہ رات کی شفت میں کتنے  
 پولیس والے پھرے پڑھتے ہیں تب انہیں معلوم ہوا کہ رات کے وقت چونکہ شرپندی کا زیادہ  
 خطرہ تھا، اس لئے رات میں اب پانچ پولیس والے تعینات کر دیئے گئے تھے جبکہ دن اور شام کی  
 شفتوں میں صرف دو دو پولیس والوں کا پھرہ ہوتا تھا۔ ریاض نے اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے  
 اپنے ساتھ چھ افراد کو ملا لیا، یہ کام بڑی رازداری کے ساتھ کیا جانے والا تھا، سب سے پہلے  
 انہوں نے پڑوں اور مٹی کے تیل کے چار کیوں کا بندوبست کیا اور دو افراد کے حوالے ایک ایک  
 کین کر دیا گیا۔

جس نوٹے میں ریاض تھا، ان کے پاس دو کین تھے، اب منصوبہ یہ تھا کہ ایک ٹولہ اندر ہیری  
 کوئی کے عقب سے دیوار پھاند کر اندر داخل ہونے کی کوشش کرے گا جبکہ دوسرا ٹولہ جنوبی دیوار  
 سے نقب لگائے گا، جبکہ خود ریاض اور اس کے بیچے دو ساتھی کوئی کے دامیں جانب والی دیوار کو  
 پھاند نے کی کوشش کریں گے، چنانچہ منصوبہ مکمل ہوتے ہی اس پر عمل شروع کر دیا گیا۔

کوئی کی اصل عمارت کے گرد چہار دیواری زیادہ بلند نہ تھی تاہم پھر بھی اسے نقب لگا کر  
 پھاند جا سکتا تھا۔ رات جب اپنے نصف پھر میں داخل ہوئی تو یہ لوگ تین نویوں میں بٹ کر  
 اندر ہیری کوئی کی طرف چل دیئے۔

جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے کہ یہ کوئی الگ تھلگ اور ایک مختصر سے میدانی علاقے میں واقع  
 تھی، کوئی کے چاروں طرف کا ملاعنة خالی پلاٹوں پر مشتمل تھا اس لئے آگ لئنے کی صورت میں اس  
 کے پھیلاؤ اک خطرہ نہ تھا، بہر طور پر یہ لوگ اپنے اپنے مقررہ مقام تک پہنچ لیکن انہیں دیوار پھاند نے

آگے بڑھ رہا تھا، اس کی کپٹیاں بری طرح سائیں سائیں کر رہی تھیں، اس کے دل میں ٹھنک سی ہو رہی تھی۔

تھوڑی دور تک آنے کے بعد جنگل کا گھنابن ختم ہونے لگا اور خود و جھاڑیوں کا ایک منظر میدان نظر آنے لگا، ایک مقام پر ناصر ٹھنک کر زک گیا اور بغور آنکھیں سکیرے سامنے مٹنے لگا، اسے ذرا دور گھاس اور خود و جھاڑیوں کے میدان میں سرکندوں کی چھوٹی چھوٹی جھونپڑیاں نظر آنے لگیں، چند ایک جھونپڑیوں سے روشنی کے جگنو سے چمکتے دھائی دے رہے تھے، اس کا دل بے اختیار سرست سے دھڑک اٹھا، وہ اس خوشی میں ساجد سے سرگوشی میں بولا۔ ”ساجد....! لگتا ہے ہم منزل کے قریب پہنچ چکے ہیں۔“

”اچھا۔“ ساجد بھی دھی کی آواز میں خوشی سے بولا۔ ”کیا ہم پرانے مندر کے قریب پہنچ کچے ہیں؟“

”نہیں....! ہم ابھی سانیوں کی آبادی تک آپنچے ہیں، ہمیں اب راستہ بدلت کر آگے بڑھنا ہوگا، چھائی کا وہ پرانا مندر آبادی سے ذرا ہی دور ہے، آؤ چلیں۔“ ناصر نے کہا اور دونوں اکابر پھر آگے بڑھ گئے۔

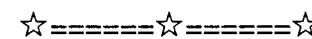
ناصر نے اب احتیاطاً اپنی ایک پنڈلی سے قردی نکال کر ساجد کی پنڈلی پر باندھ دی تھی کہ بوقتِ ضرورت کسی فوری اور مکمل خطرے کے پیش نظر وہ اسے استعمال میں لا سکے۔

اب وہ دونوں سانیوں کی آبادی سے ذرا ہٹ کر آگے بڑھ رہے تھے، ذرا ہی دیر بعد سرکندوں کے جھونپڑے بہت دور چلے گئے، یہاں پر جنگل کم گھنا تھا اور چٹکی ہوئی چاندنی میں آس پاس کا ماحول خاصی حد تک روشن تھا، اس مدھم روشنی میں ناصر کو اچاکب اپنے دائیں جانب ذرا فاصلے پر ایک مخروطی اور کھنڈ رنمای عمارت کے آثار نظر آئے، وہ فوراً بھاپ گیا کہ یہی چھائی کا پرانا مندر تھا۔

ناصر کا میابی کے جوش میں اب تیز تیز قدموں کے ساتھ آگے بڑھنے لگا، ابھی وہ دونوں تھوڑے ہی دور چلے تھے کہ اپنچھ ناصر کو اپنے دنہوں پیروں میں پکڑنے کا احساس ہوا پھر اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھتا، اچاکب اس کے دونوں پاؤں ایک جھنکے سے اوپر اٹھے، بے اختیار اس کے

پھر دونوں ایک گھنے اونچے درخت پر چڑھ گئے جو دیوار کی منڈیر کے بالکل قریب تھا، دوبارہ واپس باہر کو دنے کے لیے ریاض نے پہلے ہی سے اس درخت کا انتخاب کر رکھا تھا، درخت پر چڑھنے کے بعد ریاض نے اپنی قمیں کی جیب سے ماچس نکالی اور زہری مکراہٹ کے ساتھ دیا سلاہی جلا کر پڑوں کی بنائی ہوئی لکیر کی طرف اچھا دی، پڑوں کی لکیر نے جلتی ہوئی دیا سلاہی کے گرتے ہی آگ پکڑ لی اور ایک آتشی لکیر نے تیزی کے ساتھ اندر ہیری کوٹھی کی چوبی دیواروں کو کسی آتشی اڑھے کی طرح نگلنے کے لیے اپنا سفر شروع کر دیا۔

اپنا ”کام“ نمائنے کے فوراً ہی بعد دونوں نے درخت سے منڈیر پر چلا گک لگائی اور پھر باہر نیچے تاریکی میں کوڈ گئے۔ آگ نے جیسے ہی کوٹھی کی دیوار کو چھوا اچاکب آسمان پر زور سے بھلی کر کی اور پھر موسلا دھار بارش کا سلسہ شروع ہو گیا جو اس قدر شدید اور طوفانی تھا کہ پڑوں کی بھڑکتی ہوئی آگ بھی اس آنا فانا شروع ہونے والی طوفانی ہوا اور بارش میں بھکر رہ گئی، کوٹھی کے لکینوں کو پتہ ہی نہ چل سکا تھا کہ مشیت ایزدی سے ایک گھناؤنی سازش خود اپنی موت مر پھکی تھی۔



وہ دونوں بستور تاریکی میں آگے بڑھتے رہے، ان پانچ سانیوں کے ملنے کے بعد سے ناصر اب پہلے سے زیادہ محتاط ہو گیا تھا لہذا وہ اپنے گرد و پیش میں گہری نظریں ڈالے ہوئے ساجد کے ساتھ تیز تیز قدموں سے آگے بڑھ رہا تھا، ناصر کا دل تیز تیز دھڑک رہا تھا، اسے اب ہر قدم پر خطرہ سانپ کی طرح پھن کاڑھے گھات میں بیٹھا محسوس ہو رہا تھا، جنگل قریب آنے لگا تھا، یہاں قدر گھنا اور تاریک جنگل تھا کہ ناصر کے لیے اس کے اندر داخل ہونے کا تصور ہی حال ہو رہا تھا مگر وہ محتاط اور چوکس تھا، جنگل کے قریب پہنچ کر وہ ذرا دیر کے لیے رک گیا، جنگل کے اندر آیتی سنانا طاری تھا۔

بہر طور ذرا دیر بعد ناصر اور ساجد نے اللہ کا نام لے کر آگے قدم بڑھا دیئے۔ وہ دونوں اب گھنے جنگل میں واش ہو گئے تھے اور ناصر کی کوشش یہی تھی کہ وہ لائبے لابنے درختوں کی آڑ لینے کی بجائے بولے قد کے مگر چھتار اور گھنے پیروں کی آڑ لیتا ہوا

بدرود ۰ 189

معلوم تھا کہ ڈھوک پورہ کے سرائے کی ماک کلاوتی بھی سانسی قیلے ہی سے تعلق رکھتی تھی جسے بعد میں انہوں نے پولیس کے حوالے کروادیا تھا لہذا یہی سبب تھا کہ کلاوتی کا حوالہ دینے پر وہ لوگ کچھ سوچنے پر مجبور ہو گئے تھے لہذا وہ سب انہیں چھوڑ کر پرانے مندر کی طرف دوڑے مگر دوسرے ہی لمحے ایک گنجدار آواز پر وہ ٹھنک کر زک گئے۔

”بذردار....! ان کے جھانے میں نہ آؤ، یہی وہ دونوں موزی ہیں، جو میرے بت کو پاش پاش کرنے آئے ہیں، ان دونوں کو ترنٹ ختم کر ڈالو۔“

ناصر اور ساجد اس آواز کو پچھاں کر لرزائی، یہ جا فرموس کی بدرودح کی آواز تھی، خطہ محسوس کرتے ہی ناصر نے سب سے پہلے زمین پر پڑی کھاڑی اٹھا لی اور پھر ساجد کا ہاتھ پکڑ کر دائیں جانب کی قد آدم جھاڑیوں کی طرف دوڑتا چلا گیا، وہ پانچوں سانسی اب خونخوار آوازیں نکلتے ہوئے ان کی طرف دوڑے، ناصر اور ساجد جھاڑیوں اور درختوں کے گنجان سلسلوں کی آڑ لیتے ہوئے ایک لمبا چکر کاٹ کر چھانی کی کھنڈر نما عبادت گاہ کی عقبی دیوار کے قریب جا پہنچے۔

چند ثانیے وہ وہاں دم سادھے کھڑے رہے، اس کے بعد ناصر نے ساجد کو اپنے عقب میں آنے کا کہا اور پھر دونوں دیوار سے چکے چکے عبادت گاہ کے مرکزی دروازے کی طرف بڑھنے لگے، عبادت گاہ کا دروازہ شکستہ اور ٹوٹا ہوا تھا، ناصر کو جرحت تھی کہ انہوں نے اپنی اس عبادت گاہ کی نئے سرے سے مرمت تو ایک طرف تھوڑی سی ٹھوکاٹھا کی بھی نہ کی تھی، آخر جوہ کیا تھی، کیا جا فرموس کے بت میں اس کی بدرودح حلول ہونے تک اسے دانتہ ایسا ہی رہنے دیا گیا تھا، ایک ہی وجہ اس کے ذہن میں آئی تھی، ان کا تعاقب کرنے والے وہ پانچوں سانسی یہنک گئے تھے، ناصر کو ان میں عقل کا نقدان محسوس ہوا تھا، وہ جانکلی قسم کی قوم معلوم ہوئی تھی۔

بہر طور وہ دونوں تاریکی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے عبادت گاہ کے شکستہ دروازے کے قریب پہنچ گئے، ناصر نے ساجد کو دیہیں ایک گوشے میں کھڑے رہنے کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ ”ساجد....! منزل ہمارے قدموں تلے ہے، ہمیں جلد بازی سے کام نہیں لینا ہو گا، تم ادھر ہی ٹھہر وہ میں ذرا اندر کی سن گن لے کر آتا ہوں۔“ یہ کہہ کر ناصر میطاط قدموں سے

حلق سے ایک تیز بیج خارج ہو گئی، اگلے ہی لمحے وہ سر کے بل اوپر امتحنا چلا گیا، کھاڑی بھی اسے ہاتھوں سے چھوڑ کر نیچے خود رو جھاڑیوں میں گر پڑی، ساجد بے چارہ جیران پریشان کھڑا تھا، وہ ناصر کو آواز میں دینے لگا، ٹھیک اسی وقت آس پاس کی جھاڑیوں سے چھسات نگ دھڑنگ سانسی اپنے ہاتھوں میں قرویاں اور نیزے سنبھالے نمودار ہوئے اور انہوں نے جیران پریشان کھڑے ساجد کو چاروں طرف سے گیر لیا۔

ناصر نے ساجد کو خطرے میں پایا تو اس کے وجود میں جوش کی ایک تیز لہری آئی، منزل کے قریب پہنچ کر وہ شکست سے دو چار نہیں ہونا چاہتا تھا چنانچہ اس نے ہمت اور جرأت سے کام لیا اور کسی طرح زور لگا کر اپنے سر کے بل فضا میں مغلظ و جود کو سمیٹ کر اپنی پنڈلی پر بندھی ہوئی قرویں نکال لی پھر ناٹکوں کی رسی کاٹ ڈالی لیکن اس نے یہ احتیاط رکھتی تھی کہ اس کا دوسرا جھوٹا ہوا سر اس کے ہاتھوں میں ہی مضبوطی سے تھمار ہے ورنہ سر کے بل گرنے سے اس کی گردان کی ہڈی ٹوٹ سکتی تھی۔

بہر طور دونوں پیروں کے جکڑ بندے کاٹنے کے بعد وہ نیچے کو گدگیا، پانچوں سانسی اب اس کی طرف متوجہ ہوئے، ناصر نے یہاں جوش کی بجائے ہوش سے کام لیا اور چلا کر ان سے بولا۔

”بے دوقوف....! جلدی کرو وہ دونوں مسلمان تھماری عبادت گاہ میں داخل ہو چکے ہیں، انہیں روکو، وہ مقدس جا فرموس کا بت پاش کرنے والے ہیں، ان کے ہمراہ کالاشیر بھی ہے جس نے تھمارے دوسرے ساتھیوں کو بھی ہلاک کر دیا ہے۔“

ناصر کی بات سن کر ان پانچوں سانسیوں کے چہروں پر ایک لمحے کو بھجن کے تاثرات اٹھ پڑے۔ ناصر نے بغور ان کے چہروں کا جائزہ لیتے ہوئے پہلے ہی یہ اطمینان کر لیا تھا کہ ان میں وہ شخص تو موجود نہ تھا جو کالے شیر کے بچوں سے اپنی جان بچا کر بھاگ نکلا تھا ورنہ وہ ان دونوں کو پہچان لیتا۔

”مگر تم کون ہو....؟“ ایک سانسی نے قروی لہراتے ہوئے قدرے تیز لمحے میں اس سے پوچھا۔

”ہمیں کلاوتی نے بھیجا ہے یہاں تاکہ ہم تمہیں خطرے سے آگاہ کر سکیں۔“ ناصر کو چونکہ

آرہے تھے، فرط جوش سے ناصر کی رگوں میں خون کی گردش تیز ہو گئی، اس نے ساجد کو ساتھ لیا اور پھر وہ دونوں ان کے تعاقب میں چل پڑے۔

خاصی دور تک آنے کے بعد چھوٹے بڑے ٹیلوں کا سلسہ شروع ہو گیا، ایسے ہی ایک نسبتاً بلند نیلے کے ایک تاریک غار کے سامنے وہ پانچوں سانی کھڑے ہو گئے۔

ناصر اور ساجد بھی ایک چھوٹے نیلے کی ڈھلوانی آڑ لے کر ان کی طرف دیکھنے لگے۔ انہوں نے دیکھا کہ غار کے اندر روشنی ہو رہی تھی اور اندر سے مزید قین عدد نیزہ بردار سانی باہر نکلے، وہ پانچوں نووار دسانی ان سے کچھ باقی کرنے لگے پھر مطمئن ہو کر وہ واپس پلٹ گئے۔

ان کے جاتے ہی غار کے اندر سے برآمد ہونے والے وہ تینوں سانی بھی امداد چلے گئے، جب وہ پانچوں سانی بہت دور تاریکی میں غالب ہو گئے تو ناصر نے کلبازی ساجد کو تھانتے ہوئے جوش سے لرزتی آواز میں کہا۔ ”ساجد....! اب اس بدروج سے چھکارا پانے کا وقت آگیا ہے، آؤ میرے ساتھ۔“

ساجد نے کلبازی اپنے ایک ہاتھ میں تھام لی۔

پھر دونوں دھیرے دھیرے قدموں سے چلتے ہوئے غار کے دہانے پر پہنچے اور ذرا ہی دیر بعد وہ اندر داخل ہو گئے۔

یہ بہت تنگ ساغار تھا اور محرومیٰ چھپت والا کمر اتحاد حس کے وسط میں ناصر کو مشکلوں کی روشنی میں ایک چھفت لمبا اور چار فٹ چوڑا اسیہ اور بھیا نک صورت والا بت ایستادہ نظر آیا، اس کے گرد وہی تینوں سانی بھی چوکس کھڑے تھے۔

ناصر نے ہاتھ میں قروی پکڑ لی تھی، اچانک ایک سانی کی نظر ان دونوں پر پڑی، وہ زور سے چلا یا۔

ناصر نے ساجد کو ہوشیار ہونے کا کہا پھر جیسے ہی ایک نیزہ بردار سانی اس کی طرف بڑھا، ناصر نے چھپت کراس کے ہاتھ سے نیزہ چھین لیا اور پھر تی کے ساتھ اس کے پیٹ میں گھونپ دیا، وہ کریبہ چیخ کے ساتھ گر پڑا۔

گردو پیش کا جائزہ لیتا ہوا اندر عبادت گاہ کی شکست پوکھٹ کے قریب پہنچ کر رکا اور اندر جھائیں لگا لیکن یہ دیکھ کر اسے شدید حیرت کا سامنا ہوا کہ اندر کوئی بھی ذی نفس موجود نہ تھا البتہ اندر چند مشعلیں روشن تھیں۔

وہ دھرم کتے دل کے ساتھ اندر داخل ہو گیا پھر اس نے عبادت گاہ کا کونا کونا چھان مارا مگر اسے کوئی بت دکھائی نہ دیا، وہ بہت پریشان ہوا، ایک خیال اس کے ذہن میں یہ بھی ابھرا تھا کہ کہیں وہ غلط جگہ پر تو نہیں آ گیا تھا...؟ ابھی اسے تھوڑی ہی دیرگز ری تھی کہ اچانک باہر کچھ لوگوں کے زور زور سے بولنے کی آوازیں ابھریں، ناصر کا دل یکبارگی زور سے دھرم کا پھر وہ ایک لمحہ بھی ضائع کے بغیر ایک ٹوٹے ہوئے ستون کی آڑ میں ہو گیا۔

تب اسے بیرونی دروازے سے وہی پانچوں سانی اندر داخل ہوتے دکھائی دیئے، ناصر نے گویا اپنی سانیں روک لیں، وہ پانچوں وسط میں آ کر کھڑے ہو گئے پھر اطراف میں ایک نگاہ ڈالنے کے بعد وہیں کھڑے ہو کر آپس میں بائیں کرنے لگے۔

ایک سانی بولا۔ ”ہمارا تو خیال تھا وہ دونوں دھرمی کارخ کریں گے مگر کہاں گئے وہ دونوں....؟“

دوسری سانی بولا۔ ”وہ دونوں مورکھ یہاں ضرور آئے ہوں گے لیکن مقدس جا弗رموس کا بت نہ پا کرو اپس چلے گئے ہوں گے۔“

”کہیں ایسا تو نہیں کہ انہیں اس حقیقت کا علم ہو چکا ہو کہ ہم نے خطرے کی وجہ سے مقدس جا弗رموس کا بت کسی اور جگہ منتقل کر دیا ہے؟“ ایک تیرے سانی نے خطرہ ظاہر کرتے ہوئے کہا اور پھر چوتھے نے بدحواس ہو کر یہ مشورہ دیا۔

”میرا خیال ہے ہمیں اسی وقت چلانا چاہئے، کیا خبر وہ دونوں مورکھ وہاں تک پہنچ نہ گئے ہوں۔“

سے نے اس کی بات پر صاد کرتے ہوئے بیک وقت سر ہلا باما اور باہر کو دوڑے۔

ناصر نے ان کی باتیں سن لی تھیں، چنانچہ وہ بھی ایک لمحہ ضائع کے بغیر عبادت گاہ سے باہر آیا، پانچوں سانیوں کے تیز تیز قدموں سے تاریکی میں بڑھتے ہوئے ہیولے اسے صاف نظر

ناصر نے دوبارہ نیزہ کھینچا باقی دونوں سانسیوں میں سے ایک ناصر کی طرف اور دوسرا ساجد کی طرف بڑھا، ناصر نے اپنی طرف بڑھنے والے سانسی کی طرف نیزہ اچھال دیا جو اس کے سینے میں ترازو ہو گیا، وہ خرخراتی آواز کے ساتھ ہو ہیں؛ ہیر ہو گیا۔

پھر ناصر نے ساجد کی طرف بڑھتے ہوئے تیرے سانسی پر چھلانگ لگادی اور اسے زمین بوس کر دیا، وہ دونوں گتھم گتھا ہو گئے۔

پھر ایک موقع ملتے ہی ناصر نے چلا کر ساجد سے کہا۔ ”ساجد....! اپنی ناک کی سیدھ میں آگے بڑھو، جلدی.... جافر موس کا بت تھا رے سامنے ہے، اسے پاش پاش کر دوں۔“

یہ سننا تھا کہ ساجد دونوں ہاتھوں میں کلہاڑی کپڑے آگے بڑھا اور پھر بت کو چھوتے ہی اس نے اس پر پے در پے دار کرنا شروع کر دیئے۔

بت پاش پاش ہونے لگا، ساجد کے وجود میں غصے اور جوش غیظ کی بجلیاں سی دوڑ رہی تھیں، اس کی نظر وہ کے سامنے اپنی ماں اور باپ تیور کے چہرے رقصان تھے جو اسی مرد و دشیطان جافر موس کی شیطنت کی بھینٹ چڑھ پکھے تھے اور جس کی وجہ سے خود ساجد بھی نابینا ہو گیا تھا۔

ادھر تیرا سانسی ناصر کو پچھاڑنے کی تگ دو میں لگا ہوا تھا مگر ناصر نے اسے موقع نہ دیا۔ ساجد جوش، غم و غصے میں جافر موس کا بت پاش پاش کر چکا تھا، کام ختم ہوتے ہی ناصر نے اپنے مدمقابل سانسی کو زخمی کر کے پرے دھکیلا اور ساجد کو لئے ہوئے دوڑتا ہوا غار سے باہر آگیا، اب دونوں کا رخ اندری کوٹھی کی طرف تھا جہاں شگفتہ اور زینت ان کی منتظر تھیں۔

☆ ===== ☆ ختم شد ☆ ===== ☆